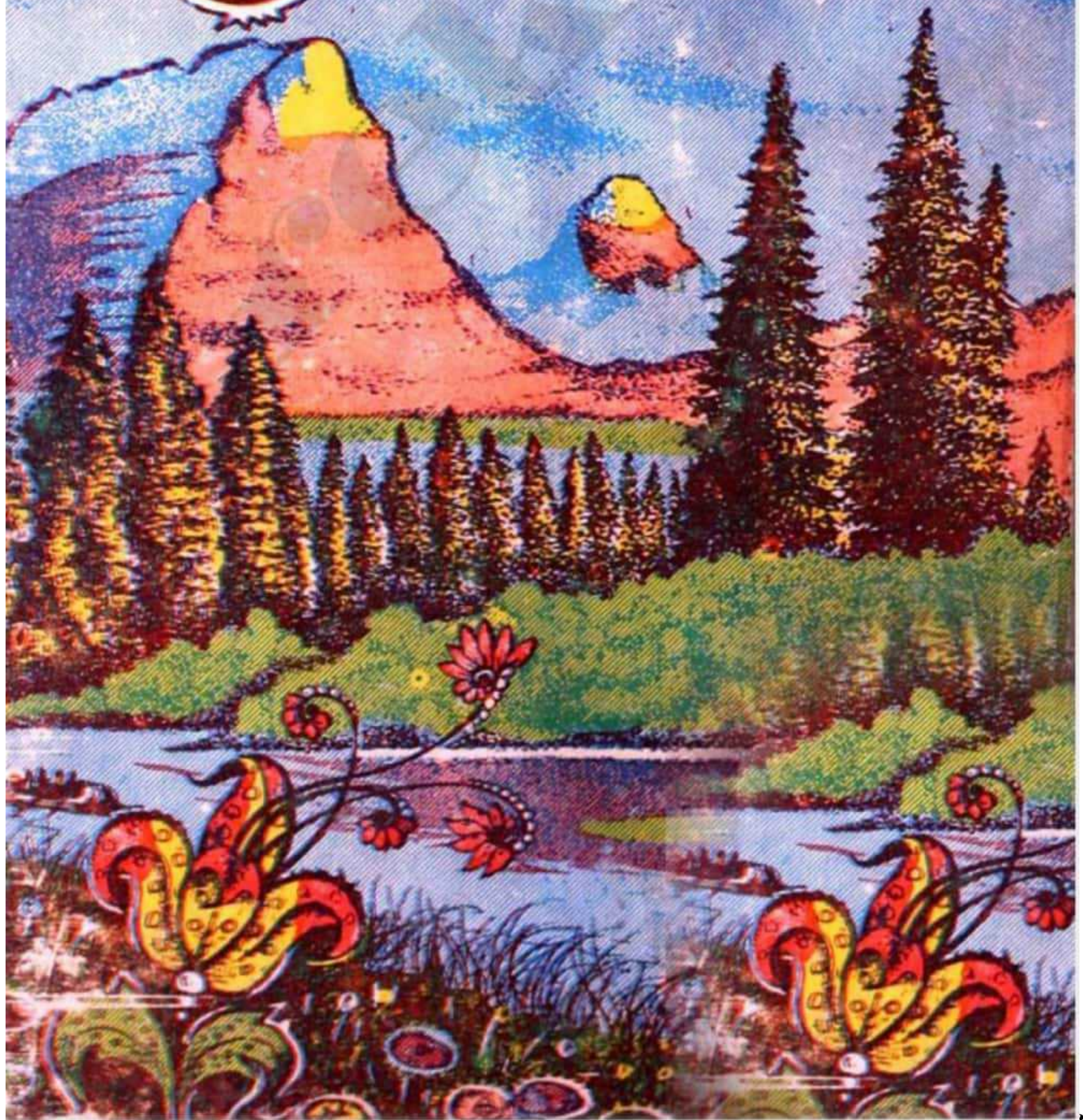
مظہر الحق علوی

لالہ صحرا



مہماتی ناولوں کے بادشاہ

رائڈر ہیگرڈ کا دوسرا ناول

لالۂ صحرا

گنج سلیماں کے بعد ایلن کوارٹرمین کی دوسری
افریقی مہم کی سنسنی خیز و پراسرار داستان

مترجم
مظہر الحق علوی

مصنف
رائڈر ہیگرڈ

قیمت

ناشر

نسیم بکڈپو۔ ۰۔۔۲۵ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ

فون:۔ آفس :۔ ۴۴۵۵۹
رہائش :۔ ۴۵۲۳۴

باہتمام :۔ فہیم انہونوی ۔ ایڈیشن [illegible] (سنہ ۱۹۸۰ء) پرنٹر :۔ نظامی پریس لکھنؤ

ابتدائیہ

۲۳ دسمبر

میں اپنے لختِ جگر کو ابھی ابھی سپردِ خاک کر کے آرہا ہوں۔ مجھے اس پر ناز تھا۔ ہائے میرا دل ٹوٹا ہوا ہے۔ جس کے صرف ایک ہی لڑکا ہو اور ظالم موت اسے یوں اچانک چھین لے تو اس شخص کے دل کی حالت جیسی کچھ ہو جاتی ہے اس کا اندازہ وہی لوگ بخوبی لگا سکتے ہیں جن پر یہ جانکاہ حادثہ گذر چکا ہو۔ سخت جان ہوں جو زندہ ہوں ورنہ کوئی اور میری جگہ ہوتا تو رنج و غم اسے دیوانہ بنا دیتے لیکن میں کیا کر سکتا ہوں یہی خدا کی مرضی تھی جو پوری ہو کر رہی اور پوری ہو کر رہے گی۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے وہی دیتا ہے اور وہی واپس بھی لے لیتا ہے اور ہم دم نہیں مار سکتے۔ یہ ورائے گاہ کی لافانی قوتوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ کس میں ہے؟ اور اگر کوئی اس سے ٹکر لیتا بھی ہے تو پاش پاش ہو جاتا ہے۔ خدا ہی نے مجھے ایک بیٹا دیا تھا جسے اب اس نے واپس بلا لیا۔ پھر مجھے شکایت کا حق کیا ہے؟

موت کی چکی شب و روز گھومتی رہتی ہے اور باری باری ہم سب کو پیس کر رکھ دے گی۔ پتہ نہیں کب اور کس وقت لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جلد یا بدیر ہمیں اس چکی میں پسنا ہے۔ ہم اس کے

سامنے سے بھاگیں موت ہمارے تعاقب میں رہتی ہے۔ ہم گڑگڑا کر درخواست کرتے ہیں لیکن موت نہیں سنتی۔ وہ بہری، اندھی اور گونگی ہے۔ اس کے سپرد تو بس ایک خدمت ہے۔ فنا۔ اور ایک روز وہ آتا ہے جب موت ہمیں اپنے آہنی پنجہ میں دبوچ لیتی ہے۔

افسوس۔ کیا پتہ تھا کہ میرا پیارا ہیری اتنے جلد مجھ سے بچھڑ جائے گا؟ ابھی اس نے دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا؟ اس کی زندگی کا آغاز تو اب ہو رہا تھا؟ اس کے قدم اب زندگی کی کٹھن راہ پر پڑنے والے تھے۔ ہیری کتنی کامیابی سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا؟ وہ اپنے آخری امتحان میں کتنے اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا تھا؟ اس کی ان کامیابیوں پر جتنا فخر مجھے تھا اتنا شاید اسے بھی نہ ہوگا۔ اور پھر اسے چیچک کے ہسپتال میں جانا پڑا۔ اس نے اپنے خط میں مجھے لکھا تھا کہ وہ چیچک وغیرہ سے نہیں ڈرتا۔ اسے ہر مرض کا بغور مطالعہ کرنا اور اس کا تجربہ حاصل کرنا ہے۔ اسی منحوس مرض نے اسے کھالیا۔ ابھی اسے دنیا میں بہت کچھ کرنا تھا۔ ظالم موت کو اس کی جوانی پر رحم نہ آیا۔ وہ اسے لے گئی اور مجھ بوڑھے کے دل پر ایک ایسا زخم چھوڑ گئی جو مجھے زندگی بھر رلاتا رہے گا۔

اب دنیا میں میرا کوئی، کوئی نہیں جو میرے آنسو خشک کر سکے، مجھ بوڑھے کو تسلی دے سکے۔ اگر میں چاہتا تو اسے اس ہسپتال میں جانے سے روک سکتا تھا۔ میرے پاس اتنی دولت تھی کہ اگر ہیری فضول خرچ بھی ہوتا تب بھی وہ اس کی عمر بھر کے لئے کافی ہوتی "گنج سلیمان"[1] نے مجھے امیر ترین شخص بنا دیا تھا لیکن میں نے سوچا "نہیں ہیری کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے دو۔ اس وقت اسے محنت کرنے

---

[1]: اس مہم کے دل ہلا دینے والے واقعات کیلئے ہمارا ناول گنج سلیمان دیکھئے۔ (مظہر الحق علوی)

دو تاکہ وہ زندگی کے آخری ایام آرام سے گزار سکے"۔ لیکن افسوس دائمی آرام اسے اسی کی محنت سے مل گیا۔

میرے دل کی دل ہی میں رہی۔ میری تمام دولت اب بیکار ہے۔ اس کا کوئی وارث نہیں میں اس بھری دنیا میں تنہا ہوں۔ کاش موت میرے بیٹے کے بدلے مجھے آجاتی۔

ہمارے گاؤں کے پرانے گرجہ گھر میں بلند مینار کے قدموں میں آج شام ہم نے ہیری کو سپرد خاک کر دیا۔ دن بے حد اداس تھا اور میری نظروں میں دنیا اندھیری ہو رہی تھی۔ دھنکی ہوئی روئی کے گالوں ایسی برف گر رہی تھی لیکن اتنی زیادہ نہیں کہ تکلیف دہ ثابت ہو۔ ہیری کا تابوت قبر کے کنارے پر رکھ دیا گیا اور برف کے دو چار گپھیوں نے اس پر گر کر اس کی سیاہی کو اور بھی نمایاں کر دیا۔ تابوت قبر میں اتارنے میں ذرا سا تاخیر ہوئی کیونکہ تابوت اتارنے کے ضروری رستے ہم مکان پر ہی بھول آئے تھے۔ ایک آدمی ان رسوں کو لانے کے لئے دوڑا گیا اور ہم سب تابوت سے کچھ دور ایک درخت تلے جا کھڑے ہوئے۔ برف کے گالے ہیری کے تابوت پر گرتے اور پھر اس کی جوان مرگی پر آنسو بن کر بہہ جاتے۔ صرف یہی نہیں ہوا بلکہ میرے دل کو چوٹ پہونچانے کے لئے کہیں سے ایک ننھا سا پرندہ اڑتا ہوا آیا اور ہیری کے تابوت پر نوحہ خوانی کرنے لگا اور میں بے قابو ہو کر رو پڑا۔ یہی حال سر ہنری کرٹس[۳] کا ہوا اور میں نے دیکھا کہ کپتان جان گڈ[۲] نے آنسو پونچھتے ہوئے اپنا منھ ہیری کے جنازے کی طرف سے پھیر لیا۔ ایلن کواٹرمین[۴]

---

۲ ۳ ۴ : ان تینوں بہادروں کے عجیب و غریب اور لرزہ براندام کرنے والے کارناموں کے لئے ناول "گنج سلیمان" دیکھئے۔

(منظہر الحق علوی)

مندرجہ بالا عبارت میں نے اپنی ذاتی ڈائری سے نقل کی ہے۔ اس عبارت کو اپنی ڈائری میں لکھے دو سال کا عرصہ ہوا۔ آپ پوچھیں گے کہ اس عبارت کو یہاں نقل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور کیوں خواہ مخواہ میں نے اپنا دکھڑا رو دیا؟ تو عرض ہے کہ میں اپنے حیرت ناک کارناموں کی جو داستان آپ کے سامنے پیش کرنے والا ہوں اس کی ابتدا اسی عبارت سے کرنا مناسب معلوم ہوا۔ بیوی کی موت کے سبب ہی میں نے ایک بار پھر افریقہ کے بھیانک جنگلوں اور خشک صحراؤں کا رخ کیا۔

اگر خدا نے چاہا تو میں اپنے عجیب و غریب اور دل ہلا دینے والے کارناموں کی داستان مکمل کر کے آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ اور اگر نہ کر سکا تو خیر کوئی بات نہیں جو خدا کی مرضی۔

یہ سطور میں اپنے وطن سے سات ہزار میل دور بستر مرگ پر پڑے ہوئے لکھ رہا ہوں۔ بیوی وہاں ہے اور میں یہاں اس سے سات ہزار میل دور افریقہ کے گھنے جنگلوں اور طوفانی ندیوں سے پرے ایک انجان مگر خوبصورت خطے میں لیکن پھر بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں بیوی سے بہت قریب ہوں شاید جلد ہی میں اس سے جا ملوں۔ انگلستان کے ایک حسین دیہات میں میرا خوبصورت مکان تھا یا یوں کہیے کہ آج تک میں افریقہ کے جن جھونپڑی نما مکانات میں اپنے دن گزارتا آیا تھا انکے مقابلے میں وہ مکان مجھے بے حد خوبصورت اور پر آسائش معلوم ہوتا تھا میرا مکان اس گرجا گھر سے جہاں میرا بیوی ابدی نیند سو رہا ہے۔ صرف پانچ سو گز کے فاصلے پر واقع تھا۔

تجہیز و تکفین کے بعد میں اس مکان پر آیا اور کچھ کھانا زہر مار کیا۔ جس کو جانا تھا وہ جا چکا اور اب وہ کسی صورت واپس نہیں آسکتا پھر اپنے آپ کو بھوکوں مارنے سے کیا فائدہ؟ اسی ایک خیال نے مجھے کھانے پر مجبور کیا۔ یہ اور بات ہے کہ میں بمشکل چند لقمے کھا سکا اور وہ بھی اس طرح سے کہ یہ لقمے گولا سا بن کر

حلق میں اٹکتے رہے۔ اس کے بعد میں اٹھ کر ڈیوڑھی میں آیا اور ٹہلنے بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ پھدکنے لگا کیونکہ میری ایک ٹانگ کو ایک خونخوار شیر نے چبا کر مجھے زندگی بھر کے لئے لنگڑا کر دیا تھا۔

میری یہ ڈیوڑھی کیا تھی گویا عجائب گھر کا ایک کمرہ تھا۔ افریقہ کے جنگلوں میں آوارہ گھومتے ہوئے جتنے جنگلی بھینسے، نیل گائے، سانبھر اور ہرن وغیرہ میری گولی کا نشانہ بنے تھے ان کی سینگوں کی جوڑیں جن کی تعداد سو کے لگ بھگ ہوگی ڈیوڑھی کی دیواروں پر لٹک رہی تھیں۔ آتش دان کے اوپر میری بندوقیں آویزاں تھیں۔

ان بندوقوں میں سے کئی ایک تو نصف صدی پرانی تھیں جن کی نالیوں میں سینگ کے ذریعہ بارود بھری جاتی ہے اب ان بندوقوں کا رواج ختم ہو چلا تھا۔ میری بندوقوں میں ایک چھرہ دس رائفل تھی جسے افریقہ کے غیر مہذب حبشیوں نے "انٹومبی" یا "شہزادی" کا معزز لقب دیا تھا۔ تمام بندوقوں کے بیچ میں ایک بڑی ہاتھی مار بندوق لٹک رہی تھی جو وحشی قبائل میں "گرج" کے نام سے مشہور تھی۔ لاتعداد ہاتھی اس بندوق کا شکار ہو گئے تھے اور اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا تھا۔ یہ مجھے بے حد عزیز تھی۔

غرض اس ڈیوڑھی میں ٹہلتے ہوئے دفعتاً میرے دل میں ایک طوفان سا اٹھا اور شدید خواہش نے جنم لیا: میں اس جگہ سے جہاں میں بے کار پڑا ہوا ہوں۔ چلا جاؤں گا۔ افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں اس سرزمین کی طرف جس سے میری زندگی کے خوشگوار دنوں کی یادیں وابستہ ہیں جہاں میں اپنی بیوی سے پہلی بار ملا تھا اور جہاں میرے پیارے بیٹے نے جنم لیا تھا۔ نہیں نہیں۔ میں اب اس مہذب دنیا میں نہیں رہ سکتا۔ یہاں کی گھما گھمی میرے اعصاب پر سوار ہو رہی ہے۔ میں واپس جاؤں گا۔ اپنی خاموش مگر وحشتناک دنیا کی طرف اور حبس جہد ادی سے

میں نے آج تک موت کا مقابلہ کیا ہے۔ مرتے دم تک کرتا رہوں گا۔"

اور میرے خیالات کو پر لگ گئے۔ تصور کے دروازے چوپٹ کھل گئے اور میں نے دیکھا کہ میں بندوق کاندھے سے لٹکائے گنجان جنگل سے گزر رہا ہوں۔ رات کا سماں، چہار سو خاموشی اور زرد چاندنی میں سامنے بہتی ہوئی ندی سیمابی چادر معلوم ہوتی تھی۔ جانوروں کا ایک قافلہ ندی پر پانی پینے آتا ہے۔ میں اپنی بندوق کاندھے سے اتار کر سیدھی کرتا ہوں۔ اور، اور.....

میں بے چین ہو گیا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ مجھے پر مل جائیں یا زمین کی طنابیں کھنچ جائیں اور میں پلک جھپکتے میں افریقہ جا پہنچوں۔ تمام رات میں سو نہ سکا۔ آخر کار اس خواہش نے اتنی شدت اختیار کی کہ نرم گرم بستر کانٹوں کی سیج معلوم ہونے لگا۔ چنانچہ میں اٹھا اور صبح تک مکان کے ہر کمرے میں آوارہ روح کی طرح بھٹکتا رہا۔

اور یہی خواہش تھی جو مجھے ایک بار پھر مع سر ہنری کرٹس اور کپتان جان گڈ کو واپس افریقہ لے گئی اور "گنج سلیمان" کی مہم کے بعد ہم دوبارہ ایک نئی اور وحشت ناک مہم پر روانہ ہوئے۔ اسی مہم کے واقعات میں اب بیان کرنے والا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ایسے انوکھے واقعات آپ نے پہلے کبھی نہ سنے ہونگے اور نہ آئندہ کبھی سن سکیں گے۔

(ایلن کواٹرمین)

پہلا حصّہ

منزل نامعلوم

ہیری کے انتقال کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔

ایک شام میں اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ یکلخت دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی خراب نظامت سے اچانک بج اٹھی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور میرے سامنے ہنری اور لیو ... پرانے ساتھی جو گنج سلیمان کی مہم میں میرے ساتھی تھے کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے بڑی گرمجوشی سے ان سے مصافحہ کیا اور ہم تینوں اس ڈیوڑھی میں جس کی تفصیل میں ابتدائیہ میں بیان کرچکا ہوں آکر آتش دان کے سامنے بیٹھ گئے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ اس وقت آتش دان میں دو چار لکڑیاں جل رہی تھیں۔

"اچھا ہوا تم لوگ آگئے۔ میں اکیلا گھبرا رہا تھا۔" میں نے کچھ نہ کچھ کہنے کی غرض سے کہا: "اس خراب موسم اور برف باری میں یہاں تک آتے ہوئے تمکو کافی تکلیف ہوئی ہوگی۔"

وہ دونوں خاموش رہے۔

سرہنری نے اپنے پائپ میں تمباکو بھری اور آتشدان سے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر پائپ سلگانے لگا۔ شعلے کی لرزاں روشنی نے گھڑی بھر کے لئے ہنری کے خدوخال کو نمایاں کر دیا اور مجھے اس کی قبول صورتی کا دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا۔ خاموش طبیعت، بلند حوصلہ اور بلند تدبر، بڑی سے بڑی مصیبت میں مسکرانے والا، خاصا طویل قد، کسرتی بدن، سر پر بھورے رنگ کے بال اور اسی رنگ کی گھنی داڑھی صحیح معنوں میں انسانیت کا مکمل نمونہ اس کے ایسا

چوڑا چکلا سینہ، بھرے بھرے شانے کم از کم میں نے تو کسی اور کے نہیں دیکھے حالانکہ اس کا قد چھ فٹ دو انچ تھا لیکن سینے کے پھیلاؤ کے باعث اس کی طویل القامتی دب کر رہ گئی اور وہ لمڈھینگ سا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

اس کی طرف دیکھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ ہم دونوں میں کتنا مضحکہ خیز تضاد ہے۔ آپ ذرا اس شخص کو تصور میں لانے کی کوشش کیجئے جس کی عمر ساٹھ اور تین سال کی ہو، پستہ قد، لیکن نہ اس قدر کہ بالکل بونا ہی معلوم ہو۔ دبلا پتلا جسم لکڑی کے سے ہاتھ پیر، تیز دھوپ میں جھلسی ہوئی رنگت بڑی بڑی اور نیلی آنکھیں، سر پر چھوٹے ترشے ہوئے بال جو خاردار پشت کے کانٹوں کی طرح ہر وقت کھڑے رہتے تھے۔ کیسے آگیا آپ کے تصور میں یہ شخص؟ تو یہ شخص میں ہوں۔ جی ہاں ایلن کوارٹر مین جو عام طور سے مہذب دنیا میں بوڑھا شکاری اور افریقہ کے وحشی قبائل میں "میکومیزن" کے نام سے جانا جاتا ہے

اب رہا کپتان گڈ تو اس کی شخصیت نرالی ہی تھی۔ ہم دونوں سے مختلف بالکل مختلف۔ خاصہ پستہ قد اور موٹا بہت زیادہ موٹا۔ سیاہ چمکدار آنکھیں اور ایک آنکھ پر یک چشمی عینک چڑھی ہوئی جو اس کے چہرے سے کبھی الگ ہوتی ہی نہ تھی۔ وہ اس کے جسم کا ایک عضو بن گئی تھی اور اسی یک چشمی عینک کے بغیر آپ کبھی گڈ کا تصور ہی نہیں کر سکتے اور ہاں اس کے دانت بھی مصنوعی تھے۔ "گنج سلیمان" کی مہم سے لوٹنے کے بعد گڈ کا موٹاپا بڑی سرعت سے بڑھتا جا رہا تھا اور مجھے خوف ہو چلا تھا کہ کہیں اس کا جسم غبارے کی طرح پھٹ نہ جائے۔ سر ہنری کا کہنا تھا کہ بہت زیادہ کھانے اور کاہلی سے ایک ہی جگہ پڑے رہنے کے باعث اس پر موٹاپا چھا رہا ہے۔ ہنری کی یہ سیدھی سی بات گڈ کو بڑی ناگوار گزرتی لیکن حقیقت سے اسے بھی انکار نہ تھا۔

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ رہا۔

میں نے اپنے خیالات سے چونک کر میز پر رکھی ہوئی لالٹین کو جلا دیا۔ اسکی مریضانہ روشنی کمرے میں پھیل گئی اور فضا کی رگ رگ میں اداسی سی رچ گئی۔

"جس کو مرنا تھا سو مر چکا اب تمہارے اداس ہونے اور آنسو بہانے سے وہ واپس نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنے آپ کو تسلی دی اور اٹھ کر الماری سے وہسکی کی بوتل تین جام اور سوڈا لے آیا۔ یہ کام میں بذات خود ہی کیا کرتا ہوں ہر وقت میری خدمت میں کوئی نوکر رہے تو مجھے بے چینی سی محسوس ہوتی ہے اور خواہ مخواہ میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ میں کوئی معذور یا اپاہج ہوں جس کی دیکھ بھال کے لیے کسی نہ کسی کا ہر وقت نزدیک رہنا ضروری ہے۔

اس عرصہ میں گڈو اور رمزی خاموش بیٹھے رہے۔ شاید وہ جانتے تھے کہ اب مجھے تسلی اور دلاسہ دینا بیکار ہے یا اس لیے کہ ان کے پاس الفاظ نہ تھے۔ چنانچہ وہ اپنی خاموشی اور موجودگی سے ہی میری ڈھارس بندھا رہے تھے اور سچ پوچھیے تو ان دونوں کی ہی شخصیت میرے لیے دنیا میں سہارا بنی ہوئی تھی۔ اس حقیقت سے تو شاید کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ رنج و غم میں دوستوں کی موجودگی ہی بہت بڑا سہارا ثابت ہوتی ہے۔ عقلمند دوست اس وقت خاموش رہتے ہیں اور بھاری بھرکم الفاظ کہہ کر اپنے جھوٹے اور سطحی خلوص کا اظہار نہیں کرتے لیکن جن دوستوں کی دوستی محض دکھاوا ہوتی ہے وہ رنج و غم کا اظہار بھی کریں گے آنسو بھی بہائیں گے اور مرنے والے کی خوبیوں کا ذکر اس انداز میں کریں گے کہ آپ کا غم تازہ ہو جائے گا اور گزرا زمانہ یاد آ جائے گا۔ اسے کہتے ہیں دوستی کے پردے میں دشمنی۔

میں آتشدان کے قریب کھڑا تھا اور گڈو اور رمزی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے

پائپ اور وہسکی پیا کرتے تھے آخر کار میں نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔
"دوستو!" میں نے کہا "ہمیں گنج سلیمان کی مہم سے لوٹے کتنا عرصہ ہوا؟"
"تین سال کیوں؟" گڈ نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے میں اس مہذب دنیا میں بہت دن گذار چکا۔ اب میں واپس اپنے جنگلوں اور صحراؤں کی طرف جاؤں گا۔"

سر ہنری نے اپنا سر کرسی کی پشت پر ٹکا دیا اور بے ساختہ اس کے منہ سے ایک قہقہہ نکل پڑا۔

"کتنا عجیب اتفاق ہے۔" ہنری نے کہا "کتنا عجیب کیوں گڈ ہے کہ نہیں۔"

گڈ نے اپنی یک چشمی عینک سے بڑے پراسرار طور پر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہاں ہے تو بہت بے حد عجیب ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے حیرانی سے باری باری اپنے دونوں دوستوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پہیلیوں نہ پہیلیاں بجھواؤ صاف صاف کہو بات کیا ہے؟"

"نہیں سمجھے؟" سر ہنری نے کہا۔ "جب ہم یہاں آرہے تھے تو گڈ نے اور میں نے کچھ باتیں طے کیں۔"

"گڈ تمہارے ساتھ تھا تو یقیناً تم نے لاتعداد باتیں طے کی ہوں گی۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "کیونکہ بڑا باتونی شخص ہے لیکن کس بارے میں؟"
"تم ہی بتاؤ؟" سر ہنری نے اس بچے کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا۔ جس کی مٹھی میں کوئی چیز دبی ہوئی ہو۔"
میں نے نفی میں سر ہلایا۔ بھلا یہ میں کیسے جان سکتا تھا کہ گڈ نے کیا کہا

اور ہنری نے کیا جواب دیا۔ گڈ تو اوٹ پٹانگ باتیں کرنے کا عادی تھا ہی۔
"نہیں بتا سکتے؟ خیر سنو۔" ہنری نے کہا۔ "میری ایک چھوٹی سی تجویز ہے اور وہ یہ کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو ہم اپنا بوریا بستر سنبھال کر ایک بار پھر افریقہ کی طرف کسی نئی مہم کی خاطر روانہ ہو جائیں۔"

مارے خوشی کے میں اچھل پڑا۔

"خدا کی قسم۔ سچ کہتے ہو یار؟"

"ہاں بالکل۔ گڈ بھی تیار ہے۔ کیوں گڈ؟"

"بات یوں ہے۔" سر ہنری نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "کہ میں خود یہاں بیکار پڑے پڑے عاجز آ چکا ہوں۔ یہاں ہمارا کچھ کام ہی نہیں سوائے اس کے کہ کاہلی سے پڑے رہیں، یا ہفتہ عشرے میں اپنی جاگیر کا چکر لگا کر کسانوں پر رعب گانٹھ آئیں۔ نہیں صاحب میں تھک چکا ہوں ان چیزوں سے۔ یہاں پڑے پڑے میں اس ہاتھی کی بے چینی محسوس کرنے لگا ہوں جس نے خطرے کی بو پا لی ہو۔ پچھلے ایک سال سے میری یہی حالت ہو رہی ہے۔ گگول[1]، لوالہ[2] اور گنج سلیمان کے غار بری طرح سے یاد آ رہے ہیں۔ افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں بھٹکنے کی خواہش میرے دل میں جڑ پکڑ چکی ہے۔ ہائے کواٹرمین صحرا کی بھیانک راتیں پانی کی قلت اور پھر کوہ سبا کا غار اور

---

[1]: اسی چڑیل کی حیرت ناک پیشین گوئیاں اور اس کا خونی ناچ ناول "گنج سلیمان" میں ملاحظہ فرمائیں۔
[2]: اس وحشی قوم کی خون آشامیاں اور اس کے قبیلے کے عجیب و غریب رواج کے لئے "گنج سلیمان" دیکھئے۔

آخر میں کوکوآنہ[3] میں داخلہ۔ اوہ۔ وہ ایک سال جو ہم نے کوکوآنہ کے انجان خطہ میں بسر کیا تھا شاید میری زندگی کا بہترین سال تھا۔ چڑیل گگول کا جادو ایک آنکھ والے ٹوالا کی ہم سے دشمنی، موت کا کمرہ اور پھر آخر میں خزانہ۔ اُف وہ صحیح معنوں میں ہم موت کے پنجے سے اپنا دامن چھڑا کر بھاگے تھے۔ کوارٹرمین! میں ان واقعات کو نہیں بھلا سکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ "گنج سلیمان" کی مہم میں ہماری جان کے لالے پڑ گئے تھے اور دوبارہ اس قسم کی مہم پر جانے کا خیال کرنا بھی حماقت ہے لیکن کیا کروں میرا دل میرے اختیار میں نہیں کوئی انجانی طاقت مجھے افریقہ کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔ میں ایک بار پھر بھیانک جنگل اور جان لیوا صحرا کو عبور کر کے کسی انجان اور انوکھے خطہ میں جانا چاہتا ہوں اور ضرور جاؤں گا۔"

چند ثانیوں تک ہنری خاموش رہا۔

"اور کیوں نہ جاؤں؟" اس نے پھر کہا: "اس دنیا میں میرا کون ہے۔ نہ جورو نہ جاتا اللہ میاں سے ناتا۔ اگر اس مہم سے میں واپس نہ آسکا تو میری جاگیر اور میرا اعزاز نوابی اصولوں کے رو سے میرے بھائی جارج کو مل جائے گا اور مجھ سے زیادہ جارج کو ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ خدا کے فضل سے اس کے بیوی بھی ہے اور لڑکا بھی۔ نہ تو مجھے دولت کی خواہش ہے اور نہ اس کی ضرورت اور سچ تو یہ ہے کہ کسی اور کو بھی میری ضرورت نہیں۔ میری غیر موجودگی سے آخر کیا فرق پڑ جائے گا؟ کچھ بھی نہیں۔ دنیا کے کاروبار میرے بغیر بھی چلتے رہیں گے اور چند ہی سالوں بعد لوگ مجھے فراموش کر جائیں گے۔ نہیں کوارٹرمین میں افریقہ ضرور

---

[3] :۔ تفصیل کے ساتھ ملاحظہ ہو۔ ناول "گنج سلیمان"۔

جاؤں گا۔ ضرور، ضرور۔"

"مجھے یقین تھا ہنری کہ جلد یا بدیر تمہیں صحراؤں اور جنگلوں کی یاد ضرور بیقرار کر دے گی۔" میں نے کہا۔ "اور جبکہ گڈ۔ ظاہر ہے کہ تم کوئی کام بلا مقصد نہیں کرتے چنانچہ اس مہم پہ جانے کے لئے جو تم تیار ہوئے ہو تو ضرور اس میں بھی تمہاری کوئی غرض پوشیدہ ہوگی کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ وہ کیا ہے؟"

"سچ" گڈ نے کہا۔ "کہ میں ہر کام میں اپنا فائدہ پہلے سوچ لیتا ہوں لیکن تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ کسی خاتون کے اکسانے سے میں اس مہم پر نہیں جا رہا ہوں یہ اور بات ہے کہ شاید ہمیں ہماری منزل پر کوئی ایک معشوقائیں مل جائیں میرے آنے کی ایک یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے۔"

میں نے حیرانی سے گڈ کی طرف دیکھا۔

"لیکن تمہارے ساتھ آنے میں میری ایک اور غرض پوشیدہ ہے۔" گڈ نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"دراصل میں موٹا ہوا جاتا ہوں اور۔۔۔۔۔"

"ہشت" ہنری بے ساختہ ہنس پڑا اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کواٹر مین اب یہ بتاؤ کہ کس طرف جانے کا ارادہ ہے؟"

میں نے اپنا پائپ سلگایا جو اس عرصے میں بجھ گیا تھا۔

"تم لوگوں نے کبھی کوہ کینیا کا نام سنا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں تو۔" گڈ نے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر جزیرہ لامو کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"یہ بھی نہیں۔۔۔۔ ہاں ٹھہرو، یہ وہی مقام تھا تا جو زنجبار کے شمال میں تین سو میل کے فاصلہ پہ واقع ہے؟"

"ہاں بالکل وہی۔ اچھا تو سنو میرا خیال ہے کہ ہم پہلے نائیجا جائیں اور پھر وہاں سے دو سو میل آگے لوڈ کیلیا تک اور پھر اس سے بھی آگے لیکا کیرا تک ہو آئیں یہ دونوں علاقے ان دیکھے ہیں جیسا کچھ پتہ چلا ہے آج تک کسی مہذب شخص کے قدم اس جگہ تک نہیں پہنچے۔ ہم پہلے شخص ہوں گے جو اس مقام کا کھوج لگائیں گے کہو کیا خیال ہے؟"

"بڑی دلچسپ مہم ہے۔" ہنری نے کہا۔

"اور بہت خطرناک بھی" گڈ نے اضافہ کیا

"جی ہاں بہت خطرناک لیکن جب جان ہتھیلی پہ رکھ کر ہی چلے ہیں تو پھر خوف کا ہے کا؟ گنج سلیمان کی مہم میں بھی ہم نے کتنے خطرات کا مقابلہ کیا ہے اگر زندگی ہے تو اس خطرناک مہم سے بھی صحیح سلامت لوٹ آئیں گے لیکن اگر ہماری قسمت میں انجان سرزمین اور انجان لوگوں کے ہاتھوں مرنا لکھا ہے تو اسے کوئی مٹا نہیں سکتا یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش رہی ہے کہ میں مرنے سے پہلے ایک بار ضرور اس جگہ تک ہو آؤں لیکن آج تک اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ ہیری کی موت نے مہذب دنیا سے میرا رشتہ منقطع کر دیا اور اب میں یکسوئی سے کینیا کی مہم سر کر سکوں گا۔ اب میں تمہیں ایک نہایت اہم بات بتاتا ہوں بہت سالوں سے میں یہ افواہیں سن رہا تھا کہ اسی سمت میں کسی جگہ کوئی سفید فام قوم بستی ہے۔ پتہ نہیں وہ کون لوگ ہیں، وحشی یا تہذیب یافتہ؟ اور افریقہ کے گھنے جنگلوں میں جہاں آدم خور بستے ہیں کہاں سے آگئے۔ یہ سوالات ہیں جنہوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے اور میں اس قوم کو تلاش کروں گا۔ اور اگر یہ افواہیں حقیقت پر مبنی ہوئیں تو میں ضرور اس کا پتہ لگا لوں گا۔ تم دونوں آنا چاہتے ہو تو بسم اللہ ورنہ بندہ اکیلا ہی جائے گا۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں حالانکہ خود مجھے سفید فام قوم کے افسانے میں حقیقت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔" سر ہنری نے اٹھ کر آہستہ سے میرے کندھے پر اپنا

بھاری بھر کم ہاتھ رکھ دیا۔

"چلئے صاحب میں اکیلا یہاں رہ کر کیا کروں گا چنانچہ انشاء اللہ" گڈ نے کہا۔
"چلئے کینیا اور اس سے آگے ان مقامات تک جن کا تلفظ مشکل ہے۔ سفید فام قوم کی تلاش میں جس کا کوئی وجود نہیں۔ میرے لئے کسی جہاز میں کپتان کے فرائض انجام دینا یا اس مہم پہ جانا دونوں برابر ہیں۔

"کب روانہ ہونے کا ارادہ ہے؟" میزبان نے پوچھا۔

"اسی ہفتہ پیر کے روز" میں نے جواب دیا۔ "برٹش انڈیا کے جہاز سے اور گڈ جبکہ تم نے سفید قوم کے بارے میں چونکہ آج تک کچھ سنا نہیں اس لئے یہ خیال کرنا کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ ان افواہوں میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے گنج سلیمان یاد ہے نا؟ تم اس خزانے کی بھی تو منکر تھے اور آخر نتیجہ یہ کہ تم ہیروں سے لدے پھندے لوٹے ہو کہ نہیں؟"

مندرجہ بالا گفتگو کو چند دو ہفتے گزر گئے۔
ہم نے کوہ کینیا تک پہونچنے کے لئے جو راستہ تجویز کیا تھا اسے ترک کرنا پڑا۔ اور ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ کافی غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے کہ کوہ کینیا تک ہم دریائے ٹانا کے دہانے سے روانہ ہو کر بہ آسانی پہونچ سکتے ہیں۔ ابتدا میں مقام روانگی ممباسہ تجویز ہوا تھا یہ جگہ دریائے ٹانا زنجبار سے سو میل کے فاصلہ پر ہے۔

اب یہ بھی سن لیجئے کہ ہمیں اپنا پہلا خیال کیوں بدلنا پڑا۔ ہوا یوں کہ جب ہم انگلستان سے افریقہ جا رہے تھے تو بندرگاہ پہ اتفاقاً ہماری ملاقات ایک جرمن شخص سے ہو گئی اس نے ہمیں بڑی قیمتی معلومات بہم پہونچائیں اور اسی کی معلومات پہ

محسوس کرتے ہوئے اپنا پہلا خیال ترک کرنا پڑا۔ وہ شخص از حد گندہ اور غلیظ تھا۔ لیکن مخلص اور خوش مذاق۔

"لامو" اس نے کہا تھا۔ "آپ لوگ لامو جا رہے ہیں؟ بڑی خوشگوار جگہ ہے۔ ایک سال میں نے وہاں گذارا ہے اور اتنی اچھی آب و ہوا وہاں کی ہے کہ یقین مانئے اس تمام عرصے میں میں ایک ہی قمیص پہنے رہا۔ نہ تو پسینے میں تربتر ہوئی اور نہ خاک دھول سے گندی ہوئی۔"

لامو کی بندرگاہ پر ہم اپنے سامان کے اتر پڑے۔ اب یہ سوال درپیش تھا کہ ہم جائیں کہاں؟ قیام کرنے کے لئے کوئی مناسب جگہ نظر نہ آتی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو ہم سرکاری قونصل کی کوٹھی کی طرف چل پڑے اور وہاں خلاف توقع ہمارا شاندار استقبال کیا گیا۔

لامو عجیب و غریب جگہ ہے اس کی ایک چیز کو میں زندگی بھر فراموش نہ کر سکوں گا اور وہ ہے اس کی غلاظت اور فضا میں رچی ہوئی بدبو۔ قونصل صاحب کی کوٹھی کے قدموں میں ساحل ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ دلدل کا کنارہ ہے جسے ساحل کا نام دے دیا گیا ہے۔ جزر کے بعد یہ جگہ ننگی ننگی سی رہ جاتی ہے اور پھر شہر بھر کی غلاظت، فضلہ اور آخور کے گودام کا کام دیتی ہے۔ مد و جزر کے بعد جب پانی کافی دور چلا جاتا ہے تو عورتیں ناریل کے ٹکڑے لیکر آتی ہیں اور انہیں دلدل میں دفن کر دیتی ہیں۔ یہ ناریل اس وقت تک دفن رہتے ہیں جب تک کہ ان کا اوپری سخت خول گل کر نرم نہیں ہو جاتا۔ پھر عورتیں آتی ہیں اپنے اپنے ناریل دلدل سے نکالتی ہیں اور ان کے ریشوں سے چٹائیاں اور دوسری چیزیں بناتی ہیں غیر ملکی تاجر ان چیزوں کو نہایت سستے داموں خرید لیتے ہیں اور دور دراز ملکوں میں دگنی تگنی قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں۔

صدیوں سے یہی حال چلا آرہا ہے تو پھر جانے اس کے کہ میں ماحول کی حالت کو تفصیل سے بیان کروں آپ اس کی حالت کا تصور خود کر سکتے ہیں ......
زندگی کے طویل سالوں میں مجھے بڑی نایاب بدبوؤں سے پالا پڑا ہے لیکن اس چاندنی رات میں ہمارے میزبان کی کوٹھی کی چھت پر جب ہم بیٹھے ہوئے تھے اور ساحل سے اٹھتی ہوئی جو تیز سڑاند ہمارے نتھنوں میں پہونچ رہی تھی اس نے پچھلی تمام بدبوؤں کو مات کر دیا تھا اب اگر لامو کے باشندے آئے دن بخار میں مبتلا رہتے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی مجھے کہنے دیجئے کہ لامو کا اپنا ایک الگ حسن ہے ہر چند کہ اس حسن میں ایک قسم کی بے کیفی سی ہے لیکن حسن آخر حسن ہے۔

"تو آپ لوگوں کا کس طرف جانے کا ارادہ ہے"۔ ہم رات کا کھانا کھا کر پائپ پی رہے تھے کہ ہمارے میزبان قونصل نے پوچھا۔

"کوہ کینیا تک اور اگر ممکن ہوا تو اس سے بھی آگے لیکا کیسرا تک"۔ ہنری نے جواب دیا۔ "ہمارے دوست کواٹرمین نے اس سمت کے کسی انجان خطہ میں بسے ہوئے سفید فام لوگوں کے کچھ قصے سنے ہیں ہمارا ارادہ اس قوم کے مسکن تک جانے کا ہے"۔

"اس قوم کے بارے میں کچھ افواہیں میں نے بھی سنی ہیں"۔ قونصل صاحب نے کہا۔

"ارے آپ نے کیا سنا ہے؟" میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کچھ زیادہ نہیں سنا۔ ایک سال کا عرصہ ہوا مجھے اپنے دوست میکنزی کا ایک خط ملا تھا۔ میکنزی سرکاری مبلغ ہیں اور ان کا مستقر دریائے ٹمانا کے سب سے گہرے اور انتہائی سرے پر واقع ہے۔ میکنزی نے اپنے اس خط میں اس سفید فام قوم کے بارے میں چند باتیں لکھی تھیں"۔

"وہ خط تو یقیناً آپ کے پاس ہوگا؟" میں نے کہا۔

"نہیں وہ خط کبھی کا تلف ہو گیا۔"

مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔

"لیکن مجھے خط کی عبارت یاد ہے میکنزی نے لکھا تھا کہ کوئی انجان شخص ایک روز کہیں سے اس کے مستقر تک آیا تھا۔ اسی شخص نے میکنزی کو سفید فام قوم کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ لیکا کیرا سے پرے پہونچ گیا تھا۔ وہاں اسے "لاگا" نامی ایک تالاب نظر آیا۔ یہ تالاب بقول اس شخص کے لیکا کیرا سے دو ماہ کی مسافت پر واقع ہے۔ لاگا تالاب سے آگے بڑھ کر وہ مسلسل ایک ماہ تک بے آب و گیاہ صحرا اور پہاڑیوں میں جو کانٹے دار زہریلے تھوہڑوں سے پُر تھیں سفر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہونچ گیا جہاں کے لوگ سفید فام ہیں اور پتھر کے مکانوں میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پھر خدا معلوم کیا ہوا کہ معبد کے پجاریوں نے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جاگزیں کر دیا کہ وہ شیطان ہے جو انسان کا روپ دھار کر ان کی بستی کو تباہ و برباد کرنے آیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسے اپنی بستی سے نکال باہر کیا وہ مسلسل آٹھ ماہ کا سفر کر کے آخر نہایت خستہ حالت میں میکنزی کے مستقر تک پہونچ گیا اور کسی حادثہ کا شکار ہو کر مر گیا۔ یہی کچھ میکنزی نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا۔ سچ پوچھئے تو مجھے یہ محض ایک تخیلی افسانہ معلوم ہوتا ہے جو اس شخص نے میکنزی پر یا تو رعب گانٹھنے یا ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے گڑھا تھا۔ معمولی عقل و خرد رکھنے والا شخص بھی سوچ سکتا کہ افریقہ کے جنگلوں میں سفید فام لوگ کہاں سے آمرے؟ لیکن اگر آپ اس قوم کی تحقیق پر تلے ہوئے ہیں تو میں آپ کو منع نہیں کرتا۔ ممکن ہے اس افسانے میں کچھ حقیقت ہو۔ میری مانئے اور دریائے ٹانا کے کنارے کنارے چلے جائیے

آپ میکنزی کے مستقر تک پہونچ جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ میکنزی سے آپ کو نہایت قیمتی معلومات مل جائیں گی اور پھر آپ کوئی فیصلہ بخوبی کر سکیں گے۔"

میں نے اور ہنری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ قونصل صاحب کا مشورہ قابل قبول تھا۔

"آپ کا مشورہ بہت مناسب ہے"۔ میں نے کہا اور ہم اس پر عمل کرتے ہوئے یہاں سے سیدھے مسٹر میکنزی کے پاس ہی جائیں گے۔

"اور یہی آپ کے لئے بہتر بھی ہوگا"، قونصل نے کہا۔ "لیکن میں آپ کو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ اس سفر میں قدم قدم پر موت کا سامنا ہوگا۔ قبیلہ "مسائی" کے جنگجو لوگ جنگلوں میں بکھرے پڑے ہیں اور شاید آپ جانتے ہوں گے کہ یہ لوگ بڑے خونخوار اور وحشی ہوتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ یہیں سے چند ملازموں کو اپنے ساتھ لے لیں اور کچھ باربردار بھی جو آپ کے ساتھ پہلی منزل تک جائیں وہاں سے ان کو رخصت کر کے آپ دوسرے باربردار لے لیں اس طرح سے آپ کو اپنا ساز و سامان لے جانے میں آسانی ہوگی اس کے علاوہ آپ کی تعداد زیادہ ہوگی تو کسی کی آپ پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں پڑے گی۔"

خوش قسمتی سے انہیں دنوں "لامو" میں قبیلۂ "وکوافی" کے چند نوجوان سپاہی مقیم تھے۔ یہ لوگ "مسائیوں" کے جانی دشمن ہوتے ہیں اس کے علاوہ اتنے بہادر اور جیدار ہوتے ہیں کہ کسی خطرے میں پیچھے نہیں ہٹتے صرف مارنا اور مرنا جانتے ہیں۔ ماہر شکاری ہوتے ہیں اور افریقہ کے اور باشندوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی مہذب اور شائستہ ہوتے ہیں۔ وکوافیوں کی یہ جماعت کچھ ہی دن ہوئے کسی طویل سفر سے لوٹی تھی۔

اس جماعت کے لامو میں آنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک انگریز سیاح نے انہیں ساتھ لے کر ممباسہ سے جو لامو سے دو سو پچاس میل نیچے ایک بندرگاہ ہے اپنا سفر شروع

گیا تھا اور افریقہ کی بلند ترین پہاڑ "کلیمن جارو" کا چکر لگا کر واپس لوٹ رہا تھا کہ اسے تیز بخار نے آ لیا اور وہ ممباسہ سے صرف ایک روز کی مسافت پر آ کر مر گیا۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اگر اس انگریز کو چند گھنٹوں کی اور مہلت مل جاتی تو وہ ممباسہ پہنچ جاتا لیکن یہ اس کی قسمت میں نہ تھا۔ وہ شخص جو ان گنت خطرات سے گزر کر آ رہا تھا معمولی بخار سے ہار مان گیا۔ اس غریب کے اوپر کیا گزری ہوگی؟ کتنے ہی ارمان ہوں گے جو اس کے ساتھ دفن ہو گئے ہوں گے۔ اس کی آخری گھڑیاں کتنے اضطراب میں گزری ہوں گی؟ اور ممباسہ پہنچنے کی خواہش نے اسے آخری سانس تک بے چین رکھا ہوگا بہرحال اس کے ملازموں نے اسے وہیں دفن کیا اور لامو چلے آئے۔

ہمارے قونصل دوست نے کہا کہ اگر اسی جماعت میں سے ہمیں چند ملازم مل جائیں تو بہتر ہوگا چنانچہ دوسرے روز ناشتہ سے فراغت پاتے ہی ہم نے ایک مترجم کو ساتھ لیا اور اسی طرف چلے جہاں وہ جماعت مقیم تھی۔

ہم جلد ہی وہاں پہنچ گئے۔ دلدل کے کنارے بنی ہوئی گھاس پھوس کی ایک جھونپڑی کے دروازے پر تین وکوانی بیٹھے کاہلی سے جمائیاں لے رہے تھے تینوں دیو قامت شخص تھے بغیر کسی تمہید کے ہم نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ لیکن انہوں نے بڑا مایوس کن جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ لمبی منزل مار کر آ رہے ہیں اس لئے بے حد تھکے ہوئے تھے اس کے علاوہ اپنے انگریز آقا کی موت کے سبب بے حد ملول چنانچہ وہ کسی اور سفر پر جانے کا خیال تک نہیں کر سکتے تھے وہ اپنی بستی میں جا کر آرام کرنا چاہتے تھے۔

ان کا یہ جواب کچھ زیادہ امید افزا نہ تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ ان پر رعب جمایا جائے ممکن ہے اس طرح سے ہمیں کامیابی ہو۔

"تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" میں نے کڑک کر یوں کہا جیسے میں کوئی سراغ رساں ہوں اور کسی جرم کی تفتیش کرنے آیا ہوں۔

"ہم سے کہا گیا تھا کہ تم تعداد میں چھ ہو اور اس وقت میں صرف تین دیکھ رہا ہوں۔"

"جھونپڑی میں سو رہے ہیں۔" ان میں سے ایک نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "تھکن نے ان کے بدن چور چور کر رہے ہیں اور آقا کی موت کے سبب وہ بیب کی طرح وزنی ہیں۔ چنانچہ وہ سو کر اپنی تھکن اور غم دور کر رہے ہیں۔"

"اٹھاؤ انہیں۔" میں گرجا۔

ابھی وہ پس و پیش کر ہی رہے تھے کہ سونے والے بیدار ہو کر انگڑائیاں لیتے جھونپڑی سے باہر آ گئے۔ دو شخص جو نمودار ہوئے وہ کم و بیش ان ہی جیسے ہوئے وکوافیوں ایسے ہی تھے اور ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن تیسرا شخص جو جھونپڑی سے باہر آیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔

آنے والے کا قد چھ فٹ تین انچ ہوگا۔ نہ موٹا نہ لاغر ٹہنیوں ایسے لچکدار بازو اسکے گھٹنوں تک پہونچتے تھے وہ وکوافی قبیلہ سے نہ تھا بلکہ خالص "زولو" تھا اس نے جھونپڑی کے دروازے کے بیچ میں کھڑے ہو کر اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ کا پنجہ منہ پر رکھا اور ایک طویل جمائی لی۔ پنجہ نے اسکے چہرے کے بیشتر حصہ کو ڈھک لیا اور میں سوائے اسکے کچھ نہ دیکھ سکا کہ اسکے ماتھے پر عجیب و غریب تکونا سوراخ بنا ہوا تھا جو شاید کسی گہرے زخم کا نشان تھا۔ اس سوراخ پر نہایت باریک چمکدار جھلی سی تنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے چہرے سے اپنا پنجہ ہٹایا اور اب میں اس طاقتور زولو کے خد و خال کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ مضحکہ خیز چھوٹا سا دہن، بکرے ایسی کھچڑی ڈاڑھی، گھنی بھوؤں تلے عقاب ایسی تیز اور چمکدار آنکھیں۔ حالانکہ اس سے ملے آج بارہ سال گزر چکے تھے لیکن میں نے اسے فوراً ہی پہچان لیا۔

"الاے امسلوپوگاس تم ؟" میں نے زولو زبان میں کہا۔

وہ دیوقامت زولو جس کے جنگی کارناموں کی عجیب و غریب داستانیں قبیلۂ زولو کے ہر گھر میں سنائی جا رہی تھیں اور جو افریقہ کے وحشی قبائل میں "کٹھ پھوڑ" اور "خونریز" کے نام سے مشہور تھا۔ امسلوپوگاس اس طرح چونکا کہ اس کے ہاتھ سے جنگی کلہاڑا چھوٹ کر زمین پر جا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے، مجھے پہچان کر وہ سلام کر رہا تھا۔

"کوسی! سردار!" اس نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "کوسی پاکیٹی۔ کوسی امکول (میرے پیارے سردار، میرے عظیم سردار)"

چند لمحوں تک اس کے موٹے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہی۔

"سردار!" اس نے کہا۔ "میرے محترم اور عظیم سردار میکومیزن[1]۔ بوڑھے مگر بہادر شکاری۔ ہاتھیوں کی موت اور شیروں کو دھتکار دینے والے میرے ہوشیار زیرک اور بہادر سردار جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا جو اپنے ساتھی کا ہاتھ مرتے دم تک پکڑے رہتا ہے (مطلب یہ کہ سچا دوست) سردار سنو۔ ہمارے بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے قیامت تک نہیں مل سکتا لیکن بچھڑا ہوا ساتھی کبھی نہ کبھی مل ہی جاتا ہے۔ سنو سردار سنو۔ ناٹال سے ایک شخص آیا تھا "میکومیزن مر گیا۔" اس نے کہا تھا۔ "ہاں میکومیزن اس دنیا میں نہیں۔" اس ناپاک کے منہ میں خاک۔ اس واقعہ کو ایک سال کا عرصہ ہوا۔ میں آپکی موت پر ملول تھا۔ بے حد ملول لیکن آپ کی یاد بدستور دل میں قائم تھی اور اب لو دیکھو اس بدبودار شہر میں مجھے میرا دوست میکومیزن مل گیا۔ اب کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ پتہ نہیں وہ شخص

---

[1] میکومیزن یعنی بہادر شکاری۔ یہ لقب کواٹرمین کو افریقہ کے وحشی قبائل نے دیا تھا۔ دیکھئے ناول "گنج سلیمان" (مظہر الحق علوی)

کہاں سے آپ کی موت کی خبر لے آیا تھا۔ بارہ سال، افوہ کتنی طویل مدت۔ بارہ سال بعد آج پھر میرا دوست میرے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اس میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی البتہ لومڑی کی دُم میں سفیدی آچلی ہے (یہ گویا میری ڈاڑھی کی تعریف تھی) لیکن آنکھیں ویسی ہی چمکدار ہیں اور منہ میں دانت بدستور قائم ہیں۔ ہا ہا۔ ہو بہو ہے میکومیزن آپ کو یاد ہے نا ایک روز بپھرے ہوئے جنگلی بھینسے کی آنکھ میں آپ نے کس طرح سے گولی کھادی تھی۔ یاد ہے نا، یاد ہے نا۔ ہا آ، کیا دن تھے وہ بھی۔"

وہ اپنے قبیلہ کی رسم کے مطابق فصاحت و بلاغت کے دریا بہا رہا تھا اور اس کی لفاظی کا اثر پانچ دکوافیوں پر خاطر خواہ ہو رہا تھا۔ وہ سب منہ پھاڑے بڑی حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی اسلوپوگاس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں خاموش رہا۔ تاکہ دکوافیوں پر میرا رعب چھا جائے۔ اسلوپوگاس مسلسل بولتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اس کی باتیں بار خاطر معلوم ہونے لگیں اور میں نے دیکھا کہ ہنری اور گڈ بے چینی سی محسوس کر رہے تھے۔

"بس خاموش!" میں نے کہا۔ "معلوم ہوتا کہ مجھ سے رخصت ہونے کے بعد سے لیکر آج تک تمہیں کوئی گفتگو کرنے والے ملا ہی نہیں کہ مجھے دیکھتے ہی تمہارے منہ سے الفاظ کے سوتے چھوٹ پڑے اور یہ کیا بات ہوئی کہ میں تمہیں یہاں پا رہا ہوں جب میں تم سے رخصت ہوا ہوں تو تم اپنے قبیلے کے سردار تھے اور آج ان دکوافیوں کے ساتھ ہو اس کی کیا وجہ ؟"

اسلوپوگاس نے اپنا کلہاڑا زمین پر ٹیک دیا اور اس کی ہتھی پر جو سفید گرگدن کے سینگوں کی بنی ہوئی تھی۔ اپنی ٹھڈی ٹکا دی۔ اس کا چہرہ اداس ہو گیا۔

"آہ۔ میرے سردار!" اس نے کہا۔ "بڑی غمناک اور میرے لئے شرمناک داستان ہے یہ۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن ان لوگوں کے سامنے نہیں۔"

اور اس نے وکو افیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ باتیں صرف آپ کے کانوں کے لئے ہیں آہ مگر اتنا میں آپ کو بتاتا ہوں۔" اور اس پر پھر اداسی چھا گئی۔ "ایک عورت نے مجھے دھوکا دیا۔ بیوفائی کی مجھ سے اور میرے درخشاں نام کو زندگی بھر کے لئے داغدار کر گئی۔ ہائے میں ایک عورت سے دھوکا کھا گیا۔ کتنی شرم کی بات ہے میرے لئے میری اپنی بیوی نے مجھ سے بیوفائی کی لیکن میں موت کے چنگل سے بھاگ نکلا۔ میں ہر اس شخص کے ہاتھ سے مچھلی کی طرح پھسل گیا جو میری بیوی کے ایما سے مجھے قتل کرنے آئے تھے۔ میں نے اپنے اس کلہاڑے "انکوسی کا" سے جیسا کہ میرے ... میرے کلہاڑے کا نام ہے تین وار کئے۔ ایک دائیں، ایک بائیں اور ایک سامنے کی طرف اور تین نمک حراموں کو خاک و خون میں لوٹتا چھوڑ کر وہاں سے بگٹٹ بھاگا۔ میکومیزن آپ جانتے ہی ہیں کہ میں اس بڑھاپے میں بھی ساسابی[1] ایسا تیز دوڑ سکتا ہوں۔ اس بڑھاپے میں بھی میرا یہ حال ہے کہ جب دوڑنے پر آتا ہوں تو کوئی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ میں بھاگا اور میرے پیچھے ہی پیچھے شکاری کتوں کی طرح بلاتے ہوئے موت کے پیغامبر چلے۔"

"میں اپنے وطن اور اپنے کرال[2] سے شاید ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا تھا۔ میں بھنکتی ہوئی ہوا کی سی تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا کہ اچانک میری نظر اپنی بیوفا بیوی پر پڑی۔ وہ چشمہ سے پانی بھر رہی تھی۔ میں رک گیا۔ میں موت کے سائے کی طرح خاموشی سے اس کے قریب رینگ گیا۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا میں نے اپنا کلہاڑا بلند کیا اور دوسرے ہی لمحے اس غدار عورت کا سر کٹ کر گیند کی طرح اچھلا اور چشمہ کے شفاف پانی میں جا پڑا۔

۱۔ جنگلی بکرے کی قسم کا ایک چوپایہ جس کی تیز رفتاری مشہور ہے۔ ۲۔ افریقہ کے حبشی قبائل کی بستی

میں شمال کی طرف چل پڑا اور مسلسل تین ماہ تک بغیر آرام کئے اور بغیر کسی جگہ رکے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ میری ملاقات ایک سفید فام شکاری سے ہوئی جوان پانچ دکورفیوں کے ساتھ کسی طرف جا رہا تھا میں اس کے ساتھ ہو لیا اور اس کی موت کے بعد یہاں آ گیا۔

میرے پاس کچھ نہیں۔ دولت، حکومت، عزت سب خاک میں مل گئی۔ میرا کوئی نہیں، میرا کچھ نہیں۔ میں جو اعلیٰ نسب سے تعلق رکھتا ہوں۔ میری رگوں میں "شاہ شاکا" کا خون گردش کر رہا ہے میں۔ شاہی خاندان سے ہوں اس وقت تنہا اور بے یار و مددگار در بدر گرداں گھوم رہا ہوں میں بے وطن اور بے گھر ہوں صرف میری یہ کلہاڑی میرے دکھ سکھ کی ساتھی ہے۔ میرے قبیلہ کے لوگوں نے میرے مویشی اور میری بیویاں آپس میں تقسیم کر لیں اور میری اولاد نے مجھے بھلا دیا لیکن میں اس کلہاڑے کے سہارے" اور یہ کہتے ہوئے اس پہ جیسے جنون کا دورہ پڑا۔ وہ اپنے کلہاڑے کو تیزی سے ہوا میں گھمانے لگا اور ہم گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئے" ہاں اس کلہاڑے کے سہارے میں اپنی بگڑی قسمت بناؤں گا بس میں کہہ چکا۔"

"امسلوپوگاس" میں تمہیں اچھی طرح سے جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنی حماقتوں کے سبب ہی بے گھر اور بے وطن ہوئے ہو گے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ ایک مرتبہ تم نے "پانڈا" کے لڑکے "پانی دلیو" کے خلاف سازش کا جال پھیلایا تھا لیکن میرے سمجھانے سے تم اپنے ارادے سے باز رہے تھے لیکن اب جبکہ میں تمہارے ساتھ نہیں تھا تو تم نے اپنے پیروں پر آپ کلہاڑا مار دیا۔ خیر جو ہونا تھا سو ہو گیا نہ تو خشک درخت ہرا ہو سکتا ہے اور نہ منھ سے نکلے ہوئے الفاظ واپس آ سکتے ہیں۔ جو وقت گزر چکا وہ واپس نہیں آ سکتا۔ جو

کچھ کر دی گئی اچھی یا بری اس پر بعد میں افسوس کرنا فضول ہے جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ۔"

"میں جانتا ہوں امسلوپوگاس کہ تم شاہی خاندان سے ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وفادار بے حد جنگجو اور بہادر ہو یہی کہ زولو لینڈ میں بھی جہاں کا بچہ بچہ بہادر ہوتا ہے تم "خونریز" کے نام سے یاد کئے جاتے ہو۔ رات گئے تک لوگ الاؤ کے گرد بیٹھ کر تمہاری بہادری کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ اچھا اب سنو تم میرے دوست کو دیکھ رہے ہو نا؟" میں نے ہنری کی طرف اشارہ کیا۔ یہ بھی تمہاری طرح بہادر اور جنگجو ہیں۔ یہ تمہیں کندھے پر بٹھا کر میلوں تک بھاگ سکتے ہیں ان کا نام انکوبو ہے اور یہ گول پیٹ، ایک چمکدار آنکھ (یعنی یک چشمی عینک) اور مضحکہ خیز صورت والا شخص بھی میرا دوست ہے۔ "باگونؔ" نام ہے اس کا بے حد مخلص شخص ہے اور اس عجیب و غریب قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے جن کے کرال سمندر میں تیرتے رہتے ہیں۔"

"ہم تینوں یعنی میں، انکوبو اور باگونؔ افریقہ کے انجان خطوں کی کھوج میں چلے ہیں۔ کرو کینیا سے بھی پرے افریقہ کے قلب میں اور اس جگہ کہتے ہیں کہ آج تک کوئی سفید انسان نہیں پہونچ سکا۔ پتہ نہیں اس سرزمین میں ہم پر کیا گزرے ممکن ہے ہمیں وہاں سے لوٹنا نصیب نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم کچھ لیکر لوٹیں۔ کچھ بھی ہو ہم اس طرف ضرور جائیں گے۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس سفر میں ہمارا ساتھ دو گے؟ ہم تمہیں اپنے ملازموں کے سردار کے طور پر لے چلیں گے لیکن اس پراسرار زمین پر تم پر اور ہم پر کیا گزرے گی۔ یہ ہم نہیں جانتے اور اس مہم کے انجام سے بھی ہم بے خبر ہیں۔ آج سے تین سال پہلے بھی ہم تینوں ایسی ہی ایک مہم پر روانہ ہوئے تھے۔ (حاشیہ لہ ۲ صفحہ ۱۳ پر)

اس وقت بھی "امبوپا" نامی ایک شخص ہمارے ساتھ تھا جب ہم اس مہم سے واپس لوٹے ہیں تو امبوپا اپنے قبیلہ کا سردار بن چکا تھا۔ اس کے ماتحت بیش افسر اور ہر افسر کے ماتحت تین ہزار جنگجو سپاہی اس کے ادنیٰ اشارے پر کٹ مرنے کو تیار کھڑے تھے۔ اس سفر میں تم ہمارے ساتھ آنا چاہو تو میں فی الحال تمہارے ساتھ کسی قسم کا کوئی وعدہ نہیں کر سکتا اور نہ یہ بتا سکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا واقعہ پیش آئے گا ممکن ہے موت اپنا منہ پھاڑے تمہیں اور ہمیں نگلنے کے لئے تیار بیٹھی ہو۔ اب کہو اسلوپوگاس تم ہمارے ساتھ آنا پسند کرتے ہو یا بزدلوں کی طرح موت کے خوف سے پڑا رہنا منظور ہے؟"

بوڑھا زولو مسکرایا۔

"میکومیزن۔ آپ کی ہر بات سچ ہوتی ہے" اس نے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے کسی وقت سازشیں کی تھیں لیکن یقین مانئے میں جاہ طلبی کے باعث برباد نہیں ہوا۔ مجھے اقرار کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ ایک عورت میرے زوال کا باعث ہوئی اس کے حسن نے مجھے اندھا کر دیا تھا خیر چھوڑیے ان باتوں میں کیا رکھا ہے؟"

"میکومیزن گویا پرانا زمانہ پھر لوٹ کر آنے والا ہے؟ ہم دونوں نے مل کر بارہ سال

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۳۰) لہ:۔ لفظی معنی ہاتھی کے ہیں۔ ہنری کے ڈیل ڈول کو دیکھتے ہوئے افریقہ کے وحشیوں نے یہ لقب دیا تھا۔

لہ:۔ یعنی "شیشے کی آنکھ والا"۔ گڈ کو یہ لقب اس کی یک چشمی عینک کے سبب ملا تھا ملاحظہ ہو ناول "گنج سلیمان"۔

لہ:۔ اس پراسرار زولو کی عجیب و غریب داستان اور دل ہلا دینے والے کارناموں کے لئے ملاحظہ ہو ناول "گنج سلیمان"۔ (مظہر الحق علوی)

پہلے جیسے کارنامے انجام دیئے تھے ویسے ہی یا اس سے بڑھ چڑھ کر ہم اس مہم پر بھی انجام دیں گے۔ بڑے مزے کا سفر ہوگا یہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ میرے سر کے بال... لیکن میرے دل میں خون بہانے اور جنگ کرنے کی امنگ جوان ہے۔"

"میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں اور میدان جنگ میں شیر نیستاں ہوں۔ یہ زخموں کے نشانات دیکھ رہے ہو؟" اور اس نے اپنے ہاتھوں، پیروں اور سینے پر بنے ہوئے گہرے گہرے نشانات کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری بہادری کے تمغے ہیں اور میرے ماتھے پر یہ سوراخ دیکھا؟ اس سوراخ میں سے میرا بھیجا ابل پڑا تھا لیکن اس حالت میں بھی میں نے اس شخص کا سر اڑا دیا تھا جس نے مجھ پر وار کیا تھا وہ مر گیا اور دیکھو میں زندہ ہوں۔ جانتے ہو میکو میزن میں نے کتنے انسانوں کو قتل کیا ہے؟ دیکھو یہ ہے ان کی تعداد۔" اس نے اپنے کلہاڑے کی ہتھی پر بنے ہوئے دندانوں کی طرف اشارہ کیا۔ "شمار کرو انہیں۔ ایک سو تین۔ ایک سو تین آدمی میرے ہاتھوں موت کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ میرے انکوسی کا س نے انہیں بڑی آسانی سے کسی دوسری دنیا میں پہونچا دیا۔ شاید آج تک کسی بہادر نے اتنے انسانوں کو قتل نہیں کیا۔"

"دیکھو مت۔" میں نے اسے ڈانٹا کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ اسکے چہرے کے نقوش کرخت ہو گئے تھے۔ "بجا ملعون پتہ نہیں تم خونریز کہا گیا ہے۔ لیکن تم اپنی ان خون خرابے کی داستانوں کو اپنے تک رکھو۔ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں اور ہاں ایک بات کان کھول کر سن لو تم ہمارے ساتھ آنے تو ہو لیکن خیال رہے ہم بہادری بے وجہ خونریزیوں کو برداشت نہیں کریں گے۔ اپنے بچاؤ میں ہی تمہیں کلہاڑا اٹھانا ہوگا سمجھے۔ اب سنو کہ ہم یہاں کیوں آئے تھے۔ ہمیں چند ملازموں کی ضرورت ہے لیکن یہ زنگ" میں نے ان پانچ زولو انیوں کی طرف اشارہ کیا جو حیرت سے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ "ہمارے ساتھ آنے کو تیار نہیں۔"

"تیار نہیں ؟" املسلوپوگاس کسی خونخوار بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ "ہیں بھی دیکھوں کون ہے وہ کتا جو میرے عظیم سردار کے حکم کو تسلیم نہیں کرتا ؟ تم ہو ؟" یہ کہہ کر دفعتاً اس نے اس وکوانی کو دبوچ لیا جس نے مجھ سے گفتگو کی تھی۔ "کیوں کتے کی اولاد" اس نے وکوانی کو یوں جھنجھوڑا جیسے بیری کو ہلا کر پکے پکے بیر گرا رہا ہو۔ "تمہیں نے کہا تھا نا کہ تم میرے سردار کے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ ایک بار پھر کہو تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں۔" اور اس کی کیکڑے کی ٹانگوں ایسی لانبی لانبی انگلیوں کی گرفت وکوانی کے گلے کے گرد مضبوط ہو گئی۔ "تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا قیمہ بنا کر رکھ دوں گا۔ املسلوپوگاس نام ہے میرا۔ یاد ہے نا تمہارے ایک ساتھی کی میرے ہاتھوں کیا درگت بنی تھی ؟"

"نہیں نہیں۔ ہم ان سفید فام لوگوں کے ساتھ جائیں گے۔" اس نے املسلوپوگاس کی گرفت میں پرکٹی چڑیا کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے کہا۔

"سفید فام ؟" املسلوپوگاس مارے غصّہ کے دیوانہ ہو گیا۔ "ذلیل کتے جانتا بھی ہے کہ کس کی شان میں تیرے ناپاک منہ سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں ؟"

"معاف کرو۔ مجھ سے یہ غلطی ہو گئی ہم اس عظیم سردار کے ساتھ جائیں گے۔"

"ہاں اب ٹھیک ہے۔" املسلوپوگاس نے وکوانی کو چھوڑ دیا تو وہ لڑکھڑا کر دھم سے پیٹھ کے بل زمین پر جا پڑا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم انکار نہیں کرو گے۔"

"یار کواٹرمین معلوم ہوتا ہے تمہارے اس سیاہ دیو کا رعب اپنے ساتھیوں پر کافی سے زیادہ چھایا ہوا ہے۔" گڈ نے سوچتے ہوئے کہا۔

ہم لاموسے رخصت ہوئے اور دس روز کے مسلسل سفر کے بعد ہم "شادا" نامی مقام پر پہنچے۔ یہ جگہ دریائے ناٹا پر واقع ہے۔ یہاں تک آنے میں کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا جس کا ذکر کیا جا سکے۔
راستہ میں ہمیں کسی شہر کے کھنڈرات ملے۔ قیاس کہتا ہے کہ وہ جگہ کسی زمانہ میں کافی آباد رہی ہوگی۔ مکانات کی وضع قطع سے پتہ چلتا تھا کہ وہ شہر قبل از مسیح آباد ہوا ہوگا اور اس کے تجارتی تعلقات ہندوستان اور عرب سے رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شہر غلاموں کی منڈی رہا ہو۔ وہ بازار اور محلات جہاں کسی زمانہ میں خوب چہل پہل ہوگی اس وقت اجاڑ پڑے ہیں۔ جن ایوانوں میں نقرئی قہقہے گونجتے تھے اور جہاں شاہی خواب گاہ تھی۔ وہاں آج جنگل کا بادشاہ شیر ببر اپنا دربار لگاتا ہے۔ اس چوک میں جہاں غلام فروخت ہوتے ہوں گے جہاں رات دن غلاموں اور کنیزوں کی درد بھری آہوں کے ساتھ بولی بولنے والوں کے قہقہے بلند ہوتے ہوں گے۔ وہاں رات کا نقیب الّو نوحہ کناں ہے۔
انہیں کھنڈرات میں ایک ٹیلے پہ جہاں خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں دو نہایت نفیس دروازے پڑے ہوئے تھے ان پر کندہ کاری کا کام دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ دروازوں کی شان و شوکت کہہ رہی تھی کہ کسی زمانے میں وہ عالی شان محل کی زینت تھے۔
فنا ہو گئے، سب فنا ہو گئے ایک وہ بھی زمانہ ہوگا کہ اس شہر کی

چہار دانگ عالم میں شہرت ہو گئی لیکن آج اسے کوئی جانتا تک نہیں بابل و نینوا کی طرح وہ بھرا پرا شہر بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اس کی تہذیب اور اس کے تمدن کی داستان ٹوٹی پھوٹی دیواروں پر کندہ ہے اور بس۔ اسی طرح سے ایک دن وہ بھی آئے گا۔ جب لندن اور پیرس بھی فنا ہو جائیں گے۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے کسی چیز کو بقا نہیں۔ قدرت کا یہ اٹل قانون ہے۔ فنا، فنا اور فنا۔ عورت اور مرد، سلطنتیں اور شہنشاہ و گدا۔ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ اور طوفانی دریا ناپیدا کنار سمندر اور لق و دق صحرا خلا میں رقص کرتی ہوئی زمین اور ہمارے سروں پر تنا ہوا نیلا سائبان۔ چاند سورج ستارے۔ ہر چیز کے لئے ایک دن مقرر ہے ہر چیز اپنے وقت پر تباہ ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

معلم اخلاق دہر نے ان اجڑی بستیوں کو ایک عالمگیر امر کا اشارہ سمجھیں ممکن ہے وہ اپنی بات منوانے کے لئے نئے نئے فلسفے اور منطق بگھاریں لیکن ہمارا یہ ایمان ہے کہ ایک بہت بڑی طاقت جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے رات دن اپنے کام میں لگی ہوئی ہے۔ یہی وہ طاقت ہے جو ہر چیز کو وجود بخشتی ہے اور یہی وہ طاقت ہے جو وجود کو عدم میں اور عدم کو وجود میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اس طاقت کو خدا کہتے ہیں۔ انسان پیدا ہوتا ہے تو مرنے کیلئے۔ ایک انسان پیدا ہوتا ہے جو دنیا میں اپنی جگہ بناتا ہے۔ محنت مزدوری کر کے اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہے اور آخر کار فنا ہو جاتا ہے۔ دوسرا پیدا ہوتا ہے لوگوں کے دلوں پر رعب جماتا ہے تخت و تاج حاصل کرتا ہے۔ فاتح عالم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عیش پرستیوں میں اس لافانی قوت کو بھول جاتا ہے جس نے اسے یہ سب کچھ دیا۔ پھر ایک دن وہ آتا ہے

جب اس شخص کو سب کچھ چھوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر کوئی نہیں جانتا کہ اس شخص پر کیا گذر رہا جو بیند نیند پر سینہ تانے چلا کرتا تھا۔ جس کے ادنیٰ اشارے پر لوگوں کی گردنیں اڑائی جاتی تھیں جو اپنی ہوس میں ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور ان گنت بچوں کو یتیم کر چکا تھا۔ کہاں گیا وہ؟ اس کے غرور اور تمکنت کو کیا ہوا؟ وہ چلا گیا۔ کہاں؟ کوئی نہیں جانتا لیکن اپنے مظالم کی داستان چھوڑ گیا۔ ان کھنڈرات میں کچھ نہیں لیکن اگر آپ کی نظر گہری ہو اور دل حساس ہو تو آپ انہی کھنڈرات سے وہ سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ دین اور دنیا کی دولتیں آپ کے قدم چومیں گی۔

آپ کہیں گے میں جذبات کی رو میں بہہ گیا اور قصہ کا مزا کرکرا ہو گیا۔ خیر اگر آپ کو میری یہ باتیں بری معلوم ہوتی ہوں تو میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

"مشارا" ہماری پہلی منزل تھی اس منزل تک آنے کے لئے ہم نے لامو سے چند باربردار اپنے ساتھ لئے تھے لیکن یہاں آتے ہی وہ اپنی مشکلات گنا کر مقررہ رقم سے کچھ زیادہ کے طالب ہوئے۔ چنانچہ ہم میں اور باربرداروں میں بڑی گرما گرم باتیں ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے مقدم نے ہمارے پیچھے ماہیوں کو لگا دینے کی دھمکی دی اور اسی رات جب ہم پڑے خراٹے لے رہے تھے باربردار ہمارا کچھ سامان لے کر فرار ہو گئے۔ صبح اٹھے تو ہمارا اسباب و سامان بکھرا پڑا تھا۔ خوش قسمتی سے ہماری بندوقیں بارود اور چند ضروری چیزیں ان پانچ رکوانیوں کی نگرانی میں تھیں جو اسلوپوگاس کے ماتحت تھے۔ باربرداروں کے فرار ہو جانے کے سبب ہماری تعداد بہت کم رہ گئی تھی۔ اور اس حالت میں گھنے جنگلوں کو عبور کرنا گویا اپنے آپ کو جان بوجھ کر موت کے منہ میں ڈالنے کے برابر تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے؟

آخر کار گڈ نے اس مشکل کو حل کیا۔
"دوستو دیکھو یہ ندی کا ہے جو بہہ رہی ہے۔" اس نے دریائے ناطا کی طرف اشارہ کیا
"اچھا پھر؟" میں نے پوچھا۔
"کل چند باشندے ڈونگوں میں سوار دریائی گھوڑوں کا شکار کر رہے تھے۔
بقول لامو کے قونصل کے مسٹر میکنزی کا مستقر اسی دریا کے کنارے پر واقع ہے۔
اب اگر ہمیں کہیں سے کوئی ڈونگا مل جائے اور ہم اسے دریا میں ڈال کر اس میں
سوار ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ میکنزی کے مستقر تک پہونچ جائیں گے۔" گڈ نے
حسب معمول بات کو طول دیتے ہوئے کہا۔
ہم اس تجویز پر پھڑک اٹھے اور ڈونگے خریدنے کا کام میرے سپرد ہوا۔
مسلسل دو روز کی دوڑ دھوپ کے بعد میں دو ڈونگے خریدنے میں کامیاب ہو گیا۔
دونوں ڈونگے بے حد ہلکے پھلکے تھے اور درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنائے
گئے تھے اور ہم مع اپنے تمام ساز و سامان کے ان میں بآسانی سما سکتے تھے۔ ان
ڈونگوں کے عوض ہم کو بہت سا سامان اور کپڑے تک بطور قیمت دینے پڑے
دوسرے روز ہم روانہ ہوئے۔
پہلے ڈونگے میں ہنری، گڈ اور تین وکوانی اور دوسرے میں میں، املوپوگاس
اور دو وکوانی سوار تھے۔ ہمیں ندی کے بہاؤ کے خلاف جانا تھا۔ چنانچہ ہم سب
نے سوائے گڈ کے چپو سنبھالے۔ یہ کام ذرا مشکل تھا کیونکہ پانی کا بہاؤ تیز تھا۔
اور ہم قرونِ وسطیٰ کے غلاموں کی طرح چپو چلانے پر مجبور تھے۔
ڈھیا سیں نے کہا ہے کہ سوائے گڈ کے ہم سب کشتی کھے رہے تھے۔ خشکی پر تو
اس قافلہ کا سالار گویا میں تھا لیکن جیسے ہی ہم نے بحری سفر شروع کیا مجھے
اپنے عہدے سے دستبردار ہونا پڑا۔ میرا چارج گڈ نے سنبھالا اور اب ہم سب

اس کے ماتحت تھے اور وہ ہمارا افسر، کپتان گڈ تمام روؤں کا بادشاہ تھا چنانچہ اب وہ ہم پر حکومت جتا رہا تھا اور ہم اس کے اشاروں پر کام کرتے تھے۔ سچ پوچھئے تو وہ اس افسری کا اہل بھی تھا۔

خشکی پر تو گڈ نہایت نرم طبیعت اور مسخرہ تھا لیکن ڈونگے میں سوار ہوتے ہی اس کے مزاج میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ وہ دفعتہً سنجیدہ اور پتھر دل ہو گیا بڑے بڑے جہازوں سے لیکر ان چھوٹے چھوٹے افریقی ڈونگوں تک کو وہ چلانا جانتا تھا ہر دو منٹ کے بعد وہ چلا کر ہمیں ہدایت دیتا اور اگر کہیں کسی سے غلطی ہو جاتی تو اسے گڈ کی ڈانٹ برداشت کرنا پڑتی۔ خشکی پر ہم اس سے جیسا برتاؤ کرتے رہے تھے اس کے بدلے وہ گن گن کر چکا رہا تھا۔ ہم گویا مقروض تھے اور گڈ تو بدیل مہاجن کی طرح ہمیں سخت سست کہہ رہا تھا۔ صحیح معنوں میں وہ کپتان تھا پہلا دن بے حد سخت گزرا۔

ہم چپو چلاتے چلاتے بے حال ہو گئے تھے چنانچہ گڈ کو ہماری حالت پر رحم آیا۔ دوسرے روز گڈ نے بانس پر کپڑے ٹانگ کر بادبان بنائے اور ہر ڈونگے میں ایک ایک بادبان لگا دیا گیا۔ اس طرح سے ہماری محنت شاقہ میں بہت زیادہ کمی واقع ہو گئی لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہم بہاؤ کے خلاف جا رہے تھے اور پانی بڑی تیز رفتاری سے بہہ رہا تھا اس لئے ہم دن بھر میں بمشکل بیس میل طے کر پاتے۔ ہوتا یوں تھا کہ ہم سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی چل پڑتے اور دس بجے تک چپو چلاتے رہتے۔ اس کے بعد دھوپ میں تمازت آجاتی اور مارے گرمی کے طبیعت بولا جاتی۔ چنانچہ ہم ڈونگوں کو کنارے پر لے آتے۔ دوپہر کا کھانا کھاتے اور تین بجے تک آرام کرتے اور پھر چل پڑتے اور سورج غروب ہونے تک ہمارے دونوں ڈونگے بہتے رہتے یہاں تک کہ کوئی کھلی جگہ دیکھ کر ہم رات گزارنے کیلئے اتر پڑتے

گڈوکوافی ملازموں کی مدد سے جھاڑیاں کاٹ کر جگہ کو رات گزارنے کے قابل بناتا اور میں، ہنری، اور امسلوپوگاس بندوقیں لئے شکار کی تلاش میں نکل پڑتے دریائے ٹانا کے کنارے پر ہر طرح کا شکار مل جاتا تھا۔ ایک رات ہنری نے ایک تنگڑا زراف شکار کیا۔ ایک مرتبہ میں کئی ایک مرغابیاں مار لایا۔ امسلوپوگاس کیوں پیچھے رہ جاتا۔ چنانچہ وہ بھی اپنے انکوسی کاس سے ایک ہرن شکار کر لایا۔ اس کے علاوہ ٹانا مچھلیوں سے بھرا پڑا تھا جو ہمارے لئے بہت لذیذ کھانا مہیا کرتی تھیں۔

تیسرے روز ایک منحوس واقعہ ہوا۔

ہم شام کے وقت رات گزارنے کے لئے کنارے کی طرف جارہے تھے۔ کہ اتفاقاً میری نظر سامنے کی طرف اٹھ گئی ہم سے کوئی چالیس گز دور چھوٹی سی ٹیکری پر ایک انسانی سایہ کھڑا ہماری نقل و حرکت کو بغور دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ ہمیں اس قبیلہ سے بخوبی واقف نہیں لیکن میں نے پہلی نظر میں مسائی ایلموڈن (نوجوان سپاہی) کو پہچان لیا اور اگر تھوڑا سا شک تھا بھی تو وہ جلد ہی دور ہوگیا ہمارے وکوافی ملازموں کی نظر بھی اس پر جا پڑی اور بے ساختہ ان کے منہ سے "مسائی" کا لفظ نکل گیا۔

اپنے وحشیانہ جنگلی لباس میں وہ بے حد عجیب اور خونخوار معلوم ہو رہا تھا۔ افریقہ کے ہر ایک وحشی قبیلہ سے میرا واسطہ رہا ہے لیکن اس ٹیلے پر کھڑے ہوئے مسائی کا سا خونخوار اور بارعب شخص آج تک میری نظر سے نہیں گزرا اس کا قد غیر معمولی طور پر طویل تھا۔ پھیلا ہوا سینہ نہایت متوازن جسم لیکن چہرہ شیطان جیسا چھوٹی چھوٹی آنکھیں حلقوں میں گھسی ہوئیں اور اسکے ہونٹ سختی سے بند تھے دائیں ہاتھ میں ساڑھے پانچ فٹ لمبا نیزہ لئے

ہوئے تھا جس کے پھل کی لمبائی قریباً ڈھائی فٹ اور چوڑائی تین انچ ہوگی۔ نیزے کا دستہ کسی مضبوط اور چمکدار لکڑی سے بنایا گیا تھا اور اس کے سرے پر ایک فٹ لمبی آہنی موٹھ پیوست تھی۔ بائیں ہاتھ میں جنگلی بھینسے کی کھال کی بیضوی ڈھال تھی۔ ڈھال پر شاید کچھ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ جو مجھے دور سے رنگوں کے بے ترتیب دھبے معلوم ہو رہے تھے۔ اس کی موٹی گردن پر اور کندھوں سے کچھ اوپر باز کے پروں کی بنی ہوئی ٹوپی لٹک رہی تھی سر کھلا کھلا تھا جس کا اگلا حصہ منڈا ہوا تھا اور پچھلے حصہ پر لانبے لانبے بال تھے۔ کھوے ایسی گردن کے گرد سوتی کپڑے کی سترہ فٹ لمبی اور ڈیڑھ فٹ چوڑی پٹی گلوبند کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔ پٹی کے بالکل بیچ میں سرخ رنگ کی لکیر بنی ہوئی تھی۔ اس کا چوغہ بکری کے بالوں دار کھال سے بنایا گیا تھا اور کمر کے گرد ایسا تنگ آیا تھا کہ پٹکے کا کام دیتا تھا۔ کمر کے دائیں بائیں چرمی میانوں میں بڑے بڑے چاقو یا تلواریں لٹک رہی تھیں۔

لیکن سب سے زیادہ انوکھی ہیئت اس کے چہرے کی تھی۔ اس کا چہرہ بھی ملبوس تھا اور یہ لباس شتر مرغ کے پروں سے بنایا گیا تھا جو ٹھوڑی کے نیچے سے شروع ہو کر دونوں کانوں کے سامنے سے گزرتا ہوا پیشانی تک پہنچتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شیطان فریم سے جھانک رہا ہو ٹخنوں پر کسی جانور کے بالوں کی جھالریں لٹک رہی تھیں۔ چوغہ کے نیچے اس کی کمر سے جہاں وہ بندھی ہوئی تھیں گھٹنوں تک ڈوریں لٹک رہی تھیں اور ڈوروں میں کوئی تیس بندر کے بالوں کے گچھے اٹکے ہوئے تھے اور یہی گچھے تھے جو اس کی ستر پوشی کر رہے تھے۔

تو ایسا تھا اس ٹیلے پر کھڑے ہوئے وحشی کا لباس وہ اپنی جگہ پر آبنوسی

بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہمیں گھور رہا تھا۔

ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ اس ماسائی کی موجودگی سے کیا نتیجہ اخذ کیا جائے کہ ٹیلے پر کھڑے ہوئے آبنوسی بت کو جنبش ہوئی اس نے نہایت غصہ سے اپنا نیزہ بلند کر کے ہماری طرف ہلایا اور پلٹ کر ٹیلے کی پرلی طرف چلا گیا۔

"میں نے کہا کوارٹر مین" ہنری نے اپنے ڈونگے سے چلا کر کہا۔ "ہمارے باربرداروں کے مقدم نے بہت جلد اپنا وعدہ وفا کیا۔ کہو اب کیا کیا جائے؟ خشکی پہ رات گزاری جائے یا ڈونگوں میں؟"

ظاہر ہے کہ خشکی پہ رات گزارنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ مشکل یہ آپڑی تھی کہ ہم ڈونگوں پہ کچھ پکا نہیں سکتے تھے اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی ایسی چیز تھی جسے کچا ہی چبا کر کام چلا لیتے۔ عجیب گوں مگوں کی حالت تھی اگر خشکی پر جاتے تو ماسائیوں کے حملے کا خطرہ تھا اور اگر ڈونگوں میں ہی جمے رہتے تو پہاڑ ایسی رات خود کے پیٹ کاٹے نہ کٹتی۔

آخر کار امسلوپوگاس نے بطور جاسوس کے اپنی خدمات پیش کیں وہ پانی میں کود پڑا اور چند ہی منٹ بعد کنارے پر کھڑا اپنا سانس درست کر رہا تھا۔ ہم سب کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں وہ کچھ دور تک اپنے ہاتھوں اور پیروں پر چوپایوں کی طرح چلتا رہا۔ پھر وہ زمین پر منہ کے بل لیٹ گیا اور سانپ کی طرح رینگتا ہوا گھنی جھاڑیوں کے پیچھے جا کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"ہم ڈونگوں میں بیٹھے اور بھری بندوقیں لئے امسلوپوگاس کا انتظار کرتے رہے لیکن اس طرح سے کہ کہیں پتہ بھی کھڑکتا تو ہم چونک کر اپنی بندوقیں سیدھی کر لیتے۔ میرا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا کہ خدا جانے

اسلوپوگاس کیا خبر لائے؟ وقت جیسے تھم گیا تھا۔ ایک ایک منٹ پہاڑ ہو رہا تھا۔ سورج کا گھومتا ہوا آتشی گولا افق مغرب کی طرف تیزی سے لڑھکا جا رہا تھا۔ سنہری دھوپ سمٹ کر درختوں کی چوٹیوں پر پہنچ چکی تھی اور سائے لمبے لمبے ہو گئے تھے۔ غزالوں کا ایک گروہ چوکڑیاں بھرتا اپنے مسکن کی طرف جا رہا تھا۔ دور کوئی پرندہ چیخ چیخ کر رات کا استقبال کر رہا تھا۔ بڑا سہانا سماں تھا لیکن چونکہ ہمارے دلوں پر دہشت چھائی ہوئی تھی اس لئے ہم اس حسین منظر سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔

پانچ، دس، بیس منٹ گزرے لیکن اسلوپوگاس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ایک ایک لمحہ جو گزر رہا تھا یوں معلوم ہوتا کہ ہمارے لئے موت کا پیغام لا رہا ہے۔ میرا تصور ہر درخت اور ہر جھاڑی کے پیچھے خونخوار مسائیوں کو چھپے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

نصف گھنٹے بعد اسلوپوگاس واپس لوٹا۔ اس نے آتے ہی یہ مژدہ سنایا کہ وہ کافی دور تک چکر لگا آیا کہیں مسائی نظر نہ آئے البتہ ایک جگہ اسے مسائیوں کے کیمپ کے نشانات ملے۔ چولہے کی اینٹوں اور دوسرے نشانات سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ ایک گھنٹہ پیشتر مسائی وہاں سے رخصت ہوئے تھے اور وہ دشمن جسے ہم نے ٹیلے پر دیکھا تھا ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے ٹھہر گیا تھا۔

ہمارے لئے اب صرف دو راستے تھے یا تو آگے بڑھا جائے یا واپس لوٹ جایا جائے۔ دوسری تجویز کو فوراً مسترد کر دیا گیا۔ جب اوکھلی میں سر دے ہی چکے تھے تو دھماکوں سے ڈرنا کیسا؟ اور یہ تو ابتدا تھی۔ پتہ نہیں آئندہ ہمیں کن خطرات سے گزرنا ہوگا۔ ابھی تو ہمیں کئی ایک کڑی منزلیں طے کرنا تھیں اگر شروع ہی سے ہمارے ہاتھ پیر پھولنے لگ گئے تو کیا ہوگا۔ لہٰذا ہمیں آگے

بڑھنا تھا اور بہرصورت منزل مقصود تک پہونچنا تھا اس کے لئے چاہے ہمیں آگ کے دریا سے ہی کیوں نہ گزرنا پڑے جس کام کے لئے گھر سے نکلے ہیں یا تو اسے پایہ تکمیل تک پہونچائیں گے یا اسی جدوجہد میں جان دے دیں گے۔

ظاہر ہے کہ کنارے پر رات گزارنا جان بوجھ کر اپنے آپ کو موت کے منھ میں دینا تھا۔ چنانچہ ہم اپنے ڈونگوں کو ندی کے (جس کا پاٹ زیادہ چوڑا نہ تھا) بیچوں بیچ لے آئے لیکن اب ایک نیا سوال درپیش تھا ڈونگوں کو روکا کیسے جائے؟ ہاں انھیں اپنے ساتھ گھسیٹ رہا تھا اور تمام رات ہم چپو چلا نہیں سکتے تھے۔ ہم پھر کنارے پر آئے اور دو چار وزنی پتھر لئے واپس لوٹے ندی کے بیچ میں آ کے ان پتھروں کو رسیوں سے باندھ کر (رسے ہمارے پاس موجود تھے) پانی میں لٹکا دیا گیا اور یوں ہمارے ڈونگے لنگر انداز ہو گئے۔

رات نے اپنی سیاہ زلفیں بکھیر دیں۔

ہر جانب گہرا سکوت طاری تھا۔ دفعتاً اس خاموشی کو مچھروں کی تانوں نے توڑ دیا ان کا پورا لشکر ہم پر حملہ آور ہوا اور معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر میں ہمیں کھا پی کر برابر کر دے گا۔ ایک تو مسائیوں کا خوف اور اوپر سے مچھروں کی زیادتیاں۔ نیند کیا خاک آتی؟ میں آنکھیں کھولے پڑا تھا لیکن میرے ساتھی پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ خاموشی، گہری خاموشی۔ مچھروں کی تانوں کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کنارے پر کی جھاڑیاں ہوا کے جھونکوں سے لرز اٹھتیں تو یوں معلوم ہوتا کہ بے شمار چڑیلیں بال بکھرائے سر دھن رہی ہوں میں نے اپنا پائپ جلایا اور خیالات کے گھوڑے بانگیں تڑا کر سرپٹ بھاگ پڑے۔ آخر کار تمام خیالات نے سمٹ کر ایک سوال کی صورت اختیار کر لی۔ مسائیوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے....؟

نسانی مسافر۔ کسی جھاڑی میں دبکا ہوا جھینگر چلا اٹھا۔

وہ حسین چاندنی رات تھی۔ مچھروں کی بہتات کی وجہ سے بخار کا خوف میرے پیر کا شدید درد و غریب سوئے ہوئے وکوا فیوں کے جسم سے اٹھتی ہوئی شدید بدبو۔ ان تمام چیزوں کے باوجود میں چاندنی رات سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ چاند کی نورانی شعاعوں نے دریائے ٹانا کو سیمابی چادر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور پانی کی یہ سیمابی چادر جیسے قبر کے تاریک گڑھے کی طرف کھسکتی ہوئی انسانی زندگی کی طرح سمندر کی طرف نہایت تیزی سے بڑھی جا رہی تھی لیکن کنارے پر جہاں درختوں کے سائے پڑ رہے تھے۔ اندھیرا تھا۔

کنارے سے کچھ دور، ایک ٹیلے پر جس پر ایک ہی درخت تھا انٹیلوپ[1] کا ایک گروہ چہل قدمی کر رہا تھا۔ دفعتہً ایک گرج نے رات کے قدرتی سکوت کو توڑ دیا۔ انٹیلوپ چوکنے ہو کر گردنیں گھما گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگے اور پھر ہڑبڑا کر بھاگ پڑے، دوسری گرج اور پرندے پھڑپھڑا کر اپنے گھونسلوں سے اڑے اور ٹامک ٹوئیے مارنے لگے، چند ہی ثانیوں بعد بادشاہ سلامت شیر ببر کا سایہ نظر آیا جو رات کے کھانے کے بعد پانی پینے چلے آ رہے تھے اس نے غراتے ہوئے اپنا سر پانی پر جھکا دیا۔ اور چپڑ چپڑ کی آواز سے فضا میں ارتعاش پیدا ہو گیا۔ شاہ جنگل پانی پی کر لوٹا کچھ دیر تک سکوت طاری رہا۔

یکلخت مجھ سے کوئی بیس گز دور پانی کی سطح پر ایک سیاہ تودا سا ابھرا۔ یہ دریائی گھوڑے کا سر تھا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے نتھنے پھیلا کر یوں سانس لیتا رہا جیسے ہوا کے تیز تیز جھکڑ چل رہے ہوں، دیو قامت دریائی گھوڑا بڑی خاموشی

---

[1] : جنگلی بکرا جو افریقہ کے جنگلوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے (مظہر الحق علوی)

سے غوطہ مار گیا لیکن پانچ ہی منٹ بعد وہ پھر ابھرا اور اس مرتبہ مجھ سے بہت قریب یعنی مجھ سے صرف پانچ گز دور۔ اس کا یہ قرب ذرا خطرناک تھا۔ میں اب بے چینی سے محسوس کرنے لگا کہ کہیں اس نے ہمارے ڈونگے کو کوئی انوکھی چیز سمجھ کر اس کی جانچ پڑتال شروع کی تو ہماری خیر نہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں نے اپنی بندوق کا گھوڑا چڑھا دیا کہ وہ ذرا بھی آگے بڑھنے کا خیال کرے اور میں بندوق داغ دوں۔

دریائی گھوڑے نے اپنا غار ایسا منہ کھولا اور اس کے سفید سفید نوکیلے دانتوں کی قطار مجھے نظر آگئی اور میں اس خیال سے کانپ اٹھا کہ وہ ایک ہی بار منہ مار کر ہمارے ڈونگے کو چرمر کر سکتا ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ بندوق چلا دوں لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زخمی ہو کر بپھر جائے اور انتقام پر تل جائے۔ چنانچہ بہتر یہی معلوم ہوا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ہاں اگر اس نے حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں بندوق کا گھوڑا چڑھائے بیٹھا ہی تھا۔ وہ خاموش غوطہ مار گیا اور پھر نظر نہ آیا۔

میں نے اطمینان کی سانس لی۔

کچھ دیر تک خالی الذہن بیٹھا پائپ سے دھواں اڑاتا رہا کہ غیر ارادی طور پر میری نظر دائیں طرف اٹھ گئی۔ کنارے پر کے درختوں کے سائے میں ایک سایہ متحرک تھا۔ اس بڑھاپے میں بھی میری نظر کافی تیز تھی اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کچھ دیکھا ضرور تھا لیکن کیا چیز تھی وہ پرندہ، درندہ یا کوئی انسان؟ یہ میں نہ جان سکا۔ اس وقت بادل کے ایک ٹکڑے نے چاند کو اپنی آغوش میں لے لیا اور کنارے پر کا متحرک سایہ تاریکی کی دبیز چادر میں روپوش ہو گیا۔ جنگل کی تمام آوازیں خاموش تھیں اور ہوا کی سنسناہٹ کی آواز سے

کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی یکلخت کہیں سے ایک الّو اپنی منحوس آواز میں چلّا اٹھا اور پھر وہی گہرا سکوت۔

کسی انجانے خوف کے باعث میں بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔ خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی ایسی گہری خاموشی یا کسی درندے یا پرندے کی آوازیں افریقہ کے جنگلوں میں گونجتی رہتی ہی ہیں اور میں ان چیزوں کا عادی بھی ہوں لیکن پتہ نہیں کیوں اس وقت میں بے پناہ خوف محسوس کر رہا تھا اور جیسے کوئی غیبی قوت میرے دل میں یہ خیال جاں گزیں کر رہی تھی کہ ہماری جان خطرے میں ہے۔

اگر میں کسی چیز پر یقین نہیں رکھتا اور اس کی سختی سے مخالفت کرتا ہوں تو وہ پیش اندیشگی ہے لیکن وہاں دریا ٹانا کے بیچ میں ڈونگے میں بیٹھا میں یہ سوچنے پر مجبور رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ ضرور کچھ ہونے والا ہے۔ کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ نہیں نہیں۔ میں اس بے سروپا خیال کو اپنے دل سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ میں اپنے ساتھیوں کو جگا کر اپنی بزدلی کا ثبوت نہیں دوں گا۔ حماقت، وہم، دہشت۔

لاکھ کوشش کے باوجود میں اس الو کے خوف سے چھٹکارا حاصل نہ کرسکا۔ مجھے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ میری نبض آخری سانس لیتے ہوئے مریض کی طرح ڈوبتی جا رہی تھی۔ میرے اعصاب اس شخص کے اعصاب کی طرح تن کر جھنجھنا رہے تھے۔ جو نہایت ہی بھیانک خواب دیکھ کر ابھی ابھی نیند سے چونکا ہو۔ میں اس خوف پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہر طرح سے اپنے آپ کو دلاسے دے رہا تھا لیکن سب بے کار۔ میں اپنے ڈونگے میں نیم دراز دائیں بائیں سوئے ہوئے وکوانی اور املوپوگاس کو حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ کہ وہ بے فکری کی نیند سوتے ہیں اور میں خواہ مخواہ روحانی اذیت برداشت کر رہا ہوں۔

کبھی دور دریائی گھوڑا ہلکی سی آواز پیدا کرتا ہوا ابھرا اور پھر غوطہ مار گیا اور اُلّو اپنی آواز میں متواتر چلانے لگا اور اس اُلّو کی آواز مجھے نقلی[۱] معلوم ہوئی ہوا جھاڑیوں میں گھس کر کراہنے لگی اور میں کانپ اٹھا۔ میرے سر پر سیاہ بادل منڈلا رہے تھے اور نیچے دریائے ناٹھا کا سیاہ پانی تیزی سے بہہ رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ ان دونوں کے بیچ میں موت اور میں تنہا ہیں۔

سنسان جنگل بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

دفعتہً میرا خون منجمد ہو گیا اور دل کی دھڑکن تھم سی گئی۔ او خدا، کیا یہ میرا وہم تھا یا سچ مچ پیراڈو ڈونگا حرکت کر رہا تھا، میں نے گردن گھما کر سرسبزی اور گرڈ کے ڈونگے کی طرف دیکھا جو ہم سے آگے تھا۔ اس ڈونگے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس کے بجائے میری نظر ایک سیاہ چمکدار ہاتھ پر پڑی جس نے پانی سے اوپر نکل کر ہمارے ڈونگے کے کنارے کو پکڑ لیا۔

ہشت وہم۔ ہے میرا۔ میں نے سوچا۔

اسی وقت ایک دھندلا مگر شیطنت سے پر چہرہ پانی کی سطح پر نظر آیا۔ ہمارے ڈونگوں کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ سیاہ ہاتھ جو ہمارے ڈونگے کے کنارے کو پکڑے ہوئے تھا بلند ہوا۔ چاقو کا ایک تیز پھل تاریکی میں بجلی کی طرح چمکا۔ اور ساتھ میرے قریب سوئے ہوئے وکوانی کے منہ سے بھیانک چیخ بلند ہوئی یہ وہی غریب ملازم تھا جس کے جسم کی بدبو نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ ابھی میں

۱:۔ اور وہ اُلّو تھا بھی بغیر بازوؤں کا۔ مجھے بعد میں پتہ چلا اُلّو کی آواز قبیلہ ڈ ماسائی کا مخصوص اشارہ ہے۔ وہ اُلّو کی سی آواز نکال کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کرتے ہیں۔ (ایلن کواٹرمین)

کچھ سمجھنے بھی نہ پایا تھا کہ کسی گرم گرم شے کی دھار میرے چہرے کو نمناک کر گئی۔
دوسرے ہی لمحے میرا سکوت ٹوٹ چکا تھا اور اب مجھے پتہ چلا کہ نیزاک مسائیوں کی ایک جماعت ہم پر حملہ آور ہوئی تھی۔ یہ کوئی خواب پریشاں یا واہمہ نہ تھا میں ہڑبڑا کر اٹھا اور جس ہتھیار پر بھی ہاتھ پڑا اسے اٹھا لیا۔ جو ہتھیار میرے ہاتھ آیا وہ مسلوپوگا سی کا کلہاڑا تھا۔ میں نے کلہاڑا بلند کیا اور اس طرف جس طرف کہ مجھے چاقو کی جھلک نظر آئی تھی۔ پوری قوت سے وار کیا۔ تیز کلہاڑا سیاہ ہاتھ پر پڑا اور اسے کلائی سے کچھ اوپر کاٹتا ہوا ڈونگے کے چوبی کنارے میں گھس کر پیوست ہو گیا۔ ہاتھ کے مالک نے اف تک نہ کی۔ وہ ایک بھوت کی طرح خاموشی سے آیا تھا بھوت ہی کی طرح اپنا کٹا ہوا ہاتھ جس سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے چھوڑ کر خاموشی سے چلا گیا۔ کٹے ہوئے ہاتھ کی بے جان انگلیوں میں اب تک چاقو یا چھوٹی تلوار کا دستہ دبا ہوا تھا۔ اور وہ دکوانی کے سینے میں پیوست تھی۔

مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی سی آواز سنائی دی اور میں نے دیکھا کہ ان گنت سیاہ چمکدار گیندوں ایسے سر بڑی تیزی سے بائیں کنارے کی طرف تیر رہے تھے۔ پتہ نہیں یہ حقیقت تھی یا محض میرا تصور، مجھے غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ کیونکہ جن رسوں سے پتھر باندھ کر ہم لنگر انداز ہوئے تھے وہ کاٹ دیئے گئے تھے اور ہمارا ڈونگا بڑی سبک رفتاری سے بہا جا رہا تھا اور اب مسائیوں کی تجویز میری سمجھ میں آئی رسے کاٹ دینے کے سبب ظاہر ہے کہ ڈونگا بہاؤ کی طرف بہتا۔ چنانچہ ایک دو مسائی اسے ڈھکیل کر بآسانی دائیں طرف کے کنارے پر لگا سکتے تھے جہاں مسائیوں کا ایک گروہ اپنے نیزے ہمارے سینوں میں پیوست کرنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے جلدی سے

چپو سنبھالا اور دوسرا چپو اسلوپوگاس کو اٹھا لینے کے لئے کہا جو اس عرصہ میں جاگ چکا تھا۔ ایک وکوافی جو بچ گیا تھا اس قدر دہشت زدہ تھا کہ کوئی کام نہ کر سکتا تھا چنانچہ تنہا میں اور اسلوپوگاس اپنی طاقت سے زیادہ زور لگاتے ڈونگے کو کنارے کے قریب سے کھینچ لائے... اگر ایک منٹ اور زیادہ یوں ہی الجھے رہتے تو یقیناً ہمارا ڈونگا کنارے سے جا لگتا اور پھر یہ داستان شاید میں ملک عدم میں بیٹھ کر ہی تحریر کرتا۔

ہم مسائیوں کی زد سے باہر ہو گئے تو ہم نے اپنے ڈونگے کا رخ اس سمت میں کر دیا جس طرف کہ ہنری اور گڈ کا ڈونگا تھا لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اس ڈونگے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ لہذا ہم اسی سمت چل پڑے ہم کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ہمیں اپنے آگے گڈ کی آواز سنائی دی۔ وہ چلا چلا کر اپنے ساتھیوں کو ہدایات اور مسائیوں کو گالیاں دے رہا تھا میرا دل مارے خوشی کے ناچ اٹھا ورنہ میں تو ان پر فاتحہ پڑھ ہی چکا تھا۔ گڈ کی آواز سن کر ہمارے جسموں میں گویا نئی طاقت آگئی اور ہم نے جلد ہی ان کو جا لیا مسائیوں کے ہاتھوں انھیں کوئی نقصان نہیں پہونچا تھا۔

یقیناً اسی کمینے زرد سے ہاتھ کے مالک ہے جس نے ہمارے ڈونگے کا رسہ کاٹ دیا تھا۔ گڈ کے ڈونگے کا رسہ بھی کاٹ دیا تھا اور اس خطرناک حرکت کے بعد دونوں ڈونگوں کو کنارے کی طرف ڈھکیل دیا ہوگا لیکن خوش قسمتی سے موقع غنیمت جان کر اس مسائی پر خون کا بھوت سوار ہوا۔ چنانچہ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس شیطان کو اپنے ہاتھ کو اور ہمیں اپنے ایک وکوافی ملازم کو بھینٹ چڑھانا پڑا لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ خدا جو کرتا ہے سو اچھا ہی کرتا ہے اگر وہ مسائی اپنا چاقو ہمارے ملازم کے سینے میں نہ بھونکتا تو ہم یوں ہی غافل پڑے رہتے

اور اس وقت ہوش آیا جب مسائیوں کے نیزے و چاقو ہمارے سروں پر بلند ہو نے ۔خدا اس وکوافی کی روح پر رحم کرے اس نے اپنی جان دے کر ہم سب کی روح بچائی ہے ۔

بچے کھچے رسوں سے ہم نے دونوں ڈونگوں کو آپس میں مضبوطی سے باندھ دیا اور صبح کا انتظار کرنے لگے میں دل ہی دل میں اپنے آپ کو مبارک باد دے رہا تھا کہ ہم بچ گئے اور سچ تو یہ ہے کہ کسی غیبی طاقت نے ہی ہماری مدد کی ورنہ میں تو بالکل مایوس ہو چکا تھا ۔میں حیران ہوں کہ کس طرح سے میں اپنے ڈونگے کو کنارے سے ہٹا لایا ؟

ہم اپنے ڈونگوں میں خاموش بیٹھے تھے ۔ہر شخص خیالات کے ہجوم میں غلطاں تھا اور رات تھی کہ کسی صورت ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی ۔ چاند بادلوں میں چھپ چکا تھا اور تاریکی کی گاڑھی چادر ہیبتناک جنگل کو لپیٹے ہوئے تھی ۔آہستہ آہستہ رات کی چادر میں شگاف پڑنے لگے ۔افقِ مشرق نئی نویلی دلہن کے رخساروں کی طرح سرخ ہو گیا ۔تاریکی اپنا دامن سمیٹ کر مغرب کی طرف فرار ہو گئی ۔اور صبح کی پہلی کرن نے مشرق افق کو اجال دیا اور اس کرن کو دیکھ کر مجھے جتنی خوشی حاصل ہوئی اتنی گنج سلیمان کو پا کر بھی حاصل نہ ہوئی تھی ۔

لیکن میرے اپنے ڈونگے کا نظارہ نہایت بھیانک تھا ۔ڈونگے کے پیندے میں وکوافی ملازم کی خون میں لت پت لاش پڑی ہوئی تھی اس کے سینہ میں بڑا سا چاقو دستہ تک پیوست تھا اور دستہ کٹے ہوئے ہاتھ کی گرفت میں تھا ۔

میں اس نظارے کی تاب نہ لا سکا۔ چنانچہ ہم نے وہ پتھر جو بچ رہا تھا ایک رسّے میں باندھ کر رسّی کا دوسرا سرا وکوافی کی کمر کے گرد لپیٹ کر اسے ندی میں چھوڑ دیا۔ غریب وکوافی کا بے جان جسم اپنے پیچھے بلبلے چھوڑتا ہوا گہرے پانی میں غرق ہو گیا۔ قاتل کا ہاتھ بھی ندی میں پھینک دیا گیا لیکن چاقو میں نے اپنے لئے رکھ لیا جو آج تک شکاری چاقو کے طور پر میرے کام آ رہا ہے۔

ایک وکوافی ہنری کے ڈونگے سے میرے ڈونگے میں منتقل کر دیا گیا اور ہم اسی امید کے ساتھ کہ رات ہونے سے پہلے میکنزی کے مستقر تک پہونچ جائیں گے آگے روانہ ہوئے لیکن ہمارے دلوں پر گذشتہ رات کے واقعہ کا خوف اب تک طاری تھا۔ تمام تیزی و طراری کوچ کر گئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موت اپنے دانت کٹکٹاتی ہمارا تعاقب کر رہی تھی۔ ستم یہ ہوا کہ ہماری مشکلات میں اضافہ کرنے کے لئے بارش نے ہمیں آلیا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان چھلنی ہو چکا ہے اور پانی آج برس کر پھر کبھی نہ برسے گا۔ سرد بارش کے قطروں نے ہماری ہڈیوں تک کو تر بتر کر دیا۔ ہوا بالکل بند تھی اس لئے بادبان کام نہیں دے رہا تھے۔ مجبوراً ہمیں چپو سنبھالنے پڑے۔

گیارہ بجے ہم بائیں کنارے پر ایک کھلی جگہ دیکھ کر اتر پڑے بارش کا زور کم ہو گیا تھا اس لئے ہم آگ جلانے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ اس کے لئے ہمیں ضرورت سے زیادہ وقت صرف کرنا پڑا شکار کی تلاش میں جانے کی کسی میں ہمت نہ تھی یہ خیال مانع تھا کہ کہیں مسائیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں چنانچہ دریائے ٹانا کی مچھلیوں پر ہی قناعت کی گئی کچھ دیر سستانے کے بعد دو بجے کے قریب ہم پھر روانہ ہوئے چلتے وقت تلی ہوئی مچھلیوں کا کافی ذخیرہ ہم نے اپنے ساتھ لے لیا۔

بارش نے پھر زور پکڑا۔

کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ دریا کی گہرائی کم ہو گئی۔ بہاؤ تیز ہو گیا اور ندی کی تہہ میں پڑے ہوئے پتھروں نے ہماری مشکلات میں چند در چند اضافہ کر دیا چنانچہ ہماری اس امید نے کہ رات ہونے سے پیشتر میکڈی کے مستقر تک پہنچ جائیں گے، دم توڑ دیا۔ ہماری رفتار بہت سست تھی ہم ایک گھنٹے میں بمشکل ایک میل طے کر سکے۔ پانچ بجے اور ہماری طاقت جواب دے گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اگر اب چپو چلائے تو ہاتھ کندھوں کے قریب سے اکھڑ جائیں گے۔ جسم کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا سانس پھول رہی تھی۔ [illegible] سینے میں سانس سما نہیں رہی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ پھیپھڑے غبارے کی طرح پھٹ جائیں گے اور ان سب کوششوں کے باوجود ہم اب بھی میکڈی کے مستقر سے دس میل دور تھے۔

ان حالات میں آگے بڑھنا قریب قریب ناممکن تھا چنانچہ رات گزارنے کے لیے ہم ضروری انتظامات کرنے میں جٹ گئے۔ ظاہر ہے کہ گزشتہ رات کے ہولناک تجربے کے بعد ہم کنارے پر رات بسر کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے اس کے علاوہ دریا کے دونوں کناروں پر حد نگاہ تک گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا تھا اور یہ جھاڑیاں اپنے دامن میں بیک وقت پانچ ہزار سپاہیوں کو بہ آسانی چھپا سکتی تھیں۔

میرا خیال تھا کہ یہ رات بھی ہمیں اپنے ڈونگوں میں ہی بسر کرنی ہوگی۔ لیکن خوش قسمتی سے ہم سے کچھ ہی دور دریا کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا قریباً چودہ مربع فٹ پتھریلا جزیرہ نظر آیا جزیرہ کیا تھا غیر متوازن ایک چٹان سی تھی جو پانی کی سطح پر ابھر آئی تھی۔ غرق شدہ جہاز کے بچے ہوئے مسافروں کو کوئی

سرسبز و شاداب خشکی کا خطہ دیکھ کر اتنی مسرت نہیں ہوتی ہو گی جتنی کہ ہمیں وہ چٹان دیکھ کر ہوئی۔

ہم اس جزیرے کی طرف چلے اور کچھ ہی دیر بعد ہمارے ڈونگے ایک بڑے سے پتھر سے بندھے ہوئے تھے اور ہم جزیرے کے پتھریلے فرش کو آرام دہ بنانے میں کوشاں تھے جو بہت ہی تکلیف دہ تھا۔

موسم بڑا خراب تھا۔ بارش موسلا دھار ہو رہی تھی اور سرد ہوا جسم کی ہڈیوں کے گودے تک کو ٹھٹھرا رہی تھی۔ بارش کے سبب ہم آگ بھی نہیں جلا سکتے تھے۔ موسلا دھار بارش اور ہم اس بارش میں بیٹھے کانپ رہے تھے۔ نظروں کے سامنے زمین سے آسمان تک پانی کی چادر سی تنی ہوئی تھی اور دو قدم دور کی چیز بھی ہمیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہمارے خیال میں بارش ہمارے حق میں خدا کا قہر ثابت ہو رہی تھی۔ لیکن ہمارے وکوافی ملازموں نے فیصلہ صادر کیا کہ یہ بارش ہمارے حق میں قہر نہیں رحمت ثابت ہو رہی ہے اور وہ اس لئے کہ اس موسم میں بقول وکوافی غلاموں کے دنیا کی کوئی طاقت ماتمیوں کو اپنے جھونپڑے سے نہیں نکال سکتی۔ چنانچہ آج رات ہم محفوظ تھے۔ ماتمی اپنی جھونپڑیوں میں دبکے بیٹھے ہوں گے اور یہ اس لئے تھا کہ بقول ان کے ماتمیوں کو نہانے سے نفرت ہے۔

ہم نے پھل کے چند پھیکے میٹھے اور یخ بستہ پھلکے زہر مار کئے۔ اسلوبوگا کو چونکہ زولوؤں کی طرح پھل پسند نہ تھی اس لئے اس نے برانڈی کے چند گھونٹ چڑھا لئے۔ برانڈی کی تین چار بوتلیں ہمارے پاس موجود تھیں۔

اور پھر بارش کی نہایت آزمائشی رات کا آغاز ہوا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ گنج سلیمان کی مہم پر جاتے ہوئے ہمیں ایک رات برف پوش کوہ صبا کے ایک غار میں بسر

کرنے کا اتفاق ہوا تھا اور نہ صبح ہونے تک ہمارا ایک ملازم اکڑ کر تختہ ہو گیا تھا اور ہمارا خون منجمد ہو گیا تھا اس رات بھی ہم تینوں یعنی میں، ہنری اور گڈ ساتھ تھے۔

آج کی رات بھی ایسی سخت معلوم ہوتی تھی۔ ایک دو مرتبہ خیال آیا کہ ہمارے وکوافی ملازم جو افریقہ کی گرمی کے عادی تھے رات بھر میں اکڑ کر مر جائیں گے۔ برانڈی اگر ان کے جسموں کو گرماتی نہ رہتی تو شاید ہمارے ملازم مر چکے ہوتے افریقہ کا کوئی بھی باشندہ اس موسم کو برداشت نہیں کر سکتا حتیٰ کہ وہ آہنی بوڑھا امسلوپوگاس بھی۔ پتے کی طرح کانپ رہا تھا اس کی قوت برداشت کی داد دینی پڑتی ہے۔ کیا مجال کہ حرف شکایت لب پہ آجائے۔ البتہ ہمارے وکوافی ملازم بری طرح سے کراہتے ہوئے اپنی قسمتوں کو کوس رہے تھے۔

وقت رینگ رہا تھا۔

بے انتہا اندھیری رات اور اس پر سے موسلا دھار بارش شاید ہی کبھی اور کو ایسی رات گذارنے کا اتفاق ہوا ہو۔ رات کا ایک بجا اور کہیں دور سے الّو کی ٹھٹھری ہوئی آواز سنائی دی۔ ہم نے ہڑبڑا کر بندوقیں اٹھائیں اور گھوڑے چڑھا کر مسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ دانت بج رہے تھے۔ ہونٹ اودے ہو چکے تھے اور ناک برف کی ڈلی ہو گئی تھی۔ جسم سارے سردی کے کانپ رہا تھا اب اگر ایسی حالت میں مسائی حملہ کر دیتے تو ہم شاید ہی ہم اپنا بچاؤ کر سکتے۔ لیکن جان سبھی کو عزیز ہوتی ہے چنانچہ ہم سب حتیٰ کہ وکوافی ملازم بھی بندوقیں سنبھالے تھے لیکن اس مرتبہ یا تو وہ سچ مچ کا الّو تھا یا پھر اس موسم میں مسائیوں کو ہم پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کچھ بھی ہو ہم صبح تک بندوقیں لئے بیٹھے رہے۔

لیکن مسائیوں کا سایہ تک نظر نہ آیا۔

آخر کار گاڑھی دھند کا لبادہ اوڑھے سحر نمودار ہوئی بارش تھم گئی آسمان پر غلیظ بادلوں کے ٹکڑے کسی بے وطن کی طرح آوارہ گردی کر رہے تھے۔ افق مشرق کے سنہرے دروا ہوئے اور سورج دیوتا نے اپنا سرا بھارا اس کی کرنیں بجائی شرماتی فرشِ زمین پر اتر آئیں۔ کہر کی گاڑھی چادریں شگاف پڑتے چلے گئے اور یخ بستہ ہوا کو آتشی شعاعوں نے گرمانا شروع کیا۔ ہمارے جسم سُن ہو چکے اور کسی میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن جیسے تیسے ہم نے اٹھ کر اپنے ٹھٹھرے ہوئے جسموں کو نرم گرم کرنوں کے سامنے پیش کر دیا۔ زمانۂ قدیم کے لوگ سورج کی پرستش کرنے میں حق بجانب تھے ایسے ہی طوفانوں موسموں کے بعد جب سورج نمودار ہوتا ہوگا صحیح معنوں میں وہ ان کے لئے ایک دیو سمان سا مہربان ہوتا ہوگا۔

آدھ گھنٹے بعد سبک رفتار ہوا ہمارے ڈونگوں کو آگے کی طرف لئے جا رہی تھی جیسے جیسے سورج بلند ہوتا جا رہا تھا ہماری قوت عود کرتی آ رہی تھی اور جی چاہتا تھا جیسے گذشتہ رات کی پریشانیوں پر دل کھول کر ہنسا جائے۔

ہمارے ڈونگے گیارہ بجے تک بہتے رہتے۔ اب ہمارے کھانے کا وقت ہو چکا تھا اور ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ کسی مناسب جگہ اتر کر شکار وغیرہ حاصل کیا جائے۔ دفعتہً ندی ایک طرف کو مڑ گئی۔ موڑ مڑتے ہی ہماری نظریں سامنے کی طرف اٹھ گئیں ایک بلند ٹیلے پر ایک خوبصورت انگریزی طرز کی کوٹھی نظر آ رہی تھی اس کوٹھی کے چاروں طرف پتھر کی دیوار یا فصیل کے باہر گہری خندق کھدی ہوئی تھی کوٹھی پر ایک عظیم الشان پیڑ سایہ فگن تھا۔

اس کی چوٹی کو ہم پچھلے دو روز سے دوربین کی مدد سے دیکھتے آئے تھے لیکن کیا پتہ تھا کہ یہ مسٹر میکنزی کے مستقر کی نشانی ہے۔ سب سے پہلے میری نظر اس کوٹھی پر پڑی اور بے اختیار میرے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔ میرے دوسرے ساتھی گڈ اور افریقی ملازموں کے میری خوشی میں شامل ہو گئے۔

کوٹھی کو دیکھتے ہی ہمارے مردہ جسموں میں گویا جان پڑ گئی اور ہم تیزی سے قدم چلانے لگے حالانکہ کوٹھی ہمیں قریب نظر آ رہی تھی لیکن وہ ہم سے کافی دور تھی چنانچہ کوئی ایک بجے کا وقت ہو گا جب ہم اس ٹیلے کے جس پہ کہ کوٹھی قائم تھی دامن میں کھڑے تھے۔ ہم نے جلدی جلدی اپنا اسباب اتار کر زنگانوں کو کنارے پر اکٹھا کیا۔ ابھی ہم اپنی سانس درست کر رہے تھے کہ ہمیں انگریزی لباس میں ملبوس تین انسانی سائے نظر آئے جو درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر ہماری طرف آ رہے تھے۔

"ایک معزز مرد، ایک معزز خاتون اور ایک نہایت ہی پیاری لڑکی۔" گڈ نے اپنی ایک آنکھ والی عینک سے آنے والوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا: "تینوں تہذیب یافتہ اور شائستہ ایک نہایت ہی شائستہ متمدن قسم کے باغ سے نکل کر ہمارے استقبال کو آ رہے ہیں۔ خدا کی قسم کتنی انوکھی اور مزیدار بات ہے یہ۔"

گڈ نے ٹھیک ہی کہا تھا صحیح معنوں میں یہ کسی خواب یا تخیلی افسانے کی سی انوکھی اور ناقابل یقین بات تھی کہ افریقہ کے قلب میں ہماری ملاقات کسی تہذیب یافتہ خاندان سے ہو گی۔

"خوش آمدید دوستو۔" بھورے بالوں، سیب ایسے گالوں اور متوازن جسم والے شخص نے کہا۔ جیسا کہ قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمیں مخاطب کرنے والا

سوائے میکنزی کے اور کوئی نہ تھا۔

"امید ہے کہ آپ کا سفر آرام دہ رہا ہوگا" مسٹر میکنزی نے کہا "میرے مستقر کے باشندوں نے ایک گھنٹہ پیشتر مجھے بتا دیا تھا کہ انہوں نے تین سفید فام لوگوں کو ٹٹوؤں پر سوار اس طرف آتے دیکھا ہے۔ چنانچہ تبھی سے ہم آپ کی آمد کے منتظر تھے۔"

"ایک مدت بعد یہاں مہذب یافتہ لوگوں کو دیکھ کر روحانی مسرت حاصل ہوئی ہے" مسٹر میکنزی کی بیوی نے کہا۔ ہم نے شکریے کے طور پر اپنے ہیٹ اٹھائے اور پھر میں نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا۔

"چلیے غریب خانے پر۔ آپ بے حد تھکے ہوئے اور بھوکے ہوں گے" مسٹر میکنزی نے کہا "آپ سے مل کر مجھے روحانی مسرت حاصل ہوئی۔ کوئی بھی سفید فام اس طرف آتا نہیں۔ آپ سے پہلے جو آخری شخص یہاں آیا تھا وہ الفونس ہے لیکن اسے آئے ہوئے ایک سال کا عرصہ ہوا۔ آپ الفونس سے مل لیں گے آج تک وہ یہیں مقیم ہے۔"

اسی عرصے میں ہم ڈھلوان چڑھ رہے تھے۔ ڈھلوان کے نشیبی حصے پر سفرجل کے درختوں اور کھردرے پتھروں کا ایک احاطہ قائم تھا اس احاطے کے اندر چھوٹے چھوٹے باغوں کا سلسلہ چلا گیا تھا جن کی کیاریوں میں لوکی، آلو اور مکئی وغیرہ کی کاشت کی گئی تھی۔ ان باغوں کے کونوں میں کلاہ بارانی شکل کی بنی جھونپڑیوں میں مستقر کے عیسائی افریقی باشندے مقیم تھے جن کی عورتیں اور بچے اپنی جھونپڑیوں سے نکل کر ہماری طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ جس راستے پر ہم اس وقت ہم چل رہے تھے وہ باغوں کے بالکل بیچ میں سے گزرتا تھا اور اس کے دونوں کناروں پر نارنگی کے

درختوں کی قطاریں چلی گئی تھیں۔

پاڈمیل کی سخت چڑھائی کے بعد (کیونکہ ڈھلوان کے کنارے سیدھے تھے) ہم ایک احاطے میں پہونچے جس کے چاروں طرف سفر جل کے درخت لگائے گئے تھے۔ ہر درخت پھلوں سے پٹا پڑا تھا مسٹر میکنزی نے بتایا کہ یہ احاطہ چار ایکڑ زمین گھیرے ہوئے تھا اور اس میں اسکے ذاتی مکانات باغ اور ایک گرجہ تھا بوقا جیسے کہ ٹیلے کی چوٹی مسٹر میکنزی کے قبضہ میں تھی۔

بہت خوبصورت باغ تھا وہ مجھے باغوں سے عشق ہے اور میکنزی کا باغ دیکھ کر میں کھل اٹھا اندر قطار بورپی پھلوں کے درخت چلے گئے تھے ٹیلے پر کی آب و ہوا کچھ ایسی مناسب واقع ہوئی تھی کیونکہ یورپ کا ہر پھلدار درخت افریقہ کی آب و ہوا میں نہیں پنپتے اور اگر کہیں مشکلوں سے اگ جاتے ہیں تو پھل نہیں لاتے لیکن میکنزی کے باغ میں یہ بڑے بڑے سیب درخت پر لٹک رہے تھے ٹماٹر، لکڑی اور تربوز کی افراط تھی۔

"بہت خوبصورت باغ ہے!" میں نے بے خود ہوتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں یہ میری انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔" مسٹر میکنزی نے کہا "لیکن سچ پوچھئے تو یہاں کی آب و ہوا میری بہت بڑی معاون ثابت ہوئی اگر آپ "پیچ" کی گٹھلی یہاں دبا دیں تو چوتھے سال ہی ایک تناور درخت پھلوں سے لدا پھندا کھڑا ہوگا۔ گلاب کی قلم صرف ایک سال میں سرسبز ہو کر پھول لے آتی ہے بہت زرخیز زمین ہے!"

باتیں کرتے ہوئے ہم دس فٹ گہری خندق تک آگئے جو پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ خندق کی پرلی طرف پتھروں کی ایک دس فٹ بلند دیوار یا فصیل قائم

"تو یہ ہے میرا قلعہ" مسٹر میکنزی نے خندق اور فصیل کی طرف اشارہ کیا۔
یس نے اور بیس باشندوں نے مسلسل دو سال تک شب و روز محنت کی ہے
ب کہیں جا کر یہ خندق اور فصیل مکمل ہوئی جب تک فصیل اور خندق تیار نہ
رگئی میں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا تھا لیکن اب میں بیٹھ کر افریقہ کے وحشیوں کا
نابلہ بہ آسانی کر سکتا ہوں۔ بارش کے موسم میں خندق پانی سے بھر جاتی ہے اور
یہ پانی سال بھر تک ہمارے کام آتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس غلے اور
دوسری اشیائے خورد و نوش کا اتنا ذخیرہ موجود رہتا ہے کہ چار ماہ تک ہم اپنے
عہ میں بند رہ سکتے ہیں۔"

خندق پر ایک چوبی پل گرا ہوا تھا پل کیا تھا چند تختے جوڑ کر خندق پر
ڈال دیئے گئے تھے اس پل سے گزر کر ہم فصیل کے سامنے جا پہونچے۔ فصیل میں ایک
رف ایک چھوٹا سا تنگ دروازہ بنا ہوا تھا ہم اس دروازے سے گزر کر ایک
یسے خوبصورت باغ میں جا پہونچے جس کی خوبصورتی بیان کرنا میرے بس میں
میں رنگ برنگ انگریزی پھولوں کے تختے ہر چہار طرف پھیلتے چلے گئے تھے
ن غیر ملکی پھولوں کے بیچ میں مقامی پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ ان پھولوں کے
شنما ترین پودوں کو مسٹر میکنزی کی لڑکی فلورنس نے آس پاس کے گاؤں سے
ع کیا تھا۔ باغ کے بیچ میں شفاف پانی کا فوارہ جاری تھا۔ پانی فوارے سے
ل پھول کی شکل میں بنی ہوئی کونڈی میں جا پڑتا اور پھر یہ نالی کے ذریعہ
صیل کے باہر خندق میں چلا جاتا ہے خشک سالی میں خندق کا پانی نچلے حصہ
میں بنے ہوئے باغوں کی کاشتکاری میں بھی کام آتا تھا۔

فوارے کے بالکل سامنے مسٹر میکنزی کا ایک منزلہ مکان تھا جس کی چھت
ڑکی سلوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ مکان کے چاروں طرف برآمدہ تھا۔

اس مکان سے آگے ایک طرف چھوٹا سا باورچی خانہ بنا ہوا تھا۔ اس گرم ملک میں یہ جگہ سچ مچ جنت سماں معلوم ہو رہی تھی۔

مکان کے سامنے ایک انوکھی چیز تھی یعنی ایک بلند و بالا درخت۔ اس قسم کے درخت مختلف قسم کے افریقہ کے مختلف حصوں میں نظر آتے ہیں لیکن وہ درخت اپنی مثال آپ تھا اور بقول مسٹر میکنزی وہ درخت پانچ میل کے فاصلے سے نظر آتا تھا اور لوگ اس درخت کو نظر میں رکھ کر بڑی آسانی سے مستقر تک پہنچ سکتے تھے۔ درخت کی بلندی تین سو فٹ ہو گی اور تنے کا محیط کم از کم [illegible] اور اوپر تنے میں سے ٹہنیاں پھوٹ کر چھتری کی طرح چاروں طرف پھیل گئی تھیں۔ لیکن چونکہ وہ کافی بلند تھیں اس لئے سورج کی روشنی کو نیچے آنے سے کوئی روک نہ تھی۔

”عجیب و غریب درخت ہے یہ تو،“ میں نے کہا۔

”جی ہاں۔ افریقہ میں ایسا درخت آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا،“ مسٹر میکنزی نے کہا۔ ”یہ درخت میرے لئے دیدبان کا کام دیتا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ درخت کی سب سے نچلی ٹہنی سے رسیوں کا ایک زینہ لٹک رہا ہے۔ اب اگر مجھے یہ معلوم کرنا ہو کہ مستقر سے پندرہ میل دور پر کیا ہو رہا ہے تو مجھے صرف یہ کرنا ہوگا کہ دوربین لے کر درخت پر جا بیٹھوں۔ لیکن باتیں تو پھر بھی ہوتی رہیں گی اس وقت آپ مارے بھوک کے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اور یقین ہے کہ دوپہر کا کھانا تیار ہو گا۔ یہ جگہ آپ کو کچھ عجیب سی معلوم ہو رہی ہو گی لیکن دوستوں افریقہ کے جنگلوں میں ایسی جگہ بھی غنیمت ہے۔ آپ کو ایک خوشخبری سناؤں۔ ایک بڑی کارآمد چیز فی الحال ہمارے پاس موجود ہے۔ یعنی ایک فرانسیسی باورچی۔

ہم مسٹر میکنزی کے پیچھے پیچھے برآمدے میں پہنچے۔

میں مسٹر میکنزی کی اس بات پر غور کر رہا تھا جو انہوں نے فرانسیسی ورچی کے بارے میں کہی تھی۔ انہوں نے اس فرانسیسی کو "بڑی کار آمد چیز" یوں کہا تھا؟ ابھی میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ برآمدہ کا دروازہ جو کمرے میں کھلتا تھا، جس پر پردے لٹک رہے تھے تھوڑا سا کھلا اور پھر ایک دم سے پورا کھول دیا گیا اور نیلے وردی میں ملبوس ایک پستہ قد شخص جس کے چہرے سے مسخرہ پن اور بیوقوفی ٹپک رہی تھی نمودار ہوا لیکن سب سے عجیب دلچسپ چیز اس کی مونچھیں تھیں نہایت گھنی اور خوشنما رقم کی مونچھوں کے دونوں کونے جنگلی بھینسے کے سینگوں کی طرح اوپر کی طرف مڑی ہوئی تھیں۔

"جناب" اس مسخرے نے کہا "مادام نے مجھے آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کو اطلاع دوں کہ کھانا میز پر لگا دیا گیا ہے اس لئے تشریف لے چلئے۔" پھر فوراً اس کی نگاہیں اسلوپوگاس پر جا پڑیں جو ہمارے پیچھے ہی پیچھے اپنے کلہاڑے انگوٹھی سے کھیلتا ہوا چلا آ رہا تھا مجھے دیکھ کر تو وہ مسخرہ دم بخود کھڑا رہا۔ پھر فرانسیسی میں آپ ہی آپ ... ہم سے مخاطب ہوا۔ "ارے باپ رے، اس کے ہیں کتنا بڑا تبر ہے، اور ادھر دیکھو اس کے ماتھے پر ... زخم تو دیکھو کمال ہے بھئی۔"

"الفونسے،" مسٹر میکنزی نے کہا "یہ کیا بڑبڑا رہے ہو تم؟"

"بڑبڑا رہا ہوں؟" پستہ قد فرانسیسی نے جس کی نظریں اب تک اسلوپوگاس پر گڑی ہوئی تھیں اور جس کے دبلے ڈیل کو دیکھ کر وہ حیران ہو جا رہا تھا جواب دیا "بڑبڑا کہاں رہا ہوں۔ جناب میں اس دیو کے بارے میں کہہ رہا ہوں" اور اس نے اسلوپوگاس کی طرف اشارہ کیا "او خوہ کالا دیو۔"

ہم سب بے ساختہ ہنس پڑے اور امسلوپوگاس یہ سمجھ کر کہ اسی پہ ہنسا جا رہا ہے بے حد خفا ہوا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ چہرے کے پٹھے اکھڑ گئے اور وہ شکاری کتے کی طرح غرانے لگا۔ امسلوپوگاس کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ اس پر ہنسا جائے یا اس پہ جملے کسے جائیں۔

"اوہ" الیفونسے چونکا "کالادیو خفا ہو گیا، اوہ اس کا چہرہ بدل رہا ہے۔ وہ اپنے اصلی روپ میں آ رہا ہے، اور ۔۔۔ مجھے اس کے تیور کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے اس لئے بھاگو اس کے سامنے سے ورنہ خیر نہیں جناب میں غائب ہوتا ہوں" اور وہ سچ مچ دروازے کے پیچھے جا کر غائب ہو گیا۔ ہم مارے ہنسی کے دوہرے ہو گئے۔ مسٹر میکنزی نے بھی ہمارا ساتھ دیا۔

"بڑا مزیدار شخص ہے یہ الفونسے" مسٹر میکنزی نے کہا۔ "میں آپ کو اس کی کہانی سناؤں گا لیکن فی الحال آئیے ہم اس کے پکائے ہوئے کھانوں کو کسوٹی پہ کسیں"

"مسٹر میکنزی" نہایت ہی لذیذ کھانا کھا چکنے کے بعد ہنری نے کہا۔ "ان جنگلوں میں یہ فرانسیسی باورچی آپ کے ہاتھ کہاں سے آ گیا؟"

ایک سال پہلے یہ میرے پاس آیا تھا اور درخواست کی کہ میں اس کو ملازم رکھ لوں۔ دراصل وہ اپنے وطن فرانس میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تھا اور وہاں سے فرار ہو کر وہ خدا جانے کہاں کہاں بھٹکتا ہوا زنجیبار پہونچا وہاں انھیں دنوں میرا ایک قافلہ ساز و سامان لینے کے لئے گیا ہوا تھا اور وہ میرے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ تب وہ فاقوں سے نڈھال تھا۔ میرے آدمی اسے یہاں لے آئے۔

۔ اب ایک بات، لیکن بہتر ہے کہ آپ الفونسے کی زندگی کے واقعات

امحا کی زبانی سنیں۔ بڑا دلچسپ اور مخلص شخص ہے"۔

جب کھانا بڑھایا جا چکا تو ہم نے پائپ جلا لیے اور سر ہنری نے نہایت تفصیل سے ہمارے سفر کے حالات مسٹر میکنزی کو سنانا شروع کئے۔

"مجھے یقین ہے کہ خونخوار مسائی مستقر تک آپ کے پیچھے لگے ہوئے تھے"۔ مسٹر میکنزی نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ آپ لوگ صحیح سلامت یہاں تک پہونچ گئے۔ میں سمجھتا ہوں مسائی اس جگہ حملہ نہیں کر سکتے۔ ایک حد تک آپ یہاں محفوظ ہیں لیکن مجھے یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ میرے تمام آدمی جن کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔ ہاتھی دانت اور دوسرا تجارتی سامان لے کر ساحل کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ میرے مستقر میں اس وقت صرف بیس مرد موجود ہیں اگر اس حالت میں مسائیوں نے خدانخواستہ حملہ کر دیا۔ جس کی امید کم ہے۔ تو ہمیں اپنا بچاؤ کرنا مشکل ہو جائے گا لیکن پھر بھی میں ضروری بندوبست کر دوں گا۔ ان مسائیوں کا کیا بھروسہ، بالکل اجڈ اور وحشی ہوتے ہیں"۔

مسٹر میکنزی نے دروازے پر جا کر اس حبشی کو پکارا جو باغ میں ٹہل رہا تھا۔ مسٹر میکنزی کی آواز سنتے ہی وہ دوڑتا ہوا آیا اور مسٹر میکنزی کی ہدایات کو نہایت غور سے سننے کے بعد سلام کر کے رخصت ہوا۔

"مسٹر میکنزی ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے آپ کسی مصیبت میں پھنس جائیں"۔ ہمارا مخلص میزبان جب آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تو میں نے کہا "اس سے پہلے کہ مسائی محض ہماری وجہ سے آپ کے مستقر پر حملہ کر دیں۔ بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ راستے میں ہم پر جو کچھ گزرے گی اسے بھگت لیں گے خواہ مخواہ آپ کیوں جھگڑا مول لیں؟"

"جی نہیں جب تک میرے دم میں دم ہے میں اس کی آپ کو اجازت نہیں دے سکتا" مسٹر میکنزی نے کہا۔ "اگر ساہیوں کو حملہ کرنا ہے تو شوق سے کریں جو کچھ ہو گا پھر دیکھا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ہمارے مستقر میں زیادہ مرد نہیں لیکن پھر بھی ہم ساہیوں کی گوشمالی بخوبی کر سکتے ہیں۔ اگر تمام افریقہ کے ساہی ادھر پڑیں تو بھی میں اپنے مہمانوں کو اپنے مستقر سے نہ نکال سکتا۔"

"ایک بات مجھے یاد آ گئی" مناسب موقع پا کر میں نے کہا۔ "لامو کے قونصل صاحب کو آپ نے اپنے کسی خط میں کسی قوم کے بارے میں کچھ لکھا تھا جو کہیں سے افریقہ کے قلب میں بسی ہوئی ہے اور کسی سفید فام قوم کا افسانہ اپنے ساتھ لئے آپ کے پاس آیا تھا۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا واقعی ایسی قوم افریقہ کے جنگلوں میں بستی ہے یا یہ محض من گھڑت افسانہ ہے؟ یہ میں صرف اس لئے دریافت کر رہا ہوں کہ افریقہ کے کئی ایک باشندوں سے بھی میں نے ایسا ہی سنا ہے۔"

مسٹر میکنزی نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا وہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے اور میں ایک سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہہ دی۔

چند ثانیوں بعد مسٹر میکنزی اپنے ہاتھ میں ایک انوکھی قسم کی تلوار لئے لوٹے۔ تلوار بہ نسبت عام تلواروں کے کافی لمبی اور اس کا پھل چوڑا اور وزنی تھا۔ اس تلوار میں ایک نئی بات یہ تھی کہ اس کی دھار کے پاس حصے پر زیورات کا سا کٹائی کا کام کیا ہوا تھا۔ تنے ٹھپے کر آرے سے کاٹ کر گل بوٹے بنائے گئے تھے بالکل ایسے ہی جیسے کہ ہم لکڑی کے تختے میں بناتے ہیں۔ کمال یہ تھا کہ فولاد کو کاٹ کر چھید کیا گیا تھا کہ اس کی مضبوطی میں کوئی

فرق نہیں آیا تھا۔ اپنے طور پر یہ ہی ایک کاریگری ہم کو حیران کرنے کے لئے کافی تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر ہمارا حیرانی انتہا کو پہنچ گئی کہ چھیدوں میں خالص سونا نہایت کاریگری سے بھر دیا گیا۔ یہ بات میری سمجھ میں آج تک نہ آسکی کہ سونے ایسی معمولی گرمی سے پگھل جانے والی دھات کو فولاد کے ساتھ کس طرح سے جوڑا گیا تھا۔[1]

"ایسی عجیب و غریب تلوار آپ نے کہیں اور بھی دیکھی ہے؟" مسٹر میکینزی نے پوچھا ہم نے باری باری تلوار کو الٹ پلٹ کر کافی دیر تک دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ تلوار میں نے اس شخص سے حاصل کی تھی جس کا دعویٰ تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے اس سفید فام قوم کے لوگوں کو دیکھا ہے اور اگر وہ اس تلوار کو اپنی باتوں کے ثبوت کے طور پر پیش نہ کرتا تو میں بھی اس سفید فام قوم کے وجود کو صرف ایک افسانہ ہی تسلیم کرتا لیکن بہتر ہے کہ میں شروع سے ہی تمام واقعات جو کچھ زیادہ نہیں ہیں آپ کو سنا دوں پھر آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ ان باتوں میں کہاں تک صداقت ہے۔"

چند ثانیوں کے توقف کے بعد مسٹر میکینزی نے کہنا شروع کیا۔

"ایک شام کا ذکر ہے کہ میں اپنے برآمدے میں بیٹھا سستا رہا تھا کہ ایک شخص آکر خاموشی سے میرے قدموں پر گر گیا۔ میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو

---

[1] :۔ بعد میں ایسی ہی کئی تلواریں میری نظر سے گذریں لیکن باوجود کوشش کے میں یہ نہ جان سکا کہ چھیدوں میں سونا کس طرح بھرا جاتا ہے۔ وہ اسلحہ ساز جو زیندی میں یہ تلواریں بناتے ہیں قسم کھاتے ہیں کہ مرتے دم تک یہ راز کسی غیر کو نہ بتائیں گے۔ (کوارٹرمین)

اس کے چہرے سے انتہائی افلاس اور بھوک کے آثار ہویدا تھے جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا بال رسیوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور اس کی جلد ڈھیلی ہو کر جگہ جگہ سے لٹک گئی تھی میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟ جواب میں اس نے اپنی مصیبتوں کی طویل داستان سنا ڈالی جس کا خلاصہ یہ ہے

"اس کا قبیلہ کافی دور شمال میں آباد تھا۔ ایک روز کسی اور قبیلہ نے اس کے قبیلہ پر حملہ کر دیا اس کا گاؤں جلا دیا گیا مرد قتل کر دئے گئے اور عورتوں کو فاتح قبیلہ اپنے ساتھ لے گیا لیکن کسی طرح سے وہ اور چند اور آدمی اپنی جان بچا کر شمالی گھنے جنگلوں کی طرف بھاگ گئے۔ وہ "لاگا" نامی تالاب کو عبور کرتا ہوا اور بھی آگے بڑھا اس عرصے میں اس کے دوسرے ساتھی یا تو مصائب سے تنگ آ کر ایک جگہ بیٹھ گئے یا پھر کچھ مر گئے لیکن تنہا وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس تالاب پہ جا پہونچا جو پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اور جس کی بقول اس "انتھوں کے" تہہ نہیں؟ اس کا بیان تھا کہ یہاں پہونچتے ہی اس کے بیوی بچے کسی متعدی مرض کا شکار ہو گئے۔ شاید چیچک تھی وہ۔ بہرحال جس گاؤں میں وہ ٹھہرا ہوا تھا اس کے باسیوں نے اس خوف سے کہ کہیں یہ مرض انہیں بھی نہ چمٹ جائے اس کو اپنے گاؤں سے نکال باہر کیا۔ مسلسل دس روز تک وہ گھنے جنگلوں اور بلند پہاڑوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ کانٹے دار جنگل میں پہونچا۔ اس جنگل میں چند سفید فام لوگ شکار کھیل رہے تھے ان شکاریوں نے اسے پکڑ لیا اور ایک مقام پر لے گئے جہاں کے تمام لوگ سفید فام تھے اور پتھر سے بنے نئے مکانات میں رہتے تھے اس انوکھی سرزمین میں اسے ایک ہفتہ تک قید رکھا گیا پھر ایک سفید ریش بزرگ جو اسکے خیال سے طبیب تھا۔ تشریف لائے اور کافی دیر تک اس کا معائنہ کرتے رہے۔

اور دوسرے ہی روز صبح لوگوں کا ایک گروہ اسے اپنے حلقے میں لے کر چلا اور اسے کانٹے دار جنگل سے باہر نکال کر اور کچھ خوراک اور ایک تلوار دے کر چھوڑ دیا گیا۔" تو یہ ہے کہانی جو اس نے مجھے سنائی تھی۔

"اچھا پھر کیا ہوا؟" سرمفری نے جو بڑی دلچسپی سے یہ قصہ سن رہا تھا پوچھا۔

"اس کے بعد یہ ہوا کہ اس پر لاتعداد مصائب نے حملہ کر دیا۔ خوراک ختم ہو گئی۔ چنانچہ وہ درختوں کے پتے اور جڑیں چبا چبا کر دن گزارتا رہا بہرحال اس نے اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور آخرکار صحیح سلامت لیکن نہایت خستہ حالت میں میرے مستقر تک پہنچ گیا۔"

"اس سفر کے حالات پورے طور پر میں معلوم نہ کر سکا۔ جس وقت وہ میرے پاس آیا ہے۔ مارے تھکن اور فاقوں کے نڈھال ہو رہا تھا چنانچہ اسی وقت تمام باتیں پوچھ لینا مناسب معلوم نہ ہوا۔ میں نے یہ تمام باتیں دوسرے روز کے لئے اٹھا رکھیں اور میرے مستقر میں بسے ہوئے باشندوں کے سردار کو بلا کر اجنبی کو اس کے سپرد کر دیا کہ کل تک وہ اس کی خبرگیری کرتا رہے اور اسے جس چیز کی ضرورت ہو مہیا کر دے۔ سردار اسے اپنے ساتھ لے گیا لیکن اس کی بیوی نے اجنبی کو رات بھر اپنی جھونپڑی میں سلانے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ خارش کے مرض میں مبتلا تھا اور سردار کو یہ خوف دامن گیر ہو گیا کہ کہیں وہ یا اس کا شوہر اجنبی کے سبب اس مرض میں مبتلا نہ ہو جائیں چنانچہ اسے ایک کمبل دے کر کہا گیا کہ وہ جھونپڑی سے باہر پڑا رہے۔ اتفاقاً انہی دنوں ایک آدم خور شیر مستقر کے آس پاس گھوما کرتا تھا۔ بدقسمتی سے وہی شیر مصیبت زدہ اجنبی کی بو پا کر اوپر چڑھ آیا اور سوئے ہوئے اجنبی کی کھوپڑی اس قدر خاموشی سے چبا گیا کہ جھونپڑی میں سونے والوں کو پتہ تک نہ چلا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔۔۔۔

تو صاحبان یہاں آکر اس اجنبی اور اس کی سفید فام قوم کی کہانی کا خاتمہ ہوتا ہے میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کی کہانی میں کہاں تک صداقت ہے مسٹر ایلس ... آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں بھی وثوق سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا" میں نے کہا: "لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس تاریک براعظم کے بہت سے حصوں کی آج تک کسی نے کھوج نہیں کی اور اسی ملک میں ایسی ایسی چیزیں پوشیدہ ہیں کہ ہر چیز ممکن بھی ہو سکتی ہے اور نہیں بھی۔ بہرحال ہم اس سفید فام قوم کی تلاش میں چلے ہیں اور اگر حقیقت میں اس قوم کا وجود ہے تو ہم کو یقین ہے کہ اسے پالیں گے۔ بہ شرطیکہ ہماری زندگی وفا کرے۔

اور یہاں آکر باتوں کا موضوع بدل گیا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد ہم نے باغات، مکانات کی سیر کی۔ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ افریقہ کے جنگلات میں کسی اور جگہ ایسا خوبصورت اور آرام دہ مقام نہیں ہوگا۔ سیر کے بعد لوٹے تو دیکھا کہ برآمدے میں امسلوپوگاس بیٹھا بندوقیں صاف کر رہا تھا۔ صرف یہی ایک کام ایسا تھا جسے کرتے ہوئے وہ ہتک محسوس نہیں کرتا تھا۔ سرداری کی خو بو اب تک اس میں باقی تھی چنانچہ دوسرا کوئی کام اس کی شان کے خلاف تھا۔

قابل دید نظارہ تھا وہ۔

طویل القامت زولو جو کہ برآمدے کے فرش پر بیٹھا ہوا تھا اس کا کلہاڑا "انکوسی کاس"

ایک طرف دیوار سے ٹکا کر کھڑا کر دیا گیا تھا اور اسلوپوگاس کے لانبے لچکدار ہاتھ بڑی پھرتی مگر احتیاط سے بندوقیں صاف کئے جا رہے تھے۔

اسلوپوگاس نے ایک جدت یہ تراشی تھی کہ اس نے ہر بندوق کا ایک نام رکھ چھوڑا تھا۔ سربہری کی بندوق "گرج" تھی۔ دوسری جس کا دھماکا زوردار نہ تھا وہ "نابالغ" تھی اور دو نالیوں کو اس نے بڑا لمبا چوڑا القاب دیا تھا۔ "یہ وہ عورتیں ہیں ... جو اس قدر تیز بولتی ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا" بقیہ چھ بندوقیں عوام کہلاتی تھیں وغیرہ۔

بندوقیں صاف کرتے ہوئے وہ ان سے باتیں بھی کر رہا تھا اور اتنے انہماک سے جیسے اسے اپنی باتوں کا جواب مل رہا ہو۔

اپنے جنگی کلہاڑے کے ساتھ اسلوپوگاس کو بے پناہ محبت تھی، وہ اسے اپنا گہرا دوست اور دکھ سکھ کا ساتھی سمجھتا تھا۔ جب اسے تنہائی میسر ہوتی تو وہ کلہاڑے کو سامنے رکھے اس سے گھنٹوں باتیں کرتا رہتا اور اس بے جان چیز کے سامنے اپنے ان جنگی کارناموں کی داستانیں دہراتا جن میں سے کئی ایک نہایت بھیانک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھیں۔ اس کلہاڑے کا نام تھا "انکوسی کاس" یہ زولو زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہوتا ہے "سہاگن"۔ ایک مدت تک میں اس نام کی وجہ تسمیہ نہ سمجھ سکا چنانچہ میں نے اسلوپوگاس سے دریافت کیا کہ وہ اپنے کلہاڑے کو "انکوسی کاس" کیوں کہتا ہے؟ اس کی اس نے جو وجوہات بیان کیں وہ بڑی دلچسپ ہیں۔

"پہلی وجہ تو یہ" اس نے کہا "کہ یہ کلہاڑی ہے کلہاڑا نہیں۔ اس لئے یہ عورت ہوئی۔ دوسری یہ کہ کلہاڑی عورتوں کی نظروں کی طرح مردوں کے دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ تیسری اور آخری وجہ یہ کہ بہادر سے بہادر مرد اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

اس کا حسن اور طاقت دیکھ کر مبہوت ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے سامنے لوٹنے لگتے ہیں یہ صفات ظاہر ہے کہ ایک سردار ہی میں ہو سکتی ہیں۔"

مشکلات میں اپنی سردارن سے اسلوپوگاس مشورہ کیا کرتا تھا اور بقول اس کے سردارن نہایت مناسب و موزوں مشورے دیتی تھی۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بڑا تعجب خیز جواب دیا۔

"بات یہ ہے کہ سردارن آج تک ان گنت انسان کے دماغوں میں جھانک چکی ہے چنانچہ وہ بڑی ذہین اور زیرک ہو چکی ہے۔"

میں نے اس خوفناک ہتھیار کو الٹ پلٹ کر دیکھا وہ کلہاڑا ایسا ہی تھا جیسا کہ ہمارے یہاں لکڑہارے لکڑی کاٹنے کے لئے استعمال کرتے ہیں اس کی ہتھی تین فٹ تین انچ لمبی اور سوا انچ کے قریب موٹی تھی۔ ہتھی کے سرے پر نارنگی ایسا گولا بنا ہوا تھا جو ہاتھ کو پھسلنے سے روکتا تھا جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کلہاڑے کی ہتھی سفید گینڈوں کے سینگوں کی تھی۔ یہ بہت لچکدار اور کافی مضبوط تھی مگر اسکی مضبوطی اور بڑھانے کے لئے اس پر تانبے کے تار لپیٹے گئے تھے۔ گولے کے نیچے دندانے بنے ہوئے تھے۔ یہ ان لوگوں کی تعداد بتاتے تھے جو اس کلہاڑے کے طفیل عالم بالا کو سدھار گئے تھے۔

کلہاڑے کا پھل ہلالی تھا اور بے حد چمکدار یہ پتہ نہ چلا کہ کلہاڑا بنا ہوا کہاں کا تھا۔ اسلوپوگاس نے کئی سال پہلے کسی قبیلہ کے سردار کو ایک جنگ میں قتل کیا تھا۔ یہ کلہاڑا اسی سردار کے پاس تھا جو اس کے قتل کے بعد اسلوپوگاس کے قبضہ میں آیا یہ ہتھیار کچھ زیادہ وزنی نہ تھا۔ اندازاً یہی کوئی دو ڈھائی پاؤنڈ ہوگا۔ کلہاڑے کی دھار جو استرے ایسی تیز تھی عام وحشی لوگوں کے کلہاڑوں کے برخلاف مجوف تھی۔ کلہاڑے کے اوپر کے حصے پر ایک چار انچ لمبی

لوہے کی نوک دار سلاخ لگی ہوئی تھی سلاخ کا اوپری حصہ دو انچ تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ نے وہ چھیدنی تو دیکھی ہو گی جس سے چمڑے میں گول گول چھوٹی اتنے سوراخ بنائے جاتے ہیں۔ بس املوپوگاس کے کلہاڑے پر لگی ہوئی سلاخ اسی چھیدنی جیسی ہی تھی۔

جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا املوپوگاس جنگ میں کلہاڑے کو پھل کی طرف سے کبھی کبھار ہی استعمال کرتا تھا ورنہ عام طور سے وہ چھیدنی کی طرف سے دشمن پر وار کرتا اور اس کی کھوپڑی میں چونی برابر بقول املوپوگاس کے نہایت آرٹسٹک سوراخ بنا دیتا۔ شاید اس کے اسی طریقۂ جنگ سے یعنی دشمن کی کھوپڑی پر چھیدنی سے ٹھونک مارنے کی وجہ سے اسے "کھٹ پھوڑ" کا خطاب ملا تھا۔ اور سچ پوچھیے یہ خونی ہتھیار املوپوگاس کے ہاتھ میں نہایت ہی ظالم اور خوفناک کارگزاری ثابت ہوتا تھا۔

تو ایسا تھا املوپوگاس کا کلہاڑا۔ انکوسی کا یہ "دست بدست جنگ" کا نہایت تباہ کن ہتھیار یہ کلہاڑا اس کے ہاتھ سے کبھی جدا نہ ہوتا۔ ہاں جب کھانے بیٹھتا تو اس کے ہاتھ سے عارضی طور پر ہجرت کر کے گھٹنوں پر چلا جاتا۔

میں نے املوپوگاس کو ابھی اس کا کلہاڑا لوٹایا ہی تھا کہ مسٹر میکنزی کی لڑکی مس فلوسی آ گئی۔ اور مجھے اپنے پھولوں کا ذخیرہ دیکھنے کی دعوت دی۔ جسے میں نے بخوشی منظور کر لیا۔ اس کے ذخیرے میں واقعی بالکل نئے اور انوکھے پھول تھے جن میں سے کئی ایک تو میرے لئے بالکل نئے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آیا اس نے کہیں "گویا" نامی پھول دیکھا ہے۔ وسطی افریقہ کے کئی ایک سیاحوں نے مجھ سے اس پھول کی تعریف کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اس پھول کی خوبصورتی دیکھ کر وہ مسحور ہو گئے تھے۔ یہ پھول بقول افریقی باشندوں کے دس سالوں میں

صرف ایک مرتبہ کھلتا ہے اور وہ بھی بے حد بنجر اور خشک زمین میں۔

میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب فلوسی نے مجھے بتایا کہ اس پھول کی قلم اس نے اپنے باغ میں لگائی تھی لیکن پتہ نہیں وہ کیوں پنپ نہ سکی اس نے یہ بھی کہا کہ اسی موسم میں وہ پھول کھلتا ہے چنانچہ وہ میرے لئے پھول کا ایک نمونہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔

پھر میں نے اس سے پوچھا کہ اسے اس دور افتادہ خطے میں اپنی ہم عمر سہیلیوں کے بغیر تنہائی محسوس نہیں ہوتی؟

"تنہائی؟" فلوسی نے حیرت سے کہا۔ "نہیں تو۔ تنہائی کیوں محسوس ہونے لگی؟ میرا ہر دن خوش گوار گزرتا ہے میں کبھی رنجیدہ اور اداس نہیں ہوتی۔ ہر دوسرا دن میرے لئے نئی خوشیاں اور مسرتیں لاتا ہے۔ یہاں اس دور افتادہ مقام پر بھی مجھے چند ساتھی مل گئے ہیں جو میرا دل بہلاتے ہیں۔ میں یہاں سچی خوشی محسوس کرتی ہوں۔ دنیا کے جھمیلوں اور اس کی مصروفیتوں سے کوسوں دور، ایک پنچھی کی طرح آزاد، مہذب دنیا میں شاید میری کوئی قدر نہ ہوتی۔ وہاں ہزاروں لڑکیاں مجھ جیسی ہیں۔ چنانچہ میں بھی ایک قطرہ کی طرح سمندر میں مل کر اپنی ہستی کھو دیتی۔ میری زندگی کا دارومدار محض تصنع اور بناوٹ پر ہوتا — لیکن یہاں؟ یہاں بات دوسری ہے، یہاں میں، میں ہوں، میلوں تک میرا نام مشہور ہے۔ سیاہ فام باشندے مجھے آبی کنول کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اگر میرے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو وہ ان کے لئے الہام کا درجہ رکھتی ہے۔ میرے ادنیٰ اشارے پر یہ لوگ وہ کام بھی کر گزرتے ہیں جو ناممکن ہو۔ مہذب دنیا کی لڑکیوں کے بارے میں میں نے بہت کچھ کتابوں میں پڑھا ہے اور اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ان کی زندگی ایک جھوٹ ہے مسلسل دھوکا ہے۔ ہر لڑکی

نئے نئے فیشنوں کے پیچھے مری جاتی ہے اور اس جنون کا دورہ اتنا تیز ہوتا ہے کہ وہ اپنی عزیز ترین چیز کو بھی فیشن پر بھینٹ چڑھانے سے نہیں چوکتی۔ نہیں صاحب میں باز آئی ایسی زندگی سے۔ مجھے اپنی ہی زندگی پسند ہے۔"

"تو شاید تمہیں علم کا شوق نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں رہ کر تم تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں۔" میں نے کہا۔

"یہ آپ نے کیسے کہہ دیا؟ میں برابر والد صاحب سے فرانسیسی، لاطینی اور حساب وغیرہ کی تعلیم حاصل کر رہی ہوں کیا ضروری ہے کہ اسکول میں ہی تعلیم حاصل کی جائے۔ ذوق و شوق کی ضرورت ہے۔ پھر آپ دنیا کے تاریک ترین گوشے میں کسی نہ کسی ذریعہ سے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔"

"ان وحشی قبائل کے بیچ میں رہتے ہوئے تمہیں خوف معلوم نہیں ہوتا؟"

"خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ آج تک مجھے ان وحشیوں سے کوئی تکلیف نہیں پہونچی۔ میں جب چاہتی ہوں تنہا دور دور تک گھوم آتی ہوں اور کوئی میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ یہ لوگ مجھے تاگاکی (مقدس دیوی) تصور کرتے ہیں اور اس لئے کہ میرا رنگ سفید ہے اور بال سنہرے اور اگر کوئی خطرہ بھی ہو تو میں اس کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہوں۔ یہ دیکھئے۔" اس نے اپنے بلاؤز میں سے چھوٹا سا پستول برآمد کیا۔ "یہ پستول ہر وقت بھرا ہوا میرے پاس رہتا ہے۔ اگر کوئی مجھے چھونے کی کوشش بھی کرے تو میں اسے اسی وقت شوٹ کر دوں۔ ایک مرتبہ ایک چیتے نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو میں گھبرا گئی لیکن پھر فوراً ہی پستول نکال کر گولی چلا دی اور چیتا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی کھال میرے بستر پر بچھی ہوئی ہے۔ وہ دیکھئے مسٹر کوارٹرمین۔" اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ایک طرف اشارہ کیا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہاں بھی مجھے

ایسے ساتھی میسر ہیں جو میرا دل بہلاتے ہیں۔"

میں نے اس طرف دیکھا جس طرف طلوسی نے اشارہ کیا تھا۔ کوہ کینیا جو ہر وقت دھند کی چادر میں لپٹا رہتا تھا اس وقت... اپنے جلال اور عظمت کے ساتھ کئی ہزار فٹ تک عریاں ہو گیا تھا۔ چوٹی پر سے دھند ہٹ کر اسکے نچلے حصے پر جمع ہو گئی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ زمین اور آسمان کے بیچ میں معلق ہو عظیم و پر جلال، بے پناہ حسین۔ یہ پہاڑ کسی لافانی قوت کا مظہر تھا۔ مستقر کے باشندے اس پہاڑ کو "انگشت خدا" کہتے ہیں اور اس وقت وہ پہاڑ مجھے لافانی سکون کا مقام نظر آیا۔۔ ایسا سکون جو اس دنیا میں کبھی میسر نہیں آسکتا اور دفعتاً مجھے کسی نظم کا ایک مصرع یاد آیا۔

"ہر حسین چیز ایک لافانی مسرت ہے"

کئی مرتبہ یہ مصرع میں نے پڑھا ہوگا لیکن اس کا مطلب میں نے اس وقت سمجھا، میں مسحور ہو گیا۔

"یہ میری عادت رہی ہے کہ اپنی مسرتوں میں میں دوسروں کو بھی شامل کر لیتا ہوں۔ چنانچہ میں بھاگا بھاگا گیا اور اس بوڑھے وحشی اسلوپوگاس کو بلا کر وہ مسحور کن نظارہ دکھایا وہ کچھ دیر تک اس نظارے کو دیکھتا رہا اور پھر اپنے شاعرانہ خیالات کا اظہار یوں کیا۔

"میکو میزن۔ اگر کوئی شخص ہزاروں سال تک بیٹھا اس نظارے کو دیکھتا رہے تب بھی اسے سیری نہ ہو" اور پھر دفعتہً اس کے شاعرانہ خیالات کہیں کوچ کر گئے۔ میری دلی خواہش ہے کہ مرنے کے بعد میری روح کلہاڑا لئے اس برف پوش پہاڑ پر جا بیٹھے۔ وہ ہوا کے ساتھ پھسلتی ہوئی نیچے آئے اور

پھر زوں سے واپس اوپر جائے اور پھر وہاں بیٹھ کر وہ قتل کرنا شروع کرے دے دنادن، دنادان، بس قتل کرتی چلی جائے۔"

"کسے قتل کرے، بوڑھے خونریز؟" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

اس سوال نے اسے گھڑی بھر کے لئے چکرا دیا۔ کچھ دیر پہاڑ کی طرف وہ گھورتا رہا اور پھر اس نے جواب دیا۔

"دوسری روحوں کو قتل کرے، اور کیا۔"

"تو تم مرنے کے بعد بھی خون کرتے رہو گے۔ ہے نا؟"

"میکو میزن یہ تم نے کیا کہا، میں خون نہیں کرتا۔" اس نے گرم ہوتے ہوئے کہا۔ "میں میدان جنگ میں اپنے دشمنوں کو للکار کر ان کے سامنے جاتا ہوں، ان سے جنگ کرتا ہوں۔ یہ بھلا خون کرنا ہوا؟ انسان پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ مارا جائے، لیکن بہادروں کی طرح، یوں مرنے کو تو ایک چوہا بھی مر جاتا ہے۔ وہ شخص جو خونریز نہیں، جنگ سے بھاگتا ہے، وہ مرد نہیں عورت ہے وہ لوگ جو اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کرتے غلام بنائے جاتے ہیں لیکن جو جنگ کرتا ہے ہر وقت آزاد رہتا ہے۔ میں بھی اپنی آزادی کی خاطر میدان جنگ میں اپنے دشمنوں کے سر اڑاتا رہتا ہوں اور مرنے کے بعد بھی میری روح اپنی دشمن روحوں سے جنگ کرے گی۔"

بے ساختہ میرے منہ سے ایک قہقہہ چھوٹ پڑا اور وہ خوامخواہ ذرا ولوا اپنا کلہاڑا ہلاتا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ایک طرف چل دیا۔

صبح مسٹر میکنزی نے مستقر کے چند باشندوں کو ساتھیوں کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ انہوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ وہ مستقر کے ارد گرد پندرہ پندرہ میل تک چکر لگا آئے لیکن ساتھیوں کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ان کا خیال تھا کہ

مسافر ہمارا اتنا قرب چھوڑ کر جہاں سے آئے تھے وہاں واپس لوٹ گئے۔ ہم نے اور مسٹر میکنزی نے اطمینان کی سانس لی۔ ہم سب اس نتیجہ پر پہونچے کہ جب ہم صحیح سلامت مستقر تک پہونچ گئے تو سانی یہ سمجھ کر کہ اب ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔ واپس لوٹ گئے لیکن ہمارا یہ خیال کتنا غلط تھا۔ وہ آنے والے واقعات سے معلوم ہوجائے گا۔

جاسوسوں کے رخصت ہونے کے بعد ہم نے بھی مسٹر میکنزی اور ان کی صاحبزادی مس فلوسی کو شب بخیر کہا اور آرام کرنے کے لئے اپنے کمروں کی طرف چل دیئے۔ ابھی ہم اپنے بستروں پر بیٹھے بھی نہ تھے کہ پستہ قد فرانسیسی ایلفو ہماری ملاقات کو تشریف لائے۔ ہنری بڑی شستہ فرانسیسی میں بات چیت کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے تو ایک بلند بانگ نعرے سے ایلفو کا استقبال کیا اور پھر ہرا پھرا کر فرانسیسی سے پوچھا کہ وہ یہاں کیسے آگیا؟ اس نے اپنا وطن کیوں چھوڑا؟ وغیرہ۔ کافی پس و پیش کے بعد ایلفونسے نے اپنی داستانِ حیات یوں سنانی شروع کی۔

"صاحبان میرے دادا نپولین کی فوج میں افسر تھے ماسکو کی خوفناک جنگ میں جو لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے ہیں ان میں دادا جان کا نمبر پہلا ہے۔ اور جناب ماسکو سے بھاگنے کے بعد وہ مسلسل دس روز تک ننگے پیر چلتے رہے لیکن وہ بہت نازک مزاج واقع ہوئے تھے۔ اور ننگے پیر چلنا ان کی طبیعت کے خلاف تھا چنانچہ ایک روز موقع پا کر انہوں نے اپنے ساتھی کے چرمی پائتابے چرا لئے اور پھر اس سے کام چلاتے رہے۔ دادا جان شراب کے عادی تھے ہر وقت نشے میں رہتے تھے اور جب انتقال فرمایا ہے تو اس وقت بھی نشے میں تھے بھلا جو شخص دنیاوی شہنشاہوں کے سامنے نشے میں

جاتا ہو وہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ خدا کے حضور بغیر بجے جائے؟ مجھے ابھی طرح سے یاد ہے کہ ان کے جنازے کے آگے ہم ڈھول بجا رہا تھا اور یوں ڈھول بجاتے ہوئے ہم انھیں قبرستان تک لے گئے۔ میرے والد بزرگوار"

اور یہاں ہم نے ایلفونسے کو ٹوک دیا کہ وہ اپنے اجداد کی تاریخ چھوڑ کر صرف اپنے حالات بیان کرے۔

"جیسی آپ کی مرضی۔" اس مسخرے بونے نے بڑی انکساری سے اپنا سر خم کرتے ہوئے کہا: "میں تو صرف دلائل و براہین کے ذریعہ یہ بات ثابت کرنا چاہتا تھا کہ سپہ گری کسی کو ورثہ میں نہیں ملتی۔ خیر۔ لیکن افوہ۔ کیا تھے دادا جان بھی خدا کی قسم چھ فٹ تین انچ قد تھا ان کا۔ یہ تاڑ کے تاڑ اور سینہ یہ پھیلا ہوا چکی کے پاٹ ایسا۔ کھلے شیر ایسے، ادھر ہو آگ اور خون سے کھیلتے ہوئے ان کی زندگی گزری۔ اور صاحب ان کی مونچھیں ہا! افوہ دور دور تک مشہور تھیں وہ۔ لوگ میلوں سے پیدل چل کر صرف ان کی مونچھیں دیکھنے آتے تھے۔ اگر کہیں دادا جان نے ٹکٹ لگا دیا ہوتا تو ہزاروں کی آمدنی ہوتی اور ان کی مونچھوں کے طفیل آج میں عیش کرتا۔ ہائے ہائے ادھو، کیا مونچھیں تھیں لیکن افسوس صرف ان کی مونچھیں ہی مجھے ورثہ میں ملیں۔ روپیہ پیسہ کچھ نہیں۔"

ایلفونسے ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا اور کچھ دیر تک اپنی مونچھوں کو مروڑتا اور دادا جان کے حق میں دعائے خیر کرتا رہا۔ "موسیو۔ دادا جان سپاہی تھے اور میں باورچی ہوں۔ مارسیلز میں پیدا ہوا وہیں میں نے آنکھ کھولی اس کی گلیوں میں میرا بچپن گزرا اور وہیں میں نے جوانی کی وادی میں قدم رکھا۔ کئی سال تک ایک گھٹیا ہوٹل میں رکابیاں

صاف کرتا رہا۔ آہ کیا سنہرے دن تھے وہ بھی! میں چونکہ فرانسیسی ہوں اور فرانسیسی۔ اس لئے شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ حسن پرستی میری گھٹی میں پڑی ہے۔ صاحب بچپن میں بھی میں حسین ترین لڑکی انتخاب کر کے اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ جناب بات یہ ہے کہ باغ میں ہزاروں پھول ہوتے ہیں ہم ہر پھول کی تعریف کرتے ہیں لیکن توڑتے صرف ایک ہی ہیں یعنی وہ جو پھولوں میں منتخب ہو۔ میں نے بھی ایک حسین ترین پھول توڑا لیکن افسوس اس نے میری انگلیوں کو زخمی کر دیا۔ ہوٹل کی نوادر بھی وہ "اینا تے" یہ اس کا نام تھا۔ ہا کتنا کتنا پیارا نام ہے۔ اینا تے۔ جیسے کوئی منہ میں گنے کا میٹھا میٹھا رس نچوڑ رہا ہو۔ پھول مثل اور ریشما سب بدن۔ فرشتوں ایسا معصوم چہرہ لیکن اس کا دل؟ ہائے۔ افسوس۔ مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اس کا دل باٹا کمپنی کے بنے ہوئے اعلیٰ جوتے کے چمڑے ایسا سیاہ تھا اور لچکدار بھی۔

ایلفونسے کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔

"ارے یار۔ یہ کیا عورتوں کی طرح آنسو بہا رہے ہو؟ ایپ یعنی کہ، ہنسو بولو، خوشیاں مناؤ۔ مرد ہو آخر۔" ہنری نے ایلفونسے کی گردن پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

ایلفونسے رونا بند کر کے اپنی گردن سہلانے لگا۔

"مونسیور مجھ سے ہمدردی جتا رہے ہیں۔ دلدہی کر رہے ہیں۔ لیکن آپ کا ہاتھ لوہے ایسا سخت ہے اور آپ کی اس ہمدردی کے طفیل میری گردن درد کر رہی ہے۔ خیر، خیر، تو ہم دونوں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے تھے اور اپنے حال میں مست تھے اور جناب پھر میری قسمت پلٹا

کھاتی ہے۔ ہائے جب مجھے وہ وقت یاد آتا ہے تو میں ذرا آپ کی اجازت سے اپنے آنسو پونچھ لوں۔ ہاں جناب اس وقت فوج میں جبری بھرتی کی جا رہی تھی اسی میں میں بھی پھنس گیا۔ اوہ۔ اوہ۔ آگ لگے ایسی قسمت کو۔ میں نے اینا تے سے محبت کی، میں نے اسے چاہا، تو قسمت میری ان مسرتوں کو برداشت نہ کر سکی۔ لعنت ہو ایسی قسمت پر۔ ہائے، اوہ، میرے پھوٹے کرم۔

آخرکار میرے جانے کی منحوس گھڑی آ گئی۔ میں نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن کمبخت سپاہیوں نے مجھے پکڑ لیا اور صندوق کے کندوں سے مجھے کافی دیر تک پیٹتے رہے اور میں خاموشی سے پٹتا رہا اور میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ میرا ایک بھتیجا تھا خاصی آمدنی تھی اس کی لیکن بے حد بدصورت تھا۔ وہ مجھ سے ملنے آیا اور میرے پٹنے کا حال دیر تک سن کر رنج و غم کا اظہار کرتا رہا۔ "میرے پیارے بھتیجے۔" میں نے کہا۔ "میں اپنی اینا تے کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ جب تک کہ میں میدان جنگ میں داد شجاعت دوں اور دشمن کو خاک و خون میں نہلاتا رہوں تب تک تو میری اینا تے کی ہر طرح سے خبرگیری کرتے رہنا۔ میں ہزاروں تمغے اپنے سینے پر آویزاں کئے لوٹوں گا اور اس وقت اینا تے کو تجھ سے لوں گا۔ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اگر اسے میری یاد ستائے تو اسے تسلی دینا پورے طور پر اس کی خبرگیری کرنا۔"

"آپ اطمینان سے میدان جنگ میں داد شجاعت دیں میں آپ کی معشوقہ کی ہر طرح خبرگیری کرتا رہوں گا۔" اس نالائق نے جواب دیا۔ اور اس نے سچ مچ میری معشوقہ کی خبرگیری کی۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔"

"خیر صاحب تو میں رخصت ہوا۔ کیا واہیات زندگی تھی وہ بھی۔ بڑی تکلیف سے دن گزر رہے تھے۔ جہاں جگہ ملتی سپاہیوں کے ساتھ پڑ رہتا اور نالی کے

گندے پانی ایسا شور بہ پیتا۔ میدان جنگ کے ماحول اور موت کے خوف نے مجھے الگ سراسیمہ کر رکھا تھا۔ او خدا! اگر میں چاہوں تب بھی اس وقت کو نہیں بھلا سکتا۔

ایک صبح ہمارے دستہ کو "نانکوین" کی طرف کوچ کرنے کا حکم ملا۔ جانے سے پہلے میں نے "نانکوین" کے بارے میں ذاتی طور پر تحقیق و تفتیش کی۔ چنانچہ جو کچھ معلوم ہوا وہ برا تھا یعنی کہ معلوم یہ ہوا کہ نانکوین میں وحشی چینی بستے ہیں جو آدمیوں کا پیٹ پھاڑ کر اس میں چاول بھر دیتے ہیں اب صاحب مجھ ایسے گریٹ آدمی کے لئے یہ ضروری ہوا کہ فوراً ہی کوئی فیصلہ کر لے۔ چشم زدن میں میں نے تمام حالات پر غور کر کے فیصلہ کر لیا۔ دنیا کو ابھی میری ضرورت تھی اور میرا پیٹ پھاڑنے کے لئے نہیں بنایا گیا تھا۔ چنانچہ میں بہ یک بینی دوگوش وہاں سے بہادروں کی طرح فرار ہو گیا۔

بوڑھے بھکاری کا روپ دھارن کر کے میں مارسیلز پہونچا اور سیدھا اپنے عزیز بھتیجے کے گھر کا راستہ لیا۔ شاہ دانے کا موسم تھا۔ میرے بھتیجے کے کھیت میں خوب خوب شاہ دانے پیدا ہوئے تھے۔ باورچی خانے میں میرا بھتیجہ اور میری پیاری اینا تے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے شاہ دانے کے ڈھیر تھے اور وہ ایک مزیدار کھیل میں مشغول تھے۔ کھیل ایسا تھا کہ پہلے میرا بھتیجا ایک دانہ اپنے منھ میں رکھتا اور اینا تے آگے جھک کر اپنے ہونٹوں سے بھتیجے کے منھ سے دانا اٹھا لیتی پھر وہ اپنے منہ میں دانا رکھتی اور میرا بھتیجہ آگے کی طرف جھکتا۔ یہاں تک کہ دونوں کے ہونٹ آپس میں مل جاتے۔ کچھ دیر تک میں بڑی دلچسپی سے یہ کھیل دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس طرح بہانے بہانے وہ ایک دوسرے

کا بوسہ لے رہے تھے۔ اس حقیقت کا مجھ پر واضح ہونا تھا کہ میں مارے غصہ کے دیوانہ ہو گیا۔ میرے دادا جان کا بہادرانہ خون میری رگوں میں کھولنے لگا سوں ساں سوں ساں۔ اور میری رگ حمیت پھڑکنے لگی۔ دھڑاک دھم، دھڑاک دھم"۔

میں توپ کے گولے کی طرح باورچی خانے میں جا گھسا۔ چونکہ میں بھکاری کے بھیس میں تھا میرے پاس فقیر کا ڈنڈا بھی تھا۔ بلا سوچے سمجھے میں نے وہ ڈنڈا گھما کر اپنے ناخلف بھتیجے کی کھوپڑی پر اس زور سے رسید کیا کہ تڑاخ کی آواز آئی اور چکرا کر دھم سے فرش پر گرا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حقیقت میں میں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اینا آتے بری طرح سے چیخنے چلانے لگی بدکاری کتے آگئے میں بھاگا۔ بندرگاہ پر پہونچا اور ایک جہاز میں چھپ گیا۔ جہاز چل پڑا۔ جہاز کے کپتان نے مجھے پا لیا۔ اب جناب میری قسمت میں اس کپتان کے بھی گھونسے اور لاتیں برداشت کرنا لکھا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی حسب توفیق مجھے پیٹا اور پولیس کو میری موجودگی کی اطلاع دی لیکن اس نے مجھے کسی بندرگاہ پر اتارا نہیں کیونکہ میں کھانا بڑا لذیذ پکاتا تھا۔ چنانچہ صاحبان میں اس تندخو کپتان کے لئے زنجبار تک کھانا پکاتا رہا۔ زنجبار پہونچ کر جب میں نے کپتان سے اجرت طلب کی تو اس نے میرے کولہوں پر ایک زوردار لات جما کر مجھے نکال باہر کیا۔ میں زنجبار میں آوارہ کتوں کی طرح گھوم رہا تھا کہ مقامی پولیس کو برقی تار کے ذریعہ اطلاع دی گئی کہ میں قتل کر کے بھاگا ہوں اس لئے فوراً گرفتار کر لیا جاؤں۔ لعنت ہے اس شخص پر جس نے برقی تار ایجاد کیا۔ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے سدا۔ میں مرتے دم تک اس ملعون پر لعنت بھیجتا رہوں گا۔ چنانچہ جناب میں گرفتار ہوا لیکن جیل سے بھاگ نکلا۔ ایک مدّت تک میں گمنامی کی حالت میں

بھٹکتا رہا کہ مسٹر میکنزی کے آدمی مجھے مل گئے اور میں ان کے ساتھ یہاں چلا آیا۔ مجھے یہ جگہ پسند نہیں لیکن میں فرانس واپس جانا نہیں چاہتا۔ پھانسی پر لٹکنے کے بجائے یہی بہتر ہے کہ میں ان ویرانوں میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر زندہ رہوں۔"

ایلفونسے خاموش ہو گیا۔ ہم نے ہنسی ضبط کرنے کے لئے اپنے منہ دوسری طرف پھیر لئے۔ یہاں تک کہ ہماری آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

"آہ، صاحبان آپ رو رہے ہیں؟ حقیقت میں بڑی غمناک داستان ہے میری۔" ایلفونسے نے پھسک پھسک کر روتے ہوئے کہا۔

"ہاں بے حد غمناک۔" ہنری نے جواب دیا۔ "اور اب میرا خیال ہے چل کر سویا جائے۔ مارے تھکن کے میرے بدن کا جوڑ جوڑ درد کر رہا ہے۔ اور گزشتہ رات ہم اس پتھریلے ٹاپو پر... زیادہ آرام سے سو نہ سکے اس کے علاوہ ایلفونسے کی غمناک داستان کے سبب دل بے حد اداس ہو گیا ہے۔"

ایلفونسے نے مشکور نظروں سے ہنری کی طرف دیکھا اور ہم ہنستے ہوئے اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو گئے۔

صبح اٹھا تو فلوسی غائب تھی۔ میں نے اس کے بارے میں مسز میکنزی سے دریافت کیا۔

"آج صبح" مسز میکنزی نے کہا "جب میں اپنے کمرے سے باہر آئی تو دروازے پر ایک چٹھی پڑی ہوئی ملی۔ اس میں لکھا تھا لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ خود اس چٹھی کو

پڑھ لیں۔" اور اس نے کاغذ کا ایک مڑا تڑا ٹکڑا میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔
میں نے کاغذ کھول کر دیکھا تو اس پر مندرجۂ ذیل تحریر تھی۔

"پیاری اماں۔

پو پھٹ چکی ہے اور میں مسٹر کوانٹرمین کے لئے "گویا" پھول کا ایک نمونہ لینے پہاڑوں کی طرف جارہی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ سفید گدھا میں لئے جارہی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں چند لڑکوں کو بھی لے لیا ہے۔ ممکن ہے مجھے دن بھر باہر رہنا پڑے اس لئے کچھ کھانے کی چیزیں بھی لئے جارہی ہوں۔ آپ کھانے پر میرا انتظار نہ کریں۔ کیونکہ میں پھول حاصل کر کے ہی لوٹوں گی چاہے اس کے لئے مجھے بیس میل دور تک ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

"فلوسی"

"خدا کرے کہ فلوسی صحیح سلامت لوٹ آئے۔" میں نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا۔
"بخدا میرا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ میرے لئے پھول لا ہی دے۔ میں نے تو ویسے ہی پوچھا۔"
"فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بڑی ہوشیار لڑکی ہے فلوسی اور اپنی حفاظت آپ کر سکتی ہے۔" مسٹر میکنزی نے کہا۔ "یہ پہلا موقع نہیں ہے کئی مرتبہ وہ سارا سارا دن غائب رہی ہے۔"

ناشتہ کر چکے تو میں نے مسٹر میکنزی کو ایک طرف لے جا کر ان سے پوچھا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ فلوسی کے تعاقب میں آدمی دوڑائے جائیں اور اسے واپس بلایا جائے پھر میں نے اندیشہ ظاہر کیا کہیں ایسا نہ ہو کہ فلوسی عسائیوں کے ہاتھ میں پڑ جائے۔

"نہیں اب بھاگ دوڑ بیکار ہو گی۔" مسٹر میکنزی نے جواب دیا۔ "فلوسی اس وقت تک پندرہ میل دور پہونچ چکی ہو گی اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس راستہ سے گئی ہے۔"

مسٹر میکنزی نے پہاڑیوں کے ایک سلسلہ کی طرف اشارہ کیا جو ٹانا ندی کے متوازی دور تک چلا گیا تھا۔ مستقر سے کوئی پانچ میل کے فاصلے سے اور گنجان جھاڑیوں کے جنگل سے ڈھلواں میدان شروع ہو کر بتدریج بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ یہ میدان پہاڑیوں کی چوٹیوں پر جا کر ختم ہوتا تھا۔

اس وقت میں نے تجویز پیش کی کہ ہم دوربین لے کر درخت پر چڑھ جائیں ممکن ہے کہیں فلوسی نظر آجائے۔ اس تجویز کو متفقہ طور پر سب نے پسند کیا۔ درخت پر چڑھنے سے پہلے مسٹر میکنزی نے چند آدمیوں کو ہدایت دے کر مختلف سمتوں میں فلوسی کی تلاش میں روانہ کیا۔ درخت سے رسوں کا زینہ لٹک رہا تھا لیکن یہ میرے بس کا روگ نہ تھا چنانچہ مجھے درخت پر چڑھنے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ البتہ گڈ بندر کی طرح بڑی پھرتی سے چڑھ گیا درخت کے تنے سے جہاں ٹہنیاں پھوٹی تھیں دو ٹہنیوں کے بیچ میں کیلوں سے تختے جوڑ کر مچان سا بنا دیا گیا تھا۔ مچان اس قدر فراخ تھا کہ بہ یک وقت درجن بھر آدمی بڑی آسانی سے اس پر بیٹھ سکتے تھے۔ ہم مچان پر جا بیٹھے چاروں طرف جیسے خوبصورت مناظر کی تصویریں بچھی ہوئی تھیں۔ حد نگاہ تک گنجان جھاڑیوں اور بلند درختوں کا سلسلہ چلا گیا تھا اور ان کے بیچ میں کہیں کہیں سیاہ باشندوں کے کھیت پانی سے بھرے ہوئے تالابوں ایسے نظر آرہے تھے۔ ایک طرف کوہ کینیا سر بلند کئے گویا پستیوں کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ دور بہت دور جنگلی جانوروں کا ایک گروہ ایک جنگل میں سے نکل کر دوسرے جنگل میں داخل ہو رہا تھا۔ جھلونوں ایسے لاتعداد بندر گروہ در گروہ زمین پر اچھل کود مچا رہے تھے اور سامنے ہی ٹانا ندی بل کھاتے ہوئے سیمابی سانپ ایسی معلوم ہو رہی تھی۔

ہم دیر تک درخت پر بیٹھے رہے۔ بین کی مدد سے فلوسی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ کہیں نظر نہ آئے چنانچہ ہم اداس دل لئے درخت سے اتر آئے۔ برآمدے میں پہونچے تو دیکھا کہ امسلوپوگاس بڑے انہماک سے اپنے کلہاڑے کو صاف کر رہا تھا۔

"کیا کر رہے ہو امسلوپوگاس؟" میں نے یونہی پوچھا۔

"میں سونگھ رہا ہوں، میکومیزن سونگھ رہا ہوں۔" امسلوپوگاس نے اپنی چپٹی ناک بلند کر کے ہوا میں "سوں سوں" کرتے ہوئے کہا۔

"کیا سونگھ رہے ہو؟ بے وقوف۔"

"بو، خون کی بو۔" وہ خاموش ہو گیا اور باوجود کوشش کے میں اس سے کچھ اور نہ اگلوا سکا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد ہم پھر درخت پر جا چڑھے اور دوربین کی مدد سے کافی دیر تک دور دور تک نظر دوڑاتے رہے لیکن نتیجہ وہی صفر رہا۔ واپس آئے تو امسلوپوگاس کو بدستور انکوسی کاس کی دھار تیز کرتے ہوئے پایا حالانکہ وہ استرے ایسی تیز تھی۔ امسلوپوگاس کے سامنے ایلفونسے کھڑا حیرت اور خوف سے امسلوپوگاس اور اس کے کلہاڑے کو دیکھ رہا تھا۔ طویل القامت زولو کے چہرے کے پٹھے تن گئے پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ آنکھیں پھیل گئی تھیں اور وہ خونخوار بھیڑیے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔

"اوہ، دیو ہے یہ تو، سچ سچ، اوہ، بھیانک، خونخوار، دیو۔" ایلفونسے نے حیرانی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کے ماتھے کا سوراخ اور اس کی جلد تو نوزائیدہ بچے کی جلد ایسی ڈھیلی ڈھیلی ہے۔ لیکن ایسے بدصورت بچے کی پرورش بھلا کون کرے گا؟"

اور ایلفونسے اپنے لطیفے پر خود ہی بے ساختہ ہنس پڑا۔ اسلوپوگاس نے گردن اٹھا کر پستہ قد فرانسیسی کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"یہ پستہ قد بچھیا کیا بک رہی ہے؟ (یہ لقب اسلوپوگاس نے ایلفونسے کو اس کی مونچھوں اور عورتوں کے سے نازک خدوخال کے سبب دیا تھا) اس سے کہو ہوشیار رہے ورنہ میں اس کے سینگ اڑادوں گا۔"

بدقسمتی سے ایلفونسے اپنی ہنسی پر قابو حاصل نہ کر سکا وہ ہنستا رہا یہاں تک کہ کر سے دوہرا ہو گیا۔ میں ایلفونسے کو سمجھانے ہی والا تھا کہ دیو قامت زولو ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس کا خوفناک کلہاڑا بڑی تیزی سے ایلفونسے کے سر پر گھومنے لگا۔ "سوں سان، سوسان۔"

"ایلفونسے جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔" میں چلایا۔ "اگر تم ذرا بھی ہلے تو تمہارا خاتمہ ہے۔"

ایلفونسے نے میری بات سنی ہی نہیں لیکن مارے خوف کے اس پر ایسا سکتہ طاری ہوا کہ وہ اپنی جگہ پر بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

اور یہیں کلہاڑے بازی کا ایک انوکھا اور انوکھا کرتب دیکھنے کا موقع ملا۔

کلہاڑا ایلفونسے کے سر پر اس زور سے گھوم رہا تھا کہ پستہ قد فرانسیسی کے سر پر بجائے کلہاڑے کے ایک سیمیں دائرہ لحہ بہ لمحہ خوفزدہ فرانسیسی کے سر کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ قریب۔ قریب۔ اور قریب۔ اور اب دائرہ اس کے بالوں کو چھوتا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے جسم سے صرف آٹھ انچ دور لیکن اسے خراش تک پہونچائے بغیر، اوپر سے نیچے، نیچے سے اوپر پستہ قد فرانسیسی آنکھیں بند کئے سنگی مجسمے کی طرح کھڑا تھا اور کلہاڑا اس کے سر سے پیر تک اور پھر پیر سے سر تک چڑھتا اترتا رہا تھا۔ ایک دو منٹ تک یہی ہوتا رہا کہ

دفعتہً کلہاڑے نے ایلفونسے کے چہرے کا رخ کیا اور اس کی ناک پر پہونچ کر ایک دم سے کلہاڑے کی گردش تھم گئی اور ساتھ ہی اس کے چہرے سے کوئی چیز ٹپ سے فرش پر گری۔ یہ ایلفونسے کی ایک طرف کی مونچھ کی نوک تھی۔

اسلوپوگاس نے اپنا کلہاڑا زمین پر ٹیکا۔ وہ اس پر جھکا اور پہاڑی ندی جیسا بھیانک قہقہہ اس کے منھ سے پھوٹ پڑا۔ ادھر ایلفونسے کئی قدم پیچھے ہٹا اور ڈگمگا کر دھم سے چت گرا۔ اور ہم اسلوپوگاس کی اس مہارت میں ششدر رہ گئے

"واہ انکوسی کاس کی دھار خوب ہو چکی ہے"۔ اسلوپوگاس خوشی سے چلایا۔

"جو کلہاڑا بھیا کی لنگوٹی اڑا سکتا ہے اسے بھلا دشمنوں کی کھوپڑی پھاڑنے میں کیا مشکل پیش آسکتی ہے۔ کلہاڑے کا مجھ ایسا استاد شاید کہیں نہیں مل سکتا۔ جو میں کر سکتا ہوں وہ کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں اور بھیا اب شاید تم سمجھ گئے ہوگے کہ میرا مذاق اڑانا اچھا نہیں۔ چند لمحے ایسے تھے جبکہ تم میں اور موت میں کوئی فاصلہ نہیں رہ گیا تھا اگر میں چاہتا تو میں تمہیں اس سے ہم آغوش کرا سکتا تھا لیکن میں نے پہلے سوچا کہ تمہیں سبق دے دوں۔ اب اگر تم میں عقل کا ذرا بھی مادہ ہے تو تم کبھی میری ہنسی نہیں اڑاؤ گے۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بے قابو ہو کر تمہیں موت سے ہم آغوش کر دوں۔

"اسلوپوگاس کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟" میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "بیس مرتبہ تو تیرا کلہاڑا ایلفونسے کے جسم کے اتنے قریب پہونچ گیا کہ میں سمجھا کہ اس غریب کا خاتمہ ہو گیا۔ بیوقوف۔ تیرے لئے تو یہ ایک مذاق ہے اور اس غریب کی جان پر بنی ہوئی تھی۔"

"میکومیزن تم ٹھیک کہتے ہو۔ بیس مرتبہ میرا کلہاڑا بھیا کے جسم کو چھو گیا لیکن سچ کہنا اس کے جسم پر خراش تک نظر آتی ہے؟ یہی تو میرا کمال ہے۔ کئی مرتبہ

مجھے خیال آیا کہ پستہ قد فرانسیسی کی گردن اڑا دوں لیکن میں نے کہا کہ نہیں یہ تو صرف دل لگی ہے لیکن میکو میزن بھیا سے کہہ دو کہ آئندہ سے مجھ پر نہ ہنسے ورنہ اس کے حق میں برا ہوگا۔ آہا۔ میں خون کی بو سونگھ رہا ہوں۔ میکو میزن یقین کرو میں فضاؤں میں خون کی بو پا رہا ہوں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جس میدان میں جنگ ہونے والی ہوتی ہے وہاں کئی روز پہلے سے گدھ منڈلانے لگتے ہیں۔ وہ موت کی بو پا لیتے ہیں۔ میری قوتِ شامہ ان گدھوں سے بھی تیز ہے۔ اس جگہ خون بہے گا۔ سرخ خون۔ میں سونگھ سکتا ہوں۔ میکو میزن تیار ہو جاؤ۔ اچھا میں تو تیار ہو ہی جاؤں۔ ٹیلے کے نیچے بیل کی خشک کھال پڑی ہوئی ہے میں اسکی ڈھال بنانے جا رہا ہوں۔ خون۔ خون۔ خون کی ندیاں۔ سرخ۔ سرخ خون۔"

امسلوپوگاس پر جیسے جنون کا دورہ پڑ گیا۔ وہ "خون۔ خون۔" بڑبڑاتا اور انگوسی کا سر ہلاتا برآمدے سے اتر کر باغ میں چلا گیا۔

"آپ کا یہ ملازم تو بالکل ہی وحشی ہے۔" مسٹر میکنزی نے امسلوپوگاس کی پیشنگوئی سے قدرے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "دیکھیے الیفونسے کتنا سہما ہوا ہے الیفونسے کاغذ ایسا سفید چہرہ لئے گردن جھکائے یوں آہستہ آہستہ کمرے کی طرف جا رہا تھا جیسے اس کے پاس چوری کا مال ہو۔

"شاید اب کبھی الیفونسے اس وحشی زولو کا مذاق اڑانے کی ہمت نہیں کرے گا۔" مسٹر میکنزی نے کہا۔

"امسلوپوگاس سے ہنسی مذاق کرنا بڑے خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کا غصہ پٹرول ایسا ہے جو ایک دم سے آگ پکڑ لیتا ہے اور پھر اسے اپنے پرائے کا ہوش نہیں رہتا۔ لیکن مجھے کہنے دیجئے کہ اس عیب کے باوجود امسلوپوگاس نہایت مخلص اور وفادار ہے اور اس کے سینے میں جو

دل دھڑک رہا ہے وہ رحم کے جذبات سے پر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بیوہ کا بچہ سخت بیمار تھا تو اسی زولو نے ہفتوں اس کی تیمارداری کی تھی چوبیس گھنٹوں میں شاید دو چار گھنٹے ہی وہ آرام کرتا تھا نہ تو اسے نیند کی فکر تھی اور نہ کھانے پینے کی بس فکر تھی تو ایک کہ کسی صورت بچہ تندرست ہو جائے۔ عجیب وغریب کردار ہے اس کا۔ وہ ایک ایسی لاٹھی ہے جس پر مصائب میں آپ بھروسہ کر سکتے ہیں اور جو خطرات میں آپ کا بچاؤ کر سکتی ہے۔ چونکہ وہ اپنے قبیلے کا سردار رہ چکا ہے اس لئے اب تک اس میں غرور وتکبر کا مادہ موجود ہے۔

وہ کہتا ہے کہ اسے خون کی بو آرہی ہے۔" مسٹر میکنزی نے کہا۔" خدا کرے کہ اس کا یہ اندازہ غلط ہو۔ مجھے فلوسی کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی ہے۔ کافی دیر ہو گئی اسے گئے ہوئے۔ دوپہر ڈھل چکی ہے۔ او خدا۔ اب تک اسے لوٹ آنا چاہئے تھا۔ یسوع مسیح اسے اپنی حفاظت میں رکھیں۔"

" فکر کی کوئی بات نہیں وہ اپنے ساتھ کھانا لے کر گئی ہے۔ ممکن ہے کہیں دور نکل گئی ہو اور اسی لئے اسے واپس آنے میں دیر ہو گئی ہو۔ یقیناً ہے کہ شام تک واپس آجائے گی۔" میں نے کہا۔" لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں خود از حد فکر مند تھا اور لاتعداد الٹے سیدھے اندیشے میرے دماغ میں سنپولوں کی طرح رینگ رہے تھے۔

مسٹر میکنزی نے جن لوگوں کو فلوسی کی تلاش میں روانہ کیا تھا۔ وہ واپس آگئے۔

وہ لوگ گدھے کے کھروں کے نشانات کے سہارے چلتے ہوئے پتھریلی زمین تک پہونچ گئے۔ انھوں نے کہا۔" اور وہاں سے پھر کوئی سراغ نہ ملا کہ فلوسی کس طرف گئی تھی۔ نشانات غائب تھے۔ چنانچہ وہ اٹکل پچو ایک طرف چل پڑے۔

اور کئی میل کا چکر لگا کر واپس آئے۔ فلوسی کا کوئی پتہ نہ تھا اور نہ ہی انھیں ایسے نشانات ملے جن سے پتہ چلتا کہ فلوسی نے وہاں قیام کیا ہو گا یا وہاں سے گذری ہو گی۔

وقت گزرتا گیا دل پر اداسی طاری ہوتی گئی۔ فلوسی اب تک واپس نہ آئی تھی۔ مادہ کے اضطراب کے ہماری حالت غیر ہو رہی تھی۔ غریب ماں کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل ہے اس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک باقی نہ ہو۔ اس کے ہاتھ پیر صد سالہ بڑھیا کی طرح کانپ رہے تھے۔ آنکھوں سے رنج و غم ٹپک رہے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ پل بھر میں پاگل ہوا چاہتی ہے لیکن باپ اب تک اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا حالانکہ اضطراب دافکار اس کے چہرے سے مترشح تھا۔ جو کچھ ہو سکتا تھا وہ کیا جا رہا تھا۔ ہر سمت میں آدمی دوڑائے جا رہے تھے۔ ہوا میں فیر کیے جا رہے تھے۔ بار بار درخت پر چڑھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی جا رہی تھی۔

دن ڈھلا۔ درختوں کے سائے لانبے اور اداس ہو گئے۔ سورج کا گھومتا ہوا آتشی گولا مغربی افق کی پہاڑیوں کی اوٹ میں جا چھپا۔ بے پناہ تاریکی زمین پر رینگ آئی۔ دور گیدڑ چلانے لگے۔ ٹیلے کے قدموں میں کوئی بھولی بھٹکی لومڑی جیسے ماتم کرنے لگی۔ تاریکی گہری ہوتی گئی۔

اور فلوسی کا اب تک کوئی پتہ نہ تھا۔

آٹھ بجے رات کا کھانا کھایا گیا۔ مسٹر میکنزی کھانے پر حاضر تھے۔ ہم تینوں بھی بے حد اداس اور مضطرب تھے اور یہ خیال کہ ہمارے میزبان کو ہماری وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔

کھا چکنے کے بعد میں کوئی بہانہ کر کے اٹھا۔ میں تنہائی میں یکسوئی سے تمام

معاملات پہ غور کرنا چاہتا تھا۔ میں نے برآمدے میں آکر اپنا پائپ جلایا اور ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ میرے بالکل سامنے وہ دروازہ تھا جو مسٹر میکنزی کے مکانات اور باغ کے گرداگرد بنی ہوئی فصیل میں بنایا گیا تھا۔

چھ سات منٹ ہی گزرے تھے کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بڑی آہستگی سے فصیل کا دروازہ کھولا۔ میں چونکا بڑے غور سے دروازے کی طرف دیکھا لیکن نہ تو مجھے کچھ نظر آیا اور نہ ہی کوئی آواز سنائی دی میں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ واہمہ ہوگا۔

ایک منٹ، دو منٹ۔

اور یکلخت کوئی گول گول وزنی چیز برآمدے کے فرش پر "دھمد" سے گری اور گیند کی طرح لڑھکتی ہوئی میرے بالکل قریب سے نکل کر دور تک چلی گئی۔ میں اپنی جگہ پر جما رہا اور حیران تھا کہ یہ کیا بلا ہے؟ میں نے سوچا کوئی جنگلی جانور وغیرہ ہوگا لیکن دوسرے ہی لمحہ ایک بھیانک خیال کی وجہ سے میں بڑبڑا کر اٹھا۔ وزنی چیز لڑھکتی ہوئی میری پشت کی طرف چلی گئی تھی اور اب بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے گیند نما چیز کی طرف ہاتھ ہلا کر شش کارا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ یقیناً کوئی جانور نہ تھا۔ میں آگے بڑھا اور جھک کر اسے چھوا۔ میرا ہاتھ کسی گرم، وزنی اور نرم چیز پر پڑا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا مصیبت ہے۔ چنانچہ میں نے اس کو اٹھایا اور برآمدے کے اس حصہ کی طرف جہاں کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے کچھ روشنی آرہی تھی۔ میں نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اس چیز کو روشنی میں دیکھا اور میرے منھ سے بے اختیار ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

وہ کسی مرد کا سر تھا۔

میں زمانے کا سرد و گرم چکھے ہوئے ہوں اور لاتعداد حادثات نے مجھے سخت دل بھی بنا دیا ہے لیکن اس کو اپنے ہاتھ میں دیکھ کر میں لڑکھڑا گیا

"یہ یہاں کیسے آگیا۔" میں نے سوچا۔ سر شاید چند گھنٹوں پہلے ہی کسی کے کاندھوں پر موجود تھا کیونکہ اب تک اس کی گردن سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں کس بدنصیب کا سر ہے یہ اور یہاں کیسے آگیا۔

میں نے سر کو وہیں پھینکا اور تیزی سے فصیل میں بنے ہوئے دروازے کی طرف بھاگا۔ دروازہ بند تھا۔ فصیل سے باہر کوئی نہ تھا اور سوائے ہوا کی سنسناہٹ کے اور کوئی آواز بھی سنائی نہ دے رہی تھی۔ میں دروازے سے باہر نکل کر کچھ دور تک شوق تحقیق میں جانے ہی والا تھا کہ خیال آیا کہ ایسا کرنا حماقت ہے۔ ممکن ہے کہیں آس پاس کوئی دشمن چھپا ہوا ہو جو موقع غنیمت جان کر میری پیٹھ میں خنجر گھونپ دے۔ چنانچہ میں نے دروازہ بند کیا چٹخنی لگائی اور واپس برآمدے میں آگیا۔

میں نے جتنا بھی ممکن ہوا اتنا اپنے حواس پر قابو پا کر ہنری کو مطمئن آواز دی لیکن شاید میری آواز خوف و ہراس سے کانپ رہی تھی۔ شاید خطرے کی گھنٹی تھی وہ کیونکہ نہ صرف ہنری بلکہ مسٹر میکنزی بھی ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے میرے قریب آکھڑے ہوئے۔

"کیا بات ہے؟" مسٹر میکنزی نے پوچھا۔

میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

ایک دم سے مسٹر میکنزی کی سرخ رنگت پر زردی غالب آگئی۔ انھوں نے کانپتے ہاتھوں سے سر اٹھایا۔

"ارے" وہ چونکے: "یہ تو فلوسی کے ساتھی کا سر ہے۔ او خدایا۔"
ہم ایک سناٹے کے عالم میں کھڑے بیوقوفوں کی طرح ایک دوسرے کی صورت تک رہے تھے۔ یہ برا ہوا۔ اب کیا کیا جائے؟ میں نے خجالت سے اپنی گردن جھکالی جیسے اس قتل کا باعث میں ہی ہوں۔ دل میں ایک ہڑ مچا ہوا تھا اور جی چاہتا تھا کہ مسٹر میکنزی کے قدموں سے لپٹ کر خوب روؤں۔
"اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہو؟" کوئی میرے کانوں میں چلا رہا تھا۔ کوئی میرا دل اپنی مٹھی میں بھینچ رہا تھا: "او خدا۔ فلوسی کی حفاظت کیجیو"۔
یکلخت فصیل والے دروازے پہ جسے میں نے مضبوطی سے بند کیا تھا کوئی مسلسل دستک دینے لگا۔
"مقدس باپ۔ مقدس باپ"۔ فصیل کے پرلی طرف سے کوئی گھبرائی ہوئی آواز میں چلا رہا تھا: "دروازہ کھولیے، جلدی، دروازہ کھولیے"۔
دروازہ کھولا گیا اور ایک بدحواس شخص اندر گھس آیا۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہیں آج شام کو مسٹر میکنزی نے فلوسی کی خبر لانے کے لیے روانہ کیا تھا۔
"مقدس باپ غضب ہو گیا"۔ اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ مسائی ہمارے سروں پر آ گئے۔ ان کی ایک پوری فوج ہمارے ٹیلے کا چکر کاٹ کر پرانے پتھروں والے کرال کی طرف بڑھ رہی ہے۔ جی ہاں اسی کرال کی طرف جو نیچے چشمہ کے کنارے واقع ہے جہاں ہمارے مویشی رہتے ہیں۔ مقدس باپ مسائیوں کے بیچ میں آبی کنول (فلوسی) ایک گدھے پر سوار تھی اور ایک مسائی گدھے کو کھینچ رہا تھا۔ گدھے کے دائیں طرف زار زار روتی ہوئی خادمہ چل رہی تھی لیکن مجھے آبی کنول کے مرد ساتھی کہیں نظر نہ آئے۔

"زندہ ہے میری بیٹی؟" مسٹر میکنزی نے لرزاں آواز میں پوچھا۔
"جی ہاں۔ زندہ ہے وہ۔" وہ لوگ میرے بالکل قریب سے گزرنے
میں نے دیکھا کہ آبی کنول کی رنگت ایک دم سے سفید ہو گئی تھی۔ اور وہ گردن
اٹھائے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔"
"خدا اس کی اور ساتھ ہی ہماری مدد کرے۔" مسٹر میکنزی نے کراہتے ہوئے کہا
"سائیوں کی تعداد کتنی ہو گی؟" میں نے پوچھا۔
"دو سو سے زائد۔ شاید دو سو پچاس۔"
ایک بار پھر ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ مایوسی سے۔
"سفید فام لوگو۔ دروازہ کھولو۔ ایک قاصد تم سے ملنا چاہتا ہے۔"
کسی نے فصیل کے باہر سے چلا کر کہا۔
امسلوپوگاس تیزی سے دوڑ کر فصیل کے قریب پہونچا۔ یہ سنگی فصیل
جیسا کہ میں پہلے کہیں کہہ چکا ہوں کچھ زیادہ بلند نہ تھی امسلوپوگاس نے
ہاتھ اٹھا کر فصیل کی منڈیر پر ٹیک دئیے اور اپنے لچکدار ہاتھوں کے
سہارے اس نے اپنے جسم کو اوپر کی طرف اٹھایا اور فصیل سے باہر جھانکنے لگا۔
"ایک تنہا شخص کھڑا ہوا ہے۔" اس نے کہا "لیکن پورے طور پر مسلح
اور اس کے ایک ہاتھ میں ٹوکری بھی ہے۔"
"امسلوپوگاس دروازہ کھول دو۔" میں نے کہا "اور اپنا کلہاڑا لے کر
کواڑ کی اوٹ میں کھڑے ہو جاؤ اور صرف ایک ہی شخص کو داخل ہونے
دو اگر دوسرا آنے کی کوشش کرے تو بلا تکلف اس کی گردن اڑا دینا۔"
امسلوپوگاس نے دروازہ کھولا اور کواڑ کی اوٹ میں کلہاڑا بلند کر کے
مستعد کھڑا ہو گیا۔

اس عرصہ میں چاند نکل آیا۔

چند ثانیوں بعد جنگی لباس میں ملبوس جس کی تفصیل میں پچھلے کسی باب میں بیان کر چکا ہوں، ایک مسائی داخل ہوا اس کے ایک ہاتھ میں بید کی ٹوکری تھی اور دوسرے میں نیزہ جس کا پھل چاندنی میں چمک رہا تھا۔ دیو قامت شخص تھا وہ، اس کی عمر پینتیس سال کے لگ بھگ ہوگی غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میری نظر سے بعد میں جتنے بھی مسائی گذرے ان میں سے ایک بھی ایسا نظر نہ آیا۔ جس کا قد چھ فٹ سے کم ہو۔

مسائی مغرورانہ قدم اٹھاتا بڑی بے پروائی سے ہمارے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس نے ٹوکری ایک طرف رکھ دی اور اس زور سے نیزہ زمین پر مارا کہ پھل زمین میں دھنس گیا۔

"میں آپ سے گفتگو کرنے آیا ہوں" اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ پہلا قاصد جو آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا وہ آپ سے گفتگو نہ کر سکا" اور اس نے کٹے ہوئے سر کی طرف اشارہ کیا۔ "لیکن اگر آپ کے پاس سننے کے لئے کان اور سمجھنے کے لئے عقل ہو تو میرے پاس بولنے کے لئے زبان بھی ہے اور الفاظ بھی۔ اور میں خالی ہاتھ بھی نہیں آیا۔ آپ کے لئے ایک نایاب تحفہ بھی لایا ہوں۔ چاہے آپ اسے تحفہ سمجھیں یا میرے غرور کا ثبوت"

اور وہ بڑی بے باکی سے گستاخانہ طور پر ہنسا۔

"میں لگونانی (جنگی افسر) ہوں میں نے اپنے دستہ کے ساتھ ان سفید فاموں کا تعاقب کیا تھا اور کر رہا ہوں" مسائی نے نفرت و حقارت سے گڈ ہنری اور میری طرف اشارہ کیا" لیکن یہ لوگ لومڑی ایسے چالاک ہیں۔

ہمارے ہاتھوں سے پھسل کر اب یہ تینوں آپ کے مستقر میں پناہ گزیں ہیں۔ ہمارا جھگڑا ان تینوں کے ساتھ ہے اور بہر صورت ہم انھیں قتل کر کے دم لیں گے۔"

"تو بیٹا کوارٹر میں جاؤ اور نمٹو نیکی مہموں پر۔" میں نے اپنے آپ سے کہا۔

"ہم ان تینوں کا تعاقب کر رہے تھے کہ اتفاقاً آج صبح دو سیاہ فام مرد ایک سیاہ فام عورت ایک گدھا اور ایک خوبصورت سفید فام لڑکی ہمارے ہاتھوں گرفتار ہو گئی۔ ایک مرد قتل کر دیا گیا جس کا ناپاک سر آپ کے قدموں پر پڑا ہوا ہے لیکن دوسرا ذرا چالاک تھا اس لیے ہماری قید سے فرار ہو گیا۔ دوسرے لوگ اور گدھا اب تک ہماری قید میں اور ہمارے ساتھ ہیں اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر میں یہ ٹوکری پیش کرتا ہوں۔ اپنے خدا کی قسم کھا کر کہنا کہ یہ ٹوکری آپ کی حقیقی بیٹی کی ہے یا نہیں؟"

مسٹر میکنزی نے اثبات میں سر ہلایا اور مسائی نے اپنی بات جاری رکھی۔

"عیسائی مبلغ سنو۔ آپ سے اور آپ کی بیٹی سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ اور نہ ہی ہم آپ کو یا آپ کی آبادی کو کوئی نقصان پہونچانا چاہتے ہیں۔ اب رہے آپ کے مویشی تو فی الحال حفظ ماتقدم کے تحت وہ بھی ہمارے قبضہ میں ہیں۔ کل دو سو چالیس ہیں، ہیں نا؟ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ حماقت نہ کرتے ہوئے اپنی بیٹی اور مویشیوں کو بچانے کی تدبیر کریں۔ انھیں بچانا آپکے اختیار میں ہے۔"

بے ساختہ مسٹر میکنزی کے منھ سے ایک آہ نکل گئی۔ انھیں اپنے مویشی جنہیں انہوں نے بہت چاؤ سے پالا تھا اور کھلا پلا کر خوب تگڑا کیا تھا بے حد عزیز تھے۔

"ہم آپ سے جھگڑنا اور آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتے اور خاص کر اس لیے" اس نے فصیل کی طرف دیکھتے ہوئے صفائی سے کام لیا "کہ یہ جگہ ناقابل تسخیر ہے لیکن ان تین مسافروں کے ساتھ ہم کوئی رعایت نہیں کر سکتے۔

ہم نے رات دن ان کا تعاقب کیا ہے چنانچہ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری یہ بھاگ دوڑ بے کار ثابت ہو۔ اس کے علاوہ اگر ہم ان سے بدلہ لئے بغیر واپس لوٹ گئے تو ہماری عورتیں ہمارا مذاق اڑائیں گی اور بوڑھے ہم پر جملے کسیں گے۔ اس لئے کچھ ہو چاہے جتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے چاہے جتنے دن صرف ہو جائیں بہرحال ہمیں ان تینوں کو اپنے قبضہ میں کرنا اور ان سے بدلہ لینا ہے۔"

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ رہا۔

"عیسائی مبلغ میں آپ کو ایک موزوں و مناسب مشورہ دیتا ہوں۔ امید ہے اس پر عمل کرو گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کی لڑکی کو قتل کریں وہ اتنی پیاری ہے کہ اسے خراش پہونچاتے بھی دل دکھتا ہے۔ کافی دلیر ہے وہ۔ خیر۔ تو میں چاہتا ہوں کہ آپ ان تین سفید فاموں میں سے کسی ایک کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اور آپ کی بیٹی آزاد ہو گی۔

اتنی رعایت اور کی جائے گی کہ اس کی خادمہ کو بھی رہا کر دیا جائے گا۔ سوچ لو بہت سستا سودا ہے یہ۔ اپنی رحمدلی کا ثبوت دیتے ہوئے ہم نے صرف ایک آدمی کو طلب کیا ہے تین نہیں۔ باقی جو دو بچ رہتے ہیں ہم کسی اور موقع پر انھیں قتل کر دیں گے۔ میں اپنی پسند کا آدمی نہیں چاہتا حالانکہ میری نظر انتخاب اس تگڑے شخص پر ہے۔" اس نے ہنری کی طرف اشارہ کیا۔

"بڑا طاقتور معلوم ہوتا ہے یہ۔ اور اس کی جان ذرا دیر سے نکلے گی اس لئے تماشہ دیکھنے میں کافی لطف رہے گا لیکن میں یہاں بھی رحمدلی سے کام لیتے ہوئے کہتا ہوں کہ آپ ان تینوں میں سے کوئی سا بھی آدمی ہمارے سپرد کر دیں۔"

"اور اگر میں تمہارا یہ مشورہ قبول نہ کروں تو؟" مسٹر میکنزی نے کہا۔

"ایسی حماقت نہ کرو عیسائی مبلغ" مسائی نے جواب دیا۔ "اگر واقعی تم نے ہماری بات نہ مانی تو سورج کی پہلی کرن کے ساتھ تمہاری لڑکی کا نازک سر دھڑ سے جدا نظر آئے گا۔ سیاہ فام خادمہ سے ہمیں پتہ چلا ہے کہ لڑکی کے علاوہ آپ کے اور کوئی اولاد نہیں اگر آپ کی لڑکی کی عمر کچھ زیادہ ہوتی تو میں بخوشی اسے اپنی خادمہ بنا لیتا لیکن چونکہ وہ چھوٹی ہے اور میرے قابل نہیں اس لئے اسے اپنے ہاتھوں سے اور اسی نیزے سے قتل کروں گا اور یہ دلچسپ منظر تم اپنی آنکھوں دیکھو گے۔"

اس وحشی نے بھیانک قہقہہ بلند کیا۔ وہ میکنزی کو ایک ہی وقت میں "تم" اور "آپ" سے مخاطب کر کے اپنی نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ اس تمام عرصے میں، میں بڑی تیزی سے تمام حالات پر غور کر رہا تھا میں جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ فلوسی کے عوض اپنے آپ کو مسائی کے حوالے کر دوں۔ یہاں میں اپنے اس فیصلے کی صفائی میں کچھ کہنے کی اجازت چاہوں گا کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں قارئین میرے بارے میں کوئی غلط رائے قائم نہ کر لیں۔ بخدا میں نے یہ فیصلہ اس لئے نہیں کیا تھا کہ ہر شخص کی نظروں میں ہیرو بن جاؤں۔ اس قسم کا ناپاک خیال میرے دل میں آ ہی نہیں سکتا اور نہ ہی مجھے وہ لوگ پسند ہیں جو شہرت اور ناموری کی خاطر ہر کام کرتے ہیں۔ میرے اس فیصلے کی بات بالکل صاف ہے۔ میں بوڑھا ہو چکا تھا۔ دنیا دیکھ چکا تھا اور لب گور اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی مجھے بہ آسانی قبر کے گڑھے میں لڑھکا سکتا تھا لیکن فلوسی کی زندگی کا آغاز اب ہو رہا ہے اس کی زندگی سے اس کے والدین کی زندگیاں بھی وابستہ تھیں۔ اس کی موت اس کے والدین کی موت کا سبب بن سکتی تھی۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھرا پرا خاندان تباہ ہو جاتا۔ اس کے علاوہ مسٹر میکنزی پر جو مصیبت نازل ہوئی تھی وہ میرے سبب سے ہوئی تھی۔ نہ میں پھول کا ذکر کرتا نہ فلوسی گرفتار ہوتی۔ میں نے سوچ یوں رکھا تھا کہ جب فلوسی صحیح سلامت اپنے والدین کے پاس پہونچ جائے گی تو میں پستول کی نالی اپنی کنپٹی پر رکھ کر لبلبی دبا دوں گا۔ صرف اس خیال سے کہ ماؤ مجھے اذیتیں نہ دے سکیں اور یقین ہے کہ خدا میرے اس فعل کو یعنی خودکشی کو حالات کے پیش نظر معاف کر دے گا۔

یہ فیصلہ میں نے چند سکنڈ میں کر لیا۔

"بہت اچھا میکنزی"، میں نے کہا: "آپ اس سے کہدیں کہ فلوسی کے عوض میں اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں۔ اس سے یہ بھی کہیے کہ میں اس وقت تک قتل نہ کیا جاؤں جب تک کہ فلوسی بخیر و خوبی آپ تک نہیں پہونچ جاتی۔"

"پاگل ہوئے ہو" ہنری اور گڈ نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"نہیں نہیں"، مسٹر میکنزی نے کہا: "میں آپ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ میری بیٹی ظالم مائیو ں کے ہاتھوں قتل ہو تو خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی۔"

"اگر کوئی اور صورت پیدا نہ ہو گئی۔ میرا مطلب ہے فلوسی کی رہائی کی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی جان دے کر اس کی جان بچاؤں گا۔" میں نے سختی سے کہا۔

"یہ بڑا اہم معاملہ ہے"، مسٹر میکنزی نے بڑے اطمینان سے کہا: "اور فی الحال ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں تھوڑی سی مہلت دیجئے۔ صبح ہونے

ہی ہم آپ کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کر دیں گے۔"

"بہت اچھا سفید فام۔" مسائی نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "لیکن میں اتنا کہے دیتا ہوں کہ اگر صبح تک تم کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو تمہاری چھپی نازک کلی پھول بننے سے پہلے توڑ لی جائے گی۔ شاید میں تمہیں اس خوف سے کہ کہیں تم ہم پر شبخون نہ مارو غور و خوض کرنے کی اجازت نہ دیتا لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے مستقر کے باشندے تجارتی سامان لے کر ساحل کی طرف گئے ہیں اور اس وقت یہاں صرف بیس مرد موجود ہیں تم اپنے عقلمند سے ایسی نادانی کی امید نہ تھی۔" وہ بدتمیزی سے ہنسا۔ "تم اپنے بوما (گاؤں) میں اتنی چھوٹی سی تعداد میں آدمی رکھو گے۔ خیر تو مطلب یہ کہ چونکہ مجھے یقین ہے کہ اتنے کم لوگوں کے سہارے تم کبھی شبخون مارنے کی حماقت نہیں کر سکتے اس لئے مجھے تمہاری طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ اچھا شب بخیر۔ اور تم تینوں کو بھی۔" وہ ہم سے مخاطب ہوا۔ "جن میں سے کسی ایک کی آنکھیں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گا۔ شب بخیر کہتا ہوں۔ خیال رہے دوستو! اگر تمہارا جواب پو پھٹتے ہی مجھے نہ مل گیا تو میں جو کچھ کہہ چکا ہوں وہ ہو کر رہے گا۔"

وہ اسلوپوگاس کی طرف گھوم گیا جو دروازے اور مسائی کے بیچ میں کلہاڑا لئے کھڑا تھا۔

"اے دروازہ کھولو۔ جلدی کرو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

بوڑھے زولو سردار کو مشتعل کرنے کے لئے بس اتنا سا اشارہ کافی تھا پچھلے دس منٹ تک نگڑے مسائی کو دیکھ کر اسلوپوگاس کے منہ میں پانی بھر بھر آ رہا تھا اور جب اس نے بوڑھے زولو پر حکم چلایا تو اس کے صبر کا پیمانہ

جھلک پڑا۔ اس نے مسائی کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر ایسی استادی سے جھٹکا دیا کہ مسائی لٹو کی طرح گھوم گیا اور اب اس کا چہرہ املولوگاس کے سامنے تھا۔ املولوگاس نے جھک کر اپنی لال انگارہ سی آنکھیں مسائی کے چہرے پر گڑھوتے ہوئے کرخت آواز میں کہا۔

"مجھے دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں دیکھ رہا ہوں۔" مسائی نے جواب دیا۔

"اور اسے بھی دیکھا؟" املولوگاس نے اپنا کلہاڑا اس کی آنکھوں کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ کھلونا بھی دیکھا۔"

"مسائی کتے۔ شہنی خونسوم بچیوں کو گرفتار کرنے والے بزدل ڈاکو۔ یہی کھلونا تیرے جسم کے ٹکڑے اڑا دے گا۔ بدبخت یہ تیری خوش قسمتی ہے کہ تو قاصد بن کر آیا ہے ورنہ تیرے کٹے ہوئے اعضا گھاس پر پڑے تڑپ رہے ہوتے۔"

مسائی کھڑا ہنستا رہا۔

"بڑے بہادر معلوم ہوتے ہو۔" مسائی نے کہا۔ "کاش کہ ہم دونوں کے مقابلے کا وقت آئے اور اس وقت تمہاری طاقت اور بہادری کا بھید کھل جائے گا۔"

"گھبرا مت تیری یہ خواہش پوری ہو گی۔" املولوگاس نے دانت پیس کر کہا۔ "جانتا بھی ہے تو کس کو مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے؟ املولوگاس کو جس کی رگوں میں شاہی خون گردش کر رہا ہے جس نے شیروں کے کلے چیرنے ہیں موت بھی جس کے نام سے کانپتی ہے۔ دیکھ لے میں

املوپوگاس ہوں۔ وہی املوپوگاس جس کے کلہاڑے انکوسی کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کی گردنیں جھکی ہیں اور تیری بھی جھکے گی۔ آج جی بھر کر ہنس لے۔ کل شب لومڑیاں تیری ہڈیاں چچوڑتے ہوئے خوشی سے چلائیں گی۔"

منائی جا چکا تو ہم نے ٹوکری کی طرف دیکھا اور لاتعداد الٹے سیدھے خیالات ہجوم کر آئے۔ خدا جانے اس ٹوکری میں ظالم منائی کیا لایا ہے؟ کیا چیز ہوگی؟ کس کا سر؟ اور میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہر سی دوڑ گئی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آگے بڑھ کر ٹوکری کا ڈھکن اٹھائے۔ پتہ نہیں اس کے اندر کون سے بھیانک منظر سے دوچار ہونا پڑے۔ ہم کھڑے ایک دوسرے کی صورت تک رہے تھے کہ املوپوگاس نے آگے بڑھ کر ٹوکری کا ڈھکن اٹھایا۔ اندر ٹوکری میں پورا کھلا ہوا "گوبیا" پھول رکھا ہوا تھا شاید کوئی اور وقت ہوتا تو میں اس پھول کو دیکھ کر مارے خوشی اور حیرت کے پاگل ہو جاتا لیکن اس وقت ہماری حالت جیسا کہ قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی ہو رہی تھی کہ اگر کوئی ہمارے سامنے بہشت بھی لا کر رکھ دیتا تو شاید ہم اس کے نظاروں سے لطف اندوز نہ ہو سکتے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ اگر فکریں اور رنج و غم نہ ہوں تو دنیا اور اس کی ہر چیز حسین نظر آئے لیکن جب دل پر غموں کی دھند چھائی ہوئی ہو تو ہر چیز بدہیئت اور ڈراؤنی نظر آتی ہے حتیٰ کہ روشن دن بھی جیسے اماوس کی رات لگتا ہے۔

پھولوں کے ساتھ ایک چٹھی بھی تھی۔ تیل سے داغدار کاغذ پر جس میں فلوسی کھانا لپیٹ کر دے گئی تھی۔ اس میں مندرجہ ذیل عبارت تحریر تھی۔

پیارے ابا اور اماں۔

ہم پھول لے کر مستقر کو واپس لوٹ رہے تھے کہ ہمسائیوں نے ہمیں

گرفتار کر لیا۔ ظالموں نے ٹام کو قتل کر دیا لیکن دوسرا فرار ہو گیا
میں اور خادمہ فی الحال محفوظ ہیں لیکن سنا گیا ہے کہ ماسائی میرے
بدلے میں مسٹر کواٹرمین کے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو لینا چاہتے
ہیں لیکن مجھے یہ تبادلہ منظور نہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی صاحب
میرے عوض جان دیں خیال رہے ابا جان کو بھی میری جان بچانے
کے لیے اپنے آپ کو ماسائیوں کے حوالے نہ کرے۔

آج رات اگر ممکن ہو تو ماسائیوں پر شبخون مارنے کی کوشش
کیجیئے۔ آج رات وہ ہمارے مویشیوں میں سے تین کو ذبح کر کے
ضیافت اڑا رہے ہیں۔

میرے پاس میرا پستول موجود ہے اگر صبح تک کوئی مدد نہ
آگئی تو میں خودکشی کروں گی۔ مجھے یہ منظور نہیں کہ ظالم ماسائی اپنے
ناپاک ہاتھوں سے مجھے چھوئیں۔ اگر ایسا ہو تو آپ مجھے کبھی فراموش
نہ کریں۔ اماں، ابا میں بے حد خوفزدہ ہوں لیکن مجھے خدا پر بھروسہ
ہے وہ مجھے ہمت دے۔ میں بہت کچھ لکھنا چاہتی تھی لیکن لکھ
نہیں سکتی کیونکہ ماسائی میرے پاس کھڑے مشکوک نگاہوں سے میری
طرف دیکھ رہے ہیں۔ خدا حافظ۔ فلوسی۔

اور ایک کونے پر تحریر تھا۔

"مسٹر کواٹرمین کی خدمت میں آداب۔ یقین ہے پھول
آپ کو ضرور پسند آئے گا۔"

تحریر پڑھ کر بے اختیار میں رو پڑا کتنی بہادر لڑکی تھی فلوسی۔ اس
حالت میں تو بڑے بڑے سورماؤں کے پتّے پانی ہو جاتے لیکن وہ ننھی سی جان

کتنے عزم اور ہمت سے لکھ رہی تھی۔ میں بے چین ہو گیا اور میں نے ایک بار پھر قسم کھائی کہ کچھ بھی ہو میں اس بہادر لڑکی کو بچاؤں گا۔ اس کوشش میں چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

اور اب یہ مسئلہ زیر غور تھا کہ فلوسی کو بچانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ میں نے پھر کہا کہ مجھے سائیوں کے حوالے کر دیا جائے لیکن مسٹر میکنزی نے سختی سے میرے اس خیال کی مخالفت کی اور گڈ اور ہنری نے کہا کہ اگر میں اپنے ارادے سے باز نہ آیا تو وہ بھی میرے ساتھ ہی اپنے آپ کو سائیوں کے حوالے کر دیں گے اور جو کچھ مجھ پر گزرے گی اس میں وہ دونوں بھی برابر کے شریک ہوں گے۔ ہنری اور گڈ کی اس پر خلوص دوستی کے سبب میری آنکھوں میں مارے احسان اور شکریہ کے آنسو چھلک آئے۔

"یہ بے حد اہم معاملہ ہے۔" میں نے کہا "صبح ہونے سے پہلے ہمیں ہمیں کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے۔"

"تو پھر چلو جتنے بھی آدمی اس وقت مل سکیں اتنے ہی ساتھ لے کر ان بدقسمت سائیوں پر حملہ کر دیا جائے۔ پھر جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہنری نے کہا۔

"شاباش، شاباش" اسلوپوگاس نے ہنری کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے سر ہلا کر کہا "تم نے مردوں کی سی بات کہی اور میں کہتا ہوں اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ سائی ہیں کتنے؟ صرف دو سو پچاس۔ اب ہماری تعداد کتنی ہوگی؟ دیکھئے ہمارے ان سردار (مسٹر میکنزی) کے پاس بیس آدمی ہیں میکومیزن کے پاس پانچ اور ہم پانچ سفید فام کل ملا کر ہوئے تیس۔ ہو گئے نا؟ کافی ہیں بلکہ کافی سے زیادہ۔ میکومیزن تم کافی ہوشیار اور عقلمند ہو میں حیران ہوں

کہ تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہ آئی۔ خیر سنو۔ مس فلوسی نے اپنی چٹھی میں کیا لکھا ہے؟ یہی ناکہ مسائی آج رات ضیافت اڑائیں گے اور عیش منائیں گے۔ میں کہتا ہوں کیوں نہ یہ ضیافت ان کی زندگی کی آخری ضیافت ثابت ہو؟ کیوں نہ آج کی رات کا جشن ان کی موت کا جشن ثابت ہو؟ اس کتے نے جسے میں صبح قتل کرنا چاہتا ہوں، کیا کہا تھا؟ یہی کہ اسے ہماری طرف سے حملہ کا خطرہ نہیں اس لئے کہ ہماری تعداد کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اچھا اب آپ لوگ وہ کرال جانتے ہیں جہاں مسائیوں نے قیام کیا ہے؟ آج صبح میں نے اس کرال کو گھوم پھر کر بخوبی دیکھ لیا ہے اور اس کا نقشہ میرے ذہن میں موجود ہے۔ دیکھئے وہ یوں ہے۔" اور اس نے مٹی پہ ایک دائرہ بنایا۔" یہ ہے کرال کا صدر دروازہ جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اگ آئی ہیں یا یوں کہئے کہ ان جھاڑیوں سے دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ دروازے سے باہر ڈھلوان میدان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تنہا میں اور ایک صاحب صدر دروازہ کے باہر کھڑے ہو جائیں تو بہ آسانی بھاگتے ہوئے مسائیوں کو قتل کر سکتے ہیں۔

"اب غور سے سنو۔ یعنی جنگ کیسے کی جائے مشرقی افق کے اجالے کی پہلی کرن کے ساتھ ہی، خیال رہے اس سے پہلے نہیں کہ اس وقت اندھیرا ہوگا۔ اور نہ اس کے بعد کیونکہ اس وقت کافی روشنی ہو چکی ہوگی اور ممکن ہے کہ مسائی بیدار ہو جائیں۔ ہاں تو اجالے کی پہلی کرن کے ساتھ ہی باگون زگڈی دس آدمیوں کے ساتھ کرال کے چھوٹے دروازے پر جو دوسری طرف اور صدر دروازے کے بالکل سامنے واقع ہے پہونچ جائیں گے اور سنتریوں کو سوتے میں ایسے خاموشی سے قتل کر دیں گے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی۔ اس کے بعد وہ اپنے دس آدمیوں کے ساتھ وہیں کھڑے رہیں گے اس عرصہ میں

انکبو اور میں صدر دروازے کے باہر کلہاڑے لے کر کھڑے ہو جائیں گے۔ ہمارے ساتھ یہ چوڑے چکلے سینہ والا وکوافی بھی ہو گا۔ کافی بہادر ہے یہ شخص یہ ہم تینوں بھی خاموشی سے سنتریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ باقی رہے کتنے؟ سولہ۔ ان سولہ آدمیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ تو میکومیزن تمہارے ماتحت ہو گا اور ایک مبلغ مسٹر میکنزی کے ماتحت تم دونوں کے ماتحت آدمی بندوقوں سے لیس ہوں گے ایک دستہ کراں سے باہر کی طرف اپنا مورچہ بنائے گا اور ایک دائیں طرف موقع مناسب دیکھ کر میکومیزن پہلا فیر تم کرنا یہ گویا جنگ شروع کرنے کا اشارہ ہو گا اور دائیں اور بائیں دستہ کے آدمی مسلسل گولیاں چلاتے رہیں گے لیکن خیال رہے ایسی اندھا دھند گولیاں نہ چلائی جائیں کہ میکنزی صاحب کی بچی کو نقصان پہونچ جائے۔ اس کے بعد باگون اور ان کے ساتھی جنگی نعرہ بلند کریں گے اور تلواریں سونت سونت کر ماسائیوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور پھر یوں ہو گا میکومیزن کہ نیند اور کھانے کا خمار ماسائیوں پر چونکہ صبح بھی چھایا ہوا ہو گا اس لئے وہ گھبرا کر کچھ سوچے سمجھے بغیر صدر دروازے کی طرف بھاگیں گے۔ یہاں میں انکبو اور یہ وکوافی موت کے فرشتوں کی طرح کلہاڑے لئے تیار کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ دے سٹاسٹ، تو میکومیزن یہ ہے میری تجویز اگر تمہارے ذہن میں اس سے بہتر تجویز ہو تو بتا دو۔۔"

امسلوپوگاس خاموش ہو گیا اور میں نے اپنے ساتھیوں کو اس تجویز کے وہ حصے سمجھائے جنہیں وہ سمجھ نہ سکے تھے اور ہر ایک نے بوڑھے زولو کی تجویز کو سراہا واقعی امسلوپوگاس افریقہ کے وحشیوں میں بہترین جرنیل تھا۔ ہاں اتنا اور بتا دوں کہ امسلوپو ویسے تو مجھے "آپ" سے مخاطب کرتا لیکن جب وہ جوش میں

آتا تو تم سے بولتا یہ اس بات کی دلیل تھی کہ جب اس پر غصہ اور جنگ کا بھوت سوار ہوتا ہے تو اسے اپنے پرائے کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔

کافی بحث و مباحثہ کے بعد بوڑھے ڈلو کی تجویز کو منظور کیا گیا سوائے اس کے اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا؟ ہمیں کامیابی کی امید تو کیا ہوگی؟ ہماری تعداد ہی کتنی تھی آٹے میں نمک کے برابر۔ ادھر خونخوار مسائی مل کر اگر پھونک بھی مارتے تو ہمیں ہوا میں اڑا دیتے لیکن اسلوپوگاس اور ہمزی کے عزم اور خود اعتمادی نے میرے دل میں امید کی شعاع روشن کر دی۔ "ممکن ہے ہمیں کامیابی ہو۔" میں نے سوچا اور میں سوائے اسے اور کر بھی کیا سکتا تھا کہ اپنے دل کو اس موہوم امید سے بہلاؤں۔ نہ میں اور نہ دوسروں کو یہ منظور تھا کہ فلوسی کی جان جائے۔ کامیابی کی امید کرنا فضول تھا لیکن پھر بھی پتہ نہیں کیسے یہ خیال میرے دل میں جم کر رہ گیا کہ ہم کامیاب ہوں گے۔

"اسلوپوگاس،" میں نے کہا۔ "سچ مچ تم اس بوڑھے شیر کی مانند ہو جو ہر وقت اپنے کچھار سے نکل کر شکار کیا کرتا ہے اور جانتا ہے کہ کس طرف سے اور کس وقت شکار کو دبوچا جائے۔"

"میکومیزن،" اسلوپوگاس نے جواب دیا۔ "پچھلے چالیس سال سے میں ایک سپاہی کی زندگی گزار رہا ہوں اور اپنے فن میں اتنا پختہ ہو چکا ہوں کہ آنکھیں بند کر کے بھی ٹھیک فیصلہ کر سکتا ہوں۔ کیا مزید اور جنگ ہوگی۔ واہ۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ مجھے خون کی بو آتی ہے۔"

…–×–※–×–…

مائیوں کی آمد کی خبر کے ساتھ ہی مستقر کی دیوار کے باہر کی آبادی سمٹ کر اندر آگئی۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے دیوار میں بنے ہوئے چھوٹے سے دروازے سے گروہ در گروہ میکنزی کے باغ میں یوں داخل ہوئے جیسے انسانوں کا کوئی بند ٹوٹ گیا ہو۔ وہ لوگ آ کر برآمدے اور باغ میں جم گئے اور سر سے سر جوڑ کر نہایت خوفزدہ آوازوں میں مائیوں کے مظالم کی داستانیں دہرانے میں مصروف ہو گئے۔

املوپوگاس کی تجویز پر عمل کرنے کے پختہ ارادے کے بعد مسٹر میکنزی نے بارہ سے پندرہ برس کی عمر کے چار بچوں کو طلب کیا اور انھیں ضروری ہدایات دے کر روانہ کیا کہ وہ مائیوں پر نظر رکھیں اور ان کے نقل و حرکت کی خبریں ہر آدھ گھنٹے کے بعد پہنچاتے رہیں۔ اس کے بعد نوعمر لڑکوں اور عورتوں کو بھی دیوار کے قریب اندر کی جانب کھڑا کر دیا گیا کہ مائیوں کے اچانک حملے سے دیوار کی حفاظت ہوتی رہے گی۔

ان کاموں سے فرصت پانے کے بعد ان جانبازوں کو طلب کیا گیا جو ہمارے ساتھ مائیوں پر حملہ کرنے والے تھے۔ بیس مرد مسٹر میکنزی کے مکان کے سامنے کھلی جگہ میں آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے تھے اور مسٹر میکنزی "دیدبان" درخت کا سہارا لئے انھیں اور ہمارے چاروں وکوانی ملازموں کو مخاطب کر رہے تھے۔

بڑا پر تاثیر نظارہ تھا وہ۔ مسٹر میکنزی درخت کے تنے کے قریب کھڑے

ہوئے تھے ان کا ایک ہاتھ تنے پر ٹکا ہوا تھا اور دوسرا سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے ہوا میں بلند تھا۔ ان کا سر ننگا تھا اور پرخلوص چہرہ دلی جذبات کی غمازی کر رہا تھا۔ ان کے قریب ہی ان کی بیوی اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھکے بیٹھی تھیں۔ ایک طرف ایلفو نے اپنے چہرے پر انتہائی خوف اور گھبراہٹ کے آثار لئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہر ایک کی صورت تک رہا تھا۔ ایلفو کے پیچھے ہم تینوں مع املوبوگاس کھڑے ہوئے تھے۔ بوڑھا زولو حسب معمول اپنے کلہاڑے پر ٹھوڑی ٹکائے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بے چینی سے حلقوں میں گردش کر رہی تھیں۔ چہرے کے نقوش کرخت ہو گئے تھے پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور وہ بار بار اپنی زبان لبوں ہونٹوں پر پھیر رہا تھا جیسے خون کا مزہ لے رہا ہے۔

سامنے بیس بہادر رائفلیں گود میں رکھے اور فرش زمین پر بیٹھے میکنزی کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے ہر الفاظ کو نہایت غور اور توجہ سے سن رہے تھے۔ درخت کی ٹہنیوں سے گزر کر چاند کی اکا دکا کرنوں نے زمین پر نور کے دھبے ڈال دیئے تھے اور افسردہ ہوا درخت کی بلند چوٹی پر سائیں سائیں کرتی کسی انجان منزل کی طرف چلی جا رہی تھی۔

"لوگو" مسٹر میکنزی نے تمام حالات اور ہماری تجویز کو پوری تفصیل سے بیان کرنے کے بعد بیس آدمیوں کی اس چھوٹی سی جماعت سے جو ہماری امیدوں کا آخری سہارا تھی۔ کہا۔ "لوگو پچھلے کئی سالوں سے میں تمہارا بہترین دوست رہا ہوں۔ تم نے مجھ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں نے تمہیں اور تمہارے بچوں کو علم کی لازوال دولت دی ہے۔ تمہاری حفاظت کی ہے۔ ہر خطرات میں تمہارا ساتھی رہا ہوں۔ میری بچی جسے تم آبی کنول کے نام سے

پکارتے ہو تمہاری گود میں کھیلی ہے۔ تمہاری ہی گود میں اس نے رینگنا اور چلنا سیکھا ہے۔ وہ تمہارے بچوں کی بہترین دوست رہی ہے اور جب تم بیمار ہوئے ہو تو اس نے تمہاری تیمارداری کی ہے اور تم نے اسے دل و جان سے چاہا ہے۔"

"ہم اب بھی اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔" کسی نے گونجدار آواز میں کہا "اور اسے مائیوں کے پنجے سے چھڑانے کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے۔"

"شکریہ دوستو! میں تمہاری اس محبت کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس ناگہانی مصیبت میں تم ضرور ہمارے کام آؤ گے تمہاری آپی کنول کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس وقت وہ ظالم مائیوں کے نرغے میں تنہا بیٹھی خوف سے کانپ رہی ہے اور مائیوں کے مظالم سے کون واقف نہیں؟ وہ اس معصوم لڑکی کے ساتھ جو کچھ نہ کر گزریں کم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم آپی کنول کو مائیوں کے پنجے سے چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کرو گے۔ تم اپنے بچوں کا خیال کرو اگر تمہاری اولاد مائیوں کے قبضہ میں ہوتی تو تمہاری کیا حالت ہو جاتی؟ اگر خدانخواستہ میری بیٹی قتل کر دی گئی تو میں اور میری بیوی بھی زیادہ دن زندہ نہ رہ سکیں گی اور اگر زندہ بھی رہ گئے تو ہماری زندگی ہمارے لئے ایک گونہ بوجھ ہو کر رہ جائے گی اور جو بھائی ہمارے مستقر پر حملہ کر دیں، تمہارے مویشی ہنکا لے جائیں، تمہارے گھروں کو آگ لگا دیں اور، باغات اجاڑ دیں گے اور یہ جگہ پل بھر میں ویران ہو کر رہ جائے گی۔ جیسا کہ جانتے ہو۔ میں امن پسند شخص ہوں اور جنگ و جدل کو پسند نہیں کرتا۔ آج تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا اور نہ ہی ایسا

کرنے کی تمہیں تعلیم دی ہے لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں کہتا ہوں، حملہ کرو۔ خدا کا نام لے کر حملہ کرو۔ خدا نے ہمیں اپنی اولاد اور گردن کا بچاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اپنی بیویوں کی عزت اور اپنی اولاد کی سلامتی کی خاطر اٹھو اور ساتھیوں کو پیس کر رکھ دو، قسم کھاؤ۔" مسٹر میکنزی نے بڑے جوش و خروش سے کہا۔

"قسم کھاؤ کہ جب تک تم میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے تم میرے اور ان تین نیک نام بہادروں کے ساتھ مل کر آبی کنول کو بچانے کی کوشش کرو گے۔"

"بس مقدس باپ۔ بس ہم زیادہ نہیں سن سکتے۔" اس گونجدار آواز نے جو ایک تنومند بوڑھے کی تھی کہا۔ "ہم قسم کھاتے ہیں اور اگر ہم قسم توڑیں تو کتے کی موت مارے جائیں اور ہماری بوٹیاں لومڑیوں اور چیلوں کے سامنے پھینک دی جائیں۔ مٹھی بھر آدمیوں کا اتنی بڑی جماعت سے ٹکرانا خطرے سے خالی نہیں لیکن پھر بھی ہم قسم کھاتے ہیں کہ یا تو اپنے آبی کنول کو بچائیں گے یا اسی کوشش میں جان دے دیں گے۔ ہم قسم کھاتے ہیں۔"

"ہاں ہم قسم کھاتے ہیں۔" ایک ساتھ بیس آوازیں ابھریں۔

"اور ہم بھی قسم کھاتے ہیں۔" میں نے کہا

"دوستو میں تمہارا یہ احسان مرتے دم تک فراموش نہیں کروں گا۔" مسٹر میکنزی نے کہا۔ "تم صحیح معنوں میں مرد اور حقیقی ساتھی ہو۔ تم ایسی لاٹھی ہو جو دکھ سکھ میں ساتھ دیتی ہے سرکنڈہ نہیں جو عین وقت پر ٹوٹ جائے اور آؤ اب ہم خدا کے سامنے گردنیں جھکا کر اور گڑگڑا کر دعا مانگیں کہ وہ ہمیں اتنی قوت دے کہ ہم ظالم ساتھیوں کو مار بھگائیں۔ خدا کے قبضہ میں ہماری موت و زیست ہے وہ چاہے تو مٹھی برابر دھول کو اتنا پھیلا سکتا ہے کہ وہ تمام عالم کو اپنی آغوش میں لے لے اس سے کچھ بعید نہیں۔

آؤ ہم اس لافانی قوت کے حضور جھک جائیں۔"

مسٹر میکنزی گھٹنوں کے بل جھک گئے۔ ہم سب نے ان کی تقلید کی سوائے املوپوگاس کے جو بدستور اپنے انگوسی کا (پر) جھکا ہوا تھا اس خونریز زولو کا کوئی خدا نہ تھا اگر وہ پوجا کرتا تھا تو صرف اپنے کلہاڑے انگوسی کاس کی۔

"اے خداوند!" گرجا نما نشیب میں مسٹر میکنزی کی رعب دار آواز گونج گئی۔ "اے غلاموں کے سرپرست، بیچاروں کے سہارے، خطرات میں گھرے ہوئے لوگوں کا محافظ تو ہی ہے۔ میرے مالک ہم پر مصیبت آئی ہے لیکن ہم تیرا دامن تھامے ہوئے ہیں سوائے تیرے اور کون ہماری مدد کر سکتا ہے؟ اے خدا تو نے ہمیں ایک بچی عنایت کی ہے اور اب اس بچی کی گردن پر تلوار کا سایہ ہے وحشی ماسائی اس معصوم کی گردن اڑانے کے لئے اپنے ہتھیاروں پر دھار کر رہے ہیں۔ اے میرے مالک تو اس بچی کا محافظ ہے اسے بچا لے آسمانوں اور زمینوں کے خداوند تو ہماری مدد کر۔ ہمیں اتنی طاقت دے کہ ہم ظالموں کے پنجہ سے اپنی بچی کو چھڑا لیں۔ اپنا قہر دشمنوں پر نازل کر۔ انھیں بکھیر دے، ان کی طاقت کو پارہ پارہ کر دے۔ ہم اس وقت تیرے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ ہم سفید و سیاہ رنگت والے تیرے بندے تیرے دشمنوں پر حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ یسوع مسیح کے صدقہ میں ہمیں کامیابی عطا کر اور بچی کی حفاظت کر۔ آمین۔"

مسٹر میکنزی خاموش ہو گئے۔ ہم سب اٹھے اور حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ کیونکہ بقول املوپوگاس کے وہ باتوں کا نہیں کام کا وقت تھا قارئین کو یاد ہو گا کہ املوپوگاس کی تجویز کے مطابق ہمیں ساتھیوں پر علیحدہ علیحدہ

جماعتوں میں حملہ کرنا تھا۔ چنانچہ بڑی توجہ سے جماعتیں بنائی گئیں کافی غور و خوض کے بعد طے ہوا کہ جو لوگ گڈ کے ساتھ جائیں وہ اپنے ساتھ بندوقیں نہ لے جائیں سوائے گڈ کے جس کے پاس ایک پستول تھا بلکہ تلواروں، نیزوں وغیرہ سے لیس ہوں میں نے اپنی طرف سے گڈ کو وہ تلوار پیش کی جس میں نے کٹے ہوئے ہاتھ سے الگ کیا تھا۔ یہ احتیاط اس لئے برتی گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تینوں طرف سے گولیاں چلنے کے سبب ہم اپنے ہی ساتھیوں کو مار دیں اس تجویز کی امسلوپوگاس نے جو صحیح معنوں میں فولادی ہتھیاروں کا ماہر ... جرنیل تھا۔ بڑے زور شور سے تائید کی۔ ہمارے پاس چار ونچیسٹر رائفلیں تھیں جو مسلسل آٹھ فیر کرسکتی تھیں اور درجن بھر مارٹینیز۔ میں نے اپنے لئے اپنی ونچیسٹر پسند کی۔ یہ بندوق ایسے کاموں کے لئے نہایت موزوں تھی۔ ایک مسٹر میکینزی نے اپنے لئے لی اور بقایا دو مستقر کے دو باشندوں کو دی گئیں جو ماہر شکاری تھے اور اس بندوق کو استعمال کرنا جانتے تھے۔ مارٹینیز ان لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ جو دو گروہ بنا کر کرال کے مختلف سمتوں سے خوابیدہ مسائیوں پر حملہ کرنے والے تھے۔ یہ لوگ بندوق چلانے کے ماہر تو نہ تھے لیکن اناڑی بھی نہ تھے چنانچہ ان پر بھروسہ کیا گیا۔

امسلوپوگاس کے لئے شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس نے اپنے انکوسی کاس کے علاوہ اور کوئی ہتھیار لینا قبول نہ کیا۔ قارئین سمجھ لے نہ ہوں گے کہ امسلوپوگاس، ہنری کرٹس اور ہمارے ملازموں میں سے ایک کرال کے جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے دروازے پر کھڑے ہونے والے تھے۔ چونکہ وہ بھاگتے ہوئے مسائیوں کا صفایا کرنے والے تھے۔ اس لئے بندوقیں انکے لئے بیکار تھیں۔ چنانچہ ہنری اور ہمارے دکوافی ملازم نے بھی ہتھیاروں میں

سے اپنے لئے کلہاڑے ہی پسند کئے۔ اتفاقاً مسٹر میکنزی کے "خزانے" میں جبرالٹمی کے کلہاڑے موجود تھے۔ سر ہنری نے ان میں سے ایک جس کا پھل کافی چوڑا تھا اور وزن میں بھی دو ڈھائی پونڈ ہوگا۔ اپنے لئے پسند کیا۔ وکوافی ملازم کا کلہاڑا ہنری کے کلہاڑے سے ہلکا اور چھوٹا تھا۔

امسلوپوگاس نے کلہاڑوں کی دھار پر اطمینان نہ کرتے ہوئے انہیں رگڑ رگڑ کر اور تیز کیا اور انہیں مضبوط لکڑی کے تین فٹ چھ انچ لمبے ہتھوں پر پیوست کر دیا گیا۔ ہتھوں کے سروں پر گول گول گٹے بنائے گئے کہ اس پر ہاتھ پھسلنے نہ پائے۔ پھر کلہاڑوں کو پانی سے بھری ہوئی بالٹی میں نصف گھنٹہ تک چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ ہتھوں کی لکڑی پھول کر حلقہ میں اس مضبوطی سے بیٹھ گئی کہ وہ کسی صورت ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں سرک سکتی تھی امسلوپوگاس اس ضروری کام سے فرصت پا گیا تو میں نے کمرے میں جا کر اپنا وہ صندوق کھولا جو اس سفر میں اب تک کھولا نہیں گیا تھا اور جو ہر سفر میں میرے ساتھ ہی رہتا تھا ...... آپ کا کیا خیال ہے اس میں کیا چیز ہے ...؟

جی ہاں۔ باریک آہنی زنجیروں کی قمیص یعنی زرہ۔

قارئین نے اگر میرا پچھلا ناول "گنج سلیمان" پڑھا ہے تو انھیں معلوم ہوگا کہ اس مہم سے اگر ہم صحیح سلامت واپس لوٹے ہیں تو شاہ کوکوآنہ ٹوالہ کی عنایت کردہ زرہوں کے سبب۔ چنانچہ موجودہ مہم پر روانہ ہونے سے پہلے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی حفاظت کی خاطر زرہیں بنالی جائیں۔ اس خیال کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اب زرہ کا رواج نہیں تھا۔ اس لئے کسی زرہ ساز کا ملنا محال تھا لیکن خوش قسمتی سے برمنگھم میں ہمیں ایک ایسا اسلحہ ساز مل گیا جو زرہیں نہیں تو اس سے

ملتی جلتی کوئی چیز ضرور بنا سکتا تھا۔ اس اسلحہ ساز کو منہ مانگی اجرت دے کر ہم نے یہ زرہیں بنوائی تھیں۔ اسلحہ ساز نے بڑی کاریگری سے آہنی تار دں کا جال سا بن کر اس میں نہایت مضبوط کڑیاں لگا دی تھیں۔ یہ آہنی قمیض بلکہ بنیائن کہنا مناسب ہو گا میرے جسم پر بالکل فٹ آتی تھی اور اسی قدر ہلکی پھلکی تھی کہ میں نے اسے مسلسل تین روز تک اپنے جسم پر چڑھائے رکھا اور میرے جسم پر معمولی خراش تک نہ آئی۔ ہنری کی زرہ کچھ زیادہ ہی بوجھل تھی اور اس کے دو حصے تھے ایک تو وہی حصہ جسے میں نے بنیائن کہا تھا اور ایک آہنی کوٹ بنیائن کے اوپر پہننے کے لئے جو گھٹنوں تک آتا تھا۔ ان قمیضوں کے علاوہ چار فولادی ٹوپیاں بھی تھیں جنہیں سہولت کی خاطر کنٹوپ کہہ سکتے ہیں لیکن اگر فولادی کنٹوپ کہیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ بہر حال یہ فولادی کنٹوپ کھوپڑی اور کنپٹی کا بچاؤ بخوبی کر سکتے تھے۔

اس گولا بارود کے زمانہ میں زرہ بکتر کا استعمال تعجب خیز امر ہے اور ساتھ ہی مضحکہ خیز بھی۔ بندوق کی گولی کے سامنے یہ چیزیں کسی کام کی نہیں لیکن افریقہ کے جنگلات میں بسی ہوئی وحشی اقوام میں دست بدست جنگ کا صدیوں پرانا طریقہ رائج تھا۔ چنانچہ ان کے جنگی ہتھیاروں مثلاً تلوار اور نیزہ اور کلہاڑے کے سامنے یہ زرہیں بڑی کار آمد چیز ثابت ہوتی تھیں۔

بات کہاں سے کہاں تک جا پہونچی۔ خیر تو مطلب یہ کہ میں نے اپنے آپ کو مبارکباد دی کہ زرہیں اپنے ساتھ لیتا آیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ نمک حرام باربردار اور چیزوں کے ساتھ اس صندوق کو نہیں لے گئے تھے۔

ہنری اوپر تلے دونوں زرہیں پہننا چاہتا تھا اور اس جیسے دیو قامت

شخص کے لئے ان کا بوجھ برداشت کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن میں نے اس سے کہا کہ وہ ایک ہی زرہ پہنے اور ایک امسلوپوگاس کو دے دے کیونکہ اسے بھی اپنے بچاؤ کے لئے زرہ اتنی ہی ضروری تھی جتنی کہ ہنری کے لئے۔ ہنری نے بڑی خوشی سے میری اس تجویز کو منظور کر لیا اور فوراً ہی امسلوپوگاس کو آواز دی وہ ہنری کا کلہاڑا اپنے ہاتھ میں لئے نمودار ہوا۔ ہم نے زرہ اسے دے کر کہا کہ وہ اسے پہن لے۔ پہلے تو وہ اسے الٹ پلٹ کر بڑے غور سے دیکھتا رہا اور پھر یہ کہتے ہوئے کہ وہ پچھلے کئی سالوں سے یوں ہی ننگے بدن لڑتا رہا ہے اور اب اسے آہنی کھال کی ضرورت نہیں اس نے زرہ لوٹا دی۔ میں نے اسے قائل کرنے کے لئے ایک زرہ کو فرش پر بچھا دیا اور نیزہ لے کر پوری قوت سے زرہ پر دے مارا۔ نیزہ پکے فولاد پر پڑ کر اچٹ گیا۔

اس نمائش سے وہ نیم رضامند ہو گیا اور جب میں نے اس سے کہا کہ اسے پہن کر وہ محفوظ رہے گا اور اسے چونکہ ڈھال کی بھی ضرورت نہ ہو گی۔ اس لئے وہ بآسانی دونوں ہاتھوں سے کلہاڑا چلا سکے گا تو وہ راضی ہو گیا۔ زرہ کو کچھ دیر الٹا سیدھا گھمانے کے بعد اس نے اسے اپنے جسم پر چڑھا لیا حالانکہ وہ ہنری کے لئے بنائی گئی تھی لیکن اس طویل القامت زولو کے جسم پر جلد کی طرح پھنس کر آ گئی۔ ہنری اور امسلوپوگاس قد میں یکساں تھے۔ پہلی نظر میں ہنری امسلوپوگاس کے مقابلے میں زیادہ تگڑا نظر آتا تھا لیکن یہ صرف نظری دھوکا تھا اور کچھ نہیں۔ البتہ دونوں کے ہاتھوں میں نمایاں فرق تھا۔ ہنری کے ہاتھ موٹے موٹے ٹہنوں ایسے تھے اور امسلوپوگاس کے لچکدار پتلی ٹہنیوں ایسے مگر فولادی تاروں ایسے مضبوط۔ جب وہ دونوں آہنی قمیض پہن کر آئے تو میں حیران رہ گیا اور یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ سفید اور سیاہ دیو مل کر تنہا بیس دشمنوں

کامقابلہ کرسکتے ہیں۔

رات کے ایک بجے ہمارے جاسوس واپس آئے۔

ان کی رپورٹ کے مطابق مسائی ہیلیوں کا خون پی چکنے اور گوشت کے لوتھڑے ڈٹ کر کھانے کے بعد الاؤ کے گرد سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے کرال کے ہر دروازے ہر شگاف پر مسلح سنتری بٹھا دیئے تھے۔ پھر جاسوسوں نے کہا کہ فلوسی اور اس کی ملازمہ کرال کی مغربی دیوار کے قریب بیٹھی ہوئی ہیں۔ گدھا بھی موجود ہے۔ فلوسی کے ہاتھ پیر مضبوط رسی سے بندھے ہوئے ہیں اور اس کے چاروں طرف لاتعداد مسلح سپاہی سونے کی تیاریوں میں مصروف ہیں یا بیٹھے گپ اڑا رہے ہیں

اب چونکہ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اس لئے ہم نے رات کا کھانا کھایا اور چند گھنٹوں کی نیند لینے کے لئے اپنے بستروں پر دراز ہو گئے۔ امسلوپوگاس بڑی بے تکلفی سے کمرے کے فرش پر لمبا لمبا لیٹ گیا اور آنے والے خونی واقعات سے بے پرواہ جلد ہی گہری نیند سو گیا۔ پتہ نہیں دوسرے نیند لے سکے یا نہیں؟ لیکن میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ نیند کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ ایسے موقع پر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خوف دہراس مجھ پر مسلط ہو جاتے ہیں اور اب چونکہ میرے ابتدائی جوش و خروش کا بیشتر حصہ صرف ہو چکا تھا اس لئے اب میں ہر بات پر بغیر جذبات کے غور کر سکتا تھا۔ سچ پوچھئے تو میں ہنگاموں اور جنگ و جدل سے کافی دور بھاگتا ہوں لیکن بدقسمتی دیکھئے کہ میں جس چیز سے بھاگتا ہوں وہی میرے سامنے آتی رہی ہے۔

ہماری جماعت گنتی کے تیس آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں سے اکثر ناتجربہ کار تھے اور پہلے کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے اس ناتجربہ کار جماعت کو لے کر

ہم افریقہ کے بہادر ترین اور سب سے غضبناک وحشیوں کا مقابلہ کرنے جا رہے تھے اور پھر ان کی تعداد بھی ڈھائی سو تھی۔ معاملہ کو اور بھی بھیانک روپ میں ظاہر کرنے کے لئے پتہ نہیں کہاں سے یہ خیال ٹپک پڑا کہ مسائیوں کی حفاظت کے لئے کرال کی دیوار یا فصیل موجود تھی اور ہمیں کھلے میدان میں رہ کر ان کا مقابلہ کرنا تھا اگر خدا نخواستہ کسی سنتری کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دوسرے مسائیوں کو ہوشیار کر دیا تو بازی الٹ جائے گی اور وہ ہماری تکا بوٹی اڑا دیں گے۔ مسائیوں کے جاگ پڑنے کا خدشہ کچھ زیادہ بھی تھا۔ فرض کیجئے کہ افراتفری میں وقت سے پہلے کسی کی بندوق ہی چل گئی تو پھر؟ اور اس "پھر" کے جواب میں تصور نے ایسی بھیانک تصویر پیش کی کہ میں کانپ اٹھا۔ کامیاب ہونے کی امید بہت کم تھی۔ بہت ہی کم اور اگر ہم بہ فرض محال کامیاب ہو گئے تو واقعہ کسی صورت معجزے سے کم نہ ہو گا۔

میرا بستر جس پر پڑے میں ان بھیانک خیالات میں الجھا ہوا تھا۔ اس کھڑکی کے بالکل قریب تھا جو برآمدے میں کھلتی تھی۔ میں پتہ نہیں کب تک خیالات میں الجھا رہا کہ دفعتاً برآمدے میں کسی کی دبی دبی کراہیں اور ساتھ ہی رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے تو میں بستر پر پڑے ہی پڑے سوچنے لگا کہ یہ کیا بلا ہو سکتی ہے۔ آخر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو اپنے بستر سے اٹھا اور کھڑکی سے گردن نکال کر برآمدے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک طرف ایک سایہ نظر آیا جو گھٹنوں کے بل بیٹھا سینہ کوبی میں مصروف تھا میں بھونچکا رہ گیا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے بھلا؟"

میں نے غور سے دیکھا اور جلد ہی ایلفونسے کو پہچان لیا لیکن پتہ نہیں وہ فرانسیسی زبان میں کیا الٹی سیدھی باتیں بڑبڑا رہا تھا۔ باوجود کوشش کے

میں کچھ سمجھ نہ سکا چنانچہ میں نے اسے آواز دی۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم؟" میں نے پوچھا۔

"پیشگی دعا کر رہا تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"آہ جناب۔ صبح ایک دم خون خرابہ ہوگا اور ان گنت لوگ میرے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں کی روحوں کے لئے جو میری بندوق کی گولی کا نشانہ بنیں گے۔ میں مغفرت کی دعا کر رہا تھا۔ چونکہ کل میدان جنگ میں ہر شخص کی روح کے لئے جو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ الگ الگ دعا مانگنا مشکل ہے اس لئے میں نے سوچا کہ سب کے لئے بہ یک وقت پیشگی ہی دعا مانگ لوں۔ تاکہ کسی کو مارتے وقت مجھے اطمینان رہے کہ وہ میری دعا کے اثر سے بے حساب کتاب سیدھا جنّت میں جائے گا۔"

"بس بس۔" میں نے اپنی ہنسی کو مصنوعی غصے میں تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں صائیوں سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو اپنی دعا ذرا نیچے سروں میں مانگو کہ دوسروں کی نیند حرام نہ ہو۔"

ابلفونسے نے اپنا سر خم کیا اور رخصت ہوا۔ پھر صبح تک اس کی کراہیں سنائی نہ دیں۔ وقت گزر رہا تھا اور میرے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ "کیا ہوگا؟ کیا ہوگا" کسی گوشے میں چھپا ہوا جھینگر مسلسل چلا رہا تھا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا اور اس سکوت میں ہوا کی "سائیں۔ سائیں۔" یوں معلوم ہو رہی تھی جیسے موت اپنے پر پھڑپھڑا رہی ہو۔"

خاموشی، گہری خاموشی، اور اس خاموشی میں میں اپنے دل کی دھڑکن کی آواز سے خوفزدہ ہو رہا تھا۔ "دھک دھم۔ دھک دھم۔" جیسے وہ باہر نکلنے

کے بے پیاموں سے ٹکرا رہا تھا۔ نیند غائب تھی۔ املوپوگاس معصوم بچے کی سی بے فکر نیند سو رہا تھا۔ میرے تمام ساتھی سو رہے تھے لیکن مجھ بدنصیب کی آنکھ پل بھر کے لئے بھی نہ جھپکی کہ میں ان بھیانک خیالات سے چھٹکارا پا سکتا۔ وقت گزرتا گیا۔ رات گزرتی گئی۔

کھڑکی کے قریب ایک سایہ آ کھڑا ہوا اور اس نے بڑی آہستگی سے مجھے پکارا میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ مسٹر میکنزی تھے۔

"تین بج چکے " انھوں نے کہا "ساڑھے تین بجے ہمیں روانہ ہو جانا چاہیئے"

"آپ برآمدے میں کیوں کھڑے ہیں؟ اندر آ جائیے نا؟" میں نے کہا۔

مسٹر میکنزی کمرے میں آ گئے اور اگر اس وقت مجھ پر خوف مسلط نہ ہوتا تو میں مسٹر میکنزی کی ہیئت دیکھ کر قہقہہ مار کر ہنس پڑتا۔ وہ لمبا سیاہ مبلغوں کا ڈھیلا کوٹ پہنے تھے اور سر پر اسی رنگ کی بڑی چھجے والی ہیٹ دھری ہوئی تھی۔

"بات یہ ہے مسٹر کوارٹرمین کہ سیاہ لباس رات کی تاریکی میں ایسے کام کے لئے نہایت موزوں ہوتا ہے" انھوں نے تشریح کی ان کے ایک ہاتھ میں بندوق تھی اور کمر کے گرد ربڑ کی چوڑی بیلٹ لپٹی ہوئی تھی۔ بالکل ایسی ہی جیسی کہ اسکول میں تعلیم حاصل کرتی ہوئی لڑکیاں لپیٹے رہتی ہیں۔ اس بیلٹ میں ایک طرف چاقو اڑسا ہوا تھا اور دوسری طرف پستول۔

"دوست" انھوں نے میری نگاہوں کا رخ پہچانتے ہوئے کہا "شاید تم چاقو دیکھ کر حیران ہو رہے ہو لیکن میں نے سوچا کہ اگر کہیں دست بدست لڑائی چھڑ گئی تو پستول بیکار ثابت ہوگا اس لئے پستول کے ساتھ چاقو بھی رکھ لیا کہ بوقت ضرورت کام آئے"

اس عرصہ میں دوسرے لوگ اٹھ چکے تھے اور اپنے طور پر مسلح ہونے میں

مصروف تھے۔ میں نے آہنی قمیض کے نیچے کوٹ پہن لیا کہ اس کی جیبوں میں کارتوس رکھ سکوں۔ بندوق تو لی ہی تھی۔ ساتھ ہی پستول بھی رکھ لیا۔ گڈ نے بھی ایسا ہی کیا۔ البتہ ہنری نے صرف فولادی قمیض پہنی اور پیروں میں چرمی موزے چڑھا لئے جو گھٹنوں تک آتے تھے۔ زرہ کے اوپر پستول کی پیٹی لگائی

ہم تو اپنے کمرے میں مسلح ہونے میں مصروف تھے اور باہر "دیدبان" درخت تلے امسلوپوگاس جنگ میں شریک ہونے والے لوگوں کا معائنہ کر رہا تھا کہ وہ ٹھیک طور پر مسلح ہوئے یا نہیں؟

عین وقت پر ہمیں اپنے دستوں میں تبدیلی کرنی پڑی۔ ہوا یوں کہ ہمارے دستے میں دو شخص ایسے موجود تھے جو بندوق چلانا نہیں جانتے تھے لیکن نیزہ پھینکنے میں استاد تھے۔ ہم نے ان سے بندوقیں لے کر نیزے پکڑائے اور انہیں امسلوپوگاس، ہنری اور وکواف کے ساتھ کہہ دیا کہ ان تینوں کے ساتھ کرال کی جھاڑیاں والے دروازے پر کھڑے رہ کر بھاگے ہوئے سپاہیوں پر اپنے نیزوں کی تیزی آزمائیں۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی تھا کہ صرف تین بہادر چاہے وہ کتنے ہی بہادر کیوں نہ ہوں۔ اس کٹھن کام کو انجام نہیں دے سکتے تھے اب ان کی تعداد پانچ تھی اور ہم ان کی طرف سے مطمئن۔ اور اب تمام تیاریاں مکمل تھیں۔

ہم سرد، خاموش اور اندھیری رات میں کھڑے روانگی کے وقت کے منتظر تھے۔ شاید یہ سب سے زیادہ صبر آزما گھڑی تھی۔ وقت جیسے تھم گیا تھا۔

پاؤ گھنٹہ۔ صرف پندرہ منٹ۔ لیکن ایک ایک منٹ پہاڑ ہو رہا تھا۔ اس پہ گہری خاموشی، ہوا کی سائیں سائیں اور آنے والی جنگ کا خیال کسی کا بھی خون منجمد کرنے کے لئے کافی تھا۔

ایک بار کسی مجرم کو پھانسی دی جانے والی تھی اور اسے دیکھنے کے لئے اس روز میں منہ اندھیرے ہی اٹھ بیٹھا تھا۔ اس وقت مجھ پہ ایک عجیب قسم کا خوف اور سنسنی طاری ہو گئی تھی۔ بالکل اسی سے ملتی جلتی حالت اس وقت ہو رہی تھی۔ وہی خوف وہی سنسنی اور ایک سوال کہ پتہ نہیں کیا ہو گا۔ البتہ اس خوف اور سنسنی کی نوعیت بالکل الگ ہی تھی۔ اس وقت جیسے میں خود پھانسی کے تختے کی طرف جا رہا تھا۔

آپ نے کسی مریض کو آپریشن تھیٹر میں جاتے ضرور دیکھا ہو گا؟ کیسی حسرت سے وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور کتنی درد بھری نگاہوں سے اپنے رشتہ داروں کی صورت تکتا ہے۔ عجیب سی حالت ہوتی ہے اس کی۔ موت کا دھڑکا اور زندگی کی خواہش۔ میری بھی کچھ ایسی ہی حالت ہو رہی تھی۔ نہ صرف میری بلکہ شاید ہر شخص کے دل کی یہی حالت تھی۔ یہ تمام لوگ، جو خاموش کھڑے تھے بخوبی جانتے تھے کہ ان میں سے کئی ایک یا تمام نے تمام کو دوبارہ مستقر میں آنا نصیب نہ ہو گا۔ شاید آج رات ان کے بے جان جسموں پر گیدڑ رقص کر رہے ہوں گے۔ ایک ایک لمحہ جو گزر رہا ہے ممکن ہے ہم کو موت کے قریب لئے جا رہا ہو۔ ہو سکتا ہے کل رات طلوع ہونے والا چاند ہمارے کٹے پھٹے اجسام پر اپنی نورانی کرنیں بکھیر دے۔ او خدا۔ کتنا بھیانک خیال، کتنی آزمائش گھڑی۔

سر ہنری جیسا دلیر شخص بھی بار بار بے چین ہو کر اپنے کلہاڑے کو یوں

دیکھنے لگتا جیسے اسے شک ہو کہ عین وقت پر کہیں یہ ہتھیار دغا نہ دے جائے کپتان گڈ ہر پانچ سکنڈ کے بعد اپنی یک چشمی عینک صاف کرنے لگتا اور اس کی یہ حرکت اس کے دلی جذبات کی آئینہ داری کر رہی تھی۔ ہاں ایک امسلوپو گا س تھا جو اپنے کلہاڑے پر جھکا بڑی بے پروائی سے نسوار کو اپنی ناک کے پھیلے پھیلے نتھنے میں چڑھا رہا تھا۔

چاند ڈوب گیا۔

کافی دیر سے وہ ایک بلند درخت کی آخری ٹہنی میں اٹکا ہوا تھا۔ دور افق مغرب پر روشنی کی دودھیا لکیر نظر آ رہی تھی اور بس، تاریکی گہری تاریکی اور چاند کے ساتھ ہی ساتھ میرا دل بھی ڈوبنے لگا۔ جن حضرات نے ہمارے کارناموں کی پہلی داستان "گنج سلیمان" کو پڑھا ہے وہ جانتے ہوں گے کہ کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی میرے قدم نہیں ڈگمگائے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں اس وقت ایک نامعلوم خوف میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا اور باوجود کوشش کے میں اس سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکا خدا جانے ایسے موقع پر مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ کوکوآنہ میں میں جب امبوپا کے ساتھ مل کر ٹوالہ سے لڑا تھا تب بھی میری ایسی ہی حالت ہوئی تھی[لے]

مسٹر میکنزی دائیں ہاتھ میں گھڑی لئے بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ اور بائیں بازو سے چھپکلی کی طرح چپکی ہوئی ان کی بیوی اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"چار بجنے میں بیس منٹ باقی ہیں"۔ مسٹر میکنزی نے نیچی آواز میں کہا۔

لے :۔ ملاحظہ ہو ناول "گنج سلیمان" (مظہر الحق علوی)

اور اگر چار بج کر بیس منٹ پر حملہ کیا جائے تو میرے خیال سے اس وقت تک کافی روشنی ہو جائے گی۔ لہٰذا اب روانہ ہو جانا چاہئے۔"

گڈ نے آخری بار اپنی عینک کو صاف کر کے آنکھ پر جمایا اور نہایت خوش دلی سے گردن ہلا کر ہمیں سلام کیا لیکن اس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ ایسا کرنے ہوئے اسے کافی روحانی اذیت برداشت کرنی پڑی ہے۔ آخر میں اس نے اپنا ٹوپ اٹھا کر مسٹر میکنزی کو سلام کیا اور اپنی چھوٹی جماعت لئے کرال کی طرف مقررہ مقام پر قبضہ جمانے چل دیا۔ مستقر کے باشندے جو گڈ کے ساتھ تھے راستوں سے بخوبی واقف تھے اس لئے ان کے بھٹک جانے کا کوئی خدشہ نہ تھا۔

گڈ کو رخصت ہوئے ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے ایک جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ مسائیوں کے کیمپ میں سنتریوں کے علاوہ ہر شخص بڑا خراٹے لے رہا ہے اور اب دوسری جماعتوں نے روانہ ہونا شروع کیا۔ پہلے ایک راہبر پھر ہنری، املوپوگاس۔ ہمارا دوکافی ملازم اور مستقر کے وہ باشندے جو بندوق چلانا نہ جانتے تھے باری باری ہم سے رخصت ہوئے اور ان کی روانگی کے پانچ منٹ بعد میں اور ایلفونسے پانچ باشندوں کے ساتھ روانہ ہوئے مسٹر میکنزی چھ باشندوں کے ساتھ میرے پیچھے چلے۔

وہ کرال جہاں مسائیوں نے اپنا کیمپ قائم کیا تھا مستقر کے ٹیلے کے قدموں میں اور خاص مستقر سے کوئی آٹھ سو گز کے فاصلہ پر واقع تھا پہلے پانچ سو گز بڑی آسانی سے طے ہو گئے لیکن اس کے بعد ذرا کٹھن راہ شروع ہوئی ہم سب نہایت خاموشی اور ہوشیاری سے ٹمکار کی طرف بڑھتے ہوئے

چیتے کی طرح آگے بڑھنے لگے۔ چاروں طرف گھنی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور ہم بھوتوں کی طرح ایک جھاڑی کے عقب سے نکل کر دوسری جھاڑی کے پیچھے جا چھپتے۔

کچھ دور جانے کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میرے پیچھے ہی ایلفونسے چلا آرہا تھا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ کاغذ ایسا سفید ہو رہا تھا اور اس کی بندوق کی نالی (بندوق کا گھوڑا چڑھا ہوا تھا) میری گدی پر منڈلا رہی تھی میں نے رک کر اس کی بندوق کی نالی کا رخ دوسری طرف موڑا اور ہم پھر آگے رینگنے لگتے یہاں تک کہ ہم کرال سے صرف سو گز دور رہ گئے۔ دفعتًا ایلفونسے کے دانت آپس میں بڑے جارحانہ طور پر بجنے لگے۔

"اگر تم نے اپنی اس منحوس کھٹ کھٹ کو بند نہ کیا تو میں تمہیں مار ڈالوں گا" میں نے دہشت زدہ ہوتے ہوئے کہا: "ایک بیوقوف باورچی کی بزدلی ہماری زندگیاں لے سکتی تھی۔ اس کے دانت اب اس زور سے بج رہے تھے کہ مجھے یہ خوف دامنگیر ہو گیا کہ کہیں اس بے وجہ کھٹ کھٹ سے مسائی جاگ نہ پڑیں اور ہماری تدبیر الٹ نہ جائے اس کے دانت بجنے کی آواز اس خاموشی میں کافی دور تک سنی جا سکتی تھی اور اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ہم ایلفونسے کو ساتھ نہ لیتے تو بہتر تھا۔

میں حیران تھا کہ اس مصیبت کا کیا علاج ؟ دفعتًا ایک تدبیر ذہن میں آئی۔ خوش قسمتی سے کوٹ کی جیب میں کپڑے کا ایک ٹکڑا جس سے میں اپنی بندوق صاف کیا کرتا تھا پڑا ہوا تھا۔

"یہ کپڑا اپنے دانتوں تلے دبا لو" میں نے بدرنگ چیتھڑا اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا: "اور یاد رکھو اگر اب تمہارے دانت بجے تو تم مر چکے ہو گے۔"

اس دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے چیتھڑا دانتوں تلے دبا لیا اور سہمے ہوئے بچے کی طرح میرے پیچھے ہولیا۔ اب اس کے دانت نہیں بج رہے تھے۔

ہم پھر رینگنے لگے۔

اور اب ہم کرال سے صرف پچاس گز کے فاصلے پر تھے۔ ہمارے اور کرال کے بیچ میں ڈھلواں میدان پھسلتا چلا گیا تھا۔ جس میں کہیں کہیں چھوٹی موٹی قسم کی جھاڑیاں اور گوکھرو بکھرے ہوئے تھے اور ہم ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

تاریکی نے اپنا دامن سمیٹا۔ تارے دھندلے ہوتے چلے گئے اور مشرقی افق پر سفیدی کی ایک لکیر ابھر آئی۔ کرال کی دیوار ہمیں یہاں سے دھندلی دھندلی نظر آرہی تھی اور کرال میں لاتعداد الاؤ میں بجھتے ہوئے انگاروں کو بھی ہم دیکھ سکتے تھے۔

ہم دم سادھے مسائی کیمپ کی طرف چلتے رہے۔ کیونکہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ کرال کے دروازے پر سنتری موجود ہیں اور پھر فوراً ہی ہمیں دیو قامت سنتری کا سایہ نظر آیا۔ ہم نے سوچا یہ ہم سنتری کو سویا ہوا پائیں گے لیکن ہمارا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ وہ کمبخت اب تک جاگ رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ پہرہ دیتے ہوئے لڑکھڑا رہا تھا۔ "اگر ہم اس سنتری کو خاموشی سے قتل کرنے میں ناکام رہے تو پھر تمام کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔"

ہم اسی جھاڑی کے پیچھے خرگوش کی طرح دبک کر بیٹھ گئے اور اس خوف سے کہ کہیں وہ ظالم سنتری خبردار نہ ہوجائے ہم سانس بھی بڑی آہستگی سے لے رہے تھے۔ کلاسنتا ملوپو گاس نے جو ہم سے کئی قدم آگے تھا پلٹ کر کچھ اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحے زرد سانپ کی طرح پیٹ کے بل آگے کی طرف رینگ رہا تھا۔

سنتری اپنا دوسرا رخ دوسری طرف پھیرتا اور اسلوپوگاس پھرتی سے آگے کی طرف رینگ جاتا اور پھر بے حس و حرکت زمین سے چپک کر پڑا رہتا۔

بے خبر سنتری ترنگ میں آکر کچھ گنگنانے لگا اور اسلوپوگاس رینگ کر ایک جھاڑی کے پیچھے جا چھپا۔ سنتری گردن اٹھا کر اِدھر اُدھر جھانکنے لگا اور اسلوپوگاس جھاڑی کے پیچھے سے نکل کر گوکھرو کے ڈھیر کے عقب میں جا چھپا۔ شاید سرسراہٹ کی آواز سے سنتری چونک کر پلٹا اور گوکھرو کے ڈھیر کی طرف بغور دیکھنے لگا۔ اس نے جھک کر ایک ڈھیلا اٹھایا اور گوکھرو کے ڈھیر کی طرف کھینچ مارا۔ ڈھیلا اسلوپوگاس کی کھوپڑی پر پڑا لیکن اس نے اف تک نہ کی۔ خدانخواستہ اگر ڈھیلا آہنی قمیض پر پڑا ہوتا تو ہمارا راز طشت ازبام ہو جاتا۔ خوش قسمتی سے وہ بھورے رنگ کی تھی مگر چمکدار نہ تھی۔

سنتری مطمئن ہو گیا اور مزید تحقیق کرنے کی تکلیف گوارہ کئے بغیر اس نے اپنی ٹھوڑی نیزے پر ٹکا دی اور گوکھرو کے ڈھیر کی طرف تکنے لگا۔ تین منٹ تک وہ یونہی کھڑا رہا اور ہم اپنی کمین گاہ میں اس خیال سے کانپتے رہے کہ کہیں اسے ہماری موجودگی کا علم نہ ہو جائے۔ ایلفونسے کے دانت نیل آلود چھتڑے پر بجنے لگے میں نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔

"لیکن جناب میں جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کر رہا ہوں۔" اس نے چھتڑے کو اندر ٹھونستے ہوئے کہا: "اب دانت میرے اختیار میں تو ہیں نہیں کہ میں انہیں حکم کروں اور وہ تعمیل کریں لیکن کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ بزدلی کے سبب میرے دانت بج رہے ہیں۔ یہ بات نہیں۔ ہوا ذرا سرد ہو گئی ہے اور میں چونکہ کوئی اونی کپڑے پہنے ہوئے نہیں اس لئے سردی برداشت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"خاموش" میں نے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر اسے ڈانٹ بتائی۔ "اب تیرے دانت بجے تو خدا کی قسم تیری بتیسی ہی توڑ دوں گا۔"

لیکن میرا اپنا حال یہ تھا کہ دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا جسم پسینہ میں شرابور تھا اور قمیض پسینہ کے سبب جلد سے چپک کر مجھے بے چین کر رہی تھی۔

سنتری نے مشرقی افق کی طرف دیکھا اور شاید یہ جان کر کہ اب اس کی ڈیوٹی کا وقت ختم ہو رہا ہے اس کے چہرے پر اطمینان اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ ملے اور جسم میں گرمی پیدا کرنے کے لئے تیز تیز قدم اٹھا کر گھومنے لگا۔ جیسے ہی وہ گھوما املوپوگاس دوسرے ڈھیر کے پیچھے، جو سنتری سے چند قدم کے ہی فاصلے پر تھا جا چھپا۔

سنتری پلٹا اور اپنے پیچھے رینگتے ہوئے خطرے سے بے خبر گوکھرو کے ڈھیر کے قریب سے گزرا اگر وہ یونہی گردن موڑتا تو یقیناً املوپوگاس کو دیکھ لیتا لیکن وہ اپنے خیالات میں مگن ناک کی سیدھ میں تکتا رہا، سنتری ڈھیر کے قریب سے گذر گیا۔ املوپوگاس اٹھا اور ہاتھ پھیلا کر سنتری کے پیچھے ہو لیا جیسے اسے آغوش میں لینا چاہتا ہو۔ ایک منٹ، دو منٹ، سنتری پلٹا اور اس سے پہلے کہ وہ ہوشیار ہو۔ طویل القامت زولو نے اسے دبوچ لیا۔ دھندلی روشنی میں میں نے دیکھا کہ املوپوگاس کے نیلے لچکدار ہاتھ مسائی کی گردن کے قریب لپٹے ہوئے دور تک چلے گئے۔ وہ پھر اٹھے اور اب میں نے دیکھا کہ مسائی کا سر پیچھے کی طرف جھک رہا تھا۔ پیچھے اور پیچھے۔ پھر "کڑاک" کی ہلکی سی آواز سنائی دی جیسے خشک ٹہنی کو توڑا گیا ہو اور مسائی ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپنے لگا۔

املوپوگاس نے اپنی تمام آہنی قوت صرف کر کے مسائی کی گردن توڑ دی تھی

کچھ دیر تک وہ تڑپتے ہوئے ماسائی کے سینہ پر گھٹنہ ٹیکے کھڑا رہا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ اس تڑپتے ہوئے شخص سے اب کوئی خطرہ نہیں تو وہ اٹھا اور ہمیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور ہم بندروں کے گروہ کی طرح ہاتھوں اور پیروں پر چلتے ہوئے آگے بڑھے۔

کرال کے قریب پہونچے تو پتہ چلا کہ ماسائیوں نے کچھ اور بھی احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں جھاڑیوں والے دروازے کے بیچ میں جو دس مربع فٹ کھلی جگہ آنے جانے کے لئے تھی اسے خاردار جھاڑیوں کے ذریعہ بند کر دیا گیا تھا۔

"چلو یہ اچھا ہوا" میں نے سوچا "راستہ جتنا بھی تنگ ہو گا اور جتنی بھی زیادہ ماسائیوں کی راہ میں رکاوٹ ہو گی۔ اتنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہو گا کیونکہ اس طرح سے ماسائی تیزی سے بھاگ نہ سکیں گے اور پریشان ہو کر ہماری بندوقوں کے سامنے چلے آئیں گے۔

اور یہاں پہونچ کر ہر شخص اپنی اپنی جماعت لئے مقررہ جگہ پر قبضہ کرنے چلا۔ مسٹر میکنزی دیوار کے سائے میں رینگتے ہوئے بائیں طرف چلے۔ امسلوپوگاس اور مزی جھاڑیوں دار دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے اور ہمارا وکرانی ملازم مع مستقر کے دو باشندوں کے دروازے کے بالکل سامنے جا کھڑا ہوا میں نے اپنی جماعت کے ساتھ دائیں طرف رخ کیا ہمیں صرف چند قدم کا ہی فاصلہ طے کرنا تھا۔

مقررہ جگہ پر پہونچ کر میں نے اپنے آدمیوں کو بکھیر دیا۔ وہ ایک دوسرے سے چند قدم کے فاصلہ پر بندوقیں تانے کھڑے ہو گئے اور میں الیفو نسے کو لیکر چند قدم آگے بڑھ گیا اور اب میں نے اچک کر پہلی بار دیوار کی پرلی طرف کرال میں دیکھا سب سے پہلے جس چیز پر میری نظر پڑی وہ نلوسی کا گدھا تھا اور اس کے قریب ہی

دیوار سے کوئی دس قدم دور فلوسی بیٹھی ہوئی تھی وہ بار بار گردن اٹھا کر مشرق کی طرف دیکھتی اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا۔ اس کے چاروں طرف ان گنت سائے پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ چاروں طرف الاؤ کی راکھ میں آتشیں چنگاریاں چمک رہی تھیں اور بیرا الاؤ کے گرد جس طرح بیس سانپ پڑے سو رہے تھے کبھی کبھار کوئی سانپ جماہی لیتا اٹھ بیٹھتا اور طویل انگڑائی کے بعد مشرق کی طرف دیکھتا اور پھر بڑبڑاتا ہوا ڈالی سے لپٹ جاتا۔

طے یہ ہوا کہ سب سے پہلے میں بندوق داغوں جسے جنگ کا سگنل سمجھا جائے میں نے سوچا کہ پانچ منٹ اور رک جاؤں تاکہ اور زیادہ روشنی پھیل جائے اور ہم آسانی سے گولیاں چلا سکیں۔ ابھی تک علاوہ گڈو کی موجودگی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ایک یہ بھی خیال تھا کہ ان پانچ منٹوں میں گڈو بھی اپنی جگہ پہ پہنچ جائے گا۔

سیال چاندی ایسی روشنی نے کوہ و بیاباں کو روشن کر دیا۔ دور کوہ کلیمنجارو کی بلند کگر ابھرا تھا نظر آنے ہوئے سورج کی پہلی کرن لجاتی شرماتی نیچے اتر آئی اور کلیمنجارو کی برف پوش چوٹی پر سونا بکھر گیا۔ آسمان اور بھی نیلا ہو کر شفیق ماں کی طرح ملائمت سے مسکرا اٹھا۔ سحر خیز طیور نے جنگل سر پر اٹھا لیا۔ نسیم سحری نے جھاڑیوں کو گدگدا کر بیدار کر دیا۔ ہر طرف سکون تھا۔ ہر طرف مسرت تھی لیکن ہمارے خوفزدہ دل اس سہانی صبح سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔

میں نے سگنل دینے کے لئے بندوق کا گھوڑا چڑھایا۔ میں نے اپنا شکار بھی تاک لیا تھا کہ فلوسی کے قریب لیٹا ہوا دیو قامت سانپ کلبلایا اور ساتھ ہی ایلفونسے کے دانت بج اٹھے۔ اس کے دانتوں تلے دبا ہوا چنھڑا غائب تھا اور وہ یوں بج رہے تھے جیسے زراف بھاگ رہے ہوں اور کبھی دور سے

ان کی ٹاپوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہم سب ٹیلوں کے پیچھے دبکے تھے کہ دفعتاً جیسے بڑا ہوا الغوزہ اٹھ بیٹھا اور حیرانی اور غصے سے اس عجیب و غریب آواز کو سننے لگا۔ میں نے بلا کر اپنی بندوق کی نالی الغوزے کے منہ پر رکھ دی۔ الغوزے نے سہم کر بڑی کوششوں کے بعد اپنا منہ بند کیا لیکن اس کوشش میں اس کی بندوق چل گئی اور گولی سنسناتی ہوئی میرے کان کے قریب سے گزر گئی۔

اب سگنل دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

کراں کے دونوں طرف سے تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔ میں بھی اپنی بندوق خالی کرنے لگا سب سے پہلے اس سپاہی کو نشانہ بنایا جو فلوسی کے قریب کلبلایا تھا۔ اور الغوزے کی بندوق کی آواز کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ نعرہ کراں کے انتہائی سرے سے بے تحاشہ جنگی نعروں کی آوازیں آنے لگیں اور ان تمام آوازوں میں گنڈا کی بلند آواز سب سے الگ پہچانی جا سکتی تھی۔

خوف، حیرانی کے نعروں کے ساتھ دلیر خان سپاہی ہڑبڑا کر اٹھے اور دم بخود کھڑے سوچنے لگے کہ اچانک یہ بلا ان پر کہاں سے ٹوٹ پڑی؟ ان میں سے کوئی ایک ہلنے بھی نہ پائے تھے کہ خاک و خون میں لوٹنے لگے۔ پھر کراں کے انتہائی سرے سے آتی ہوئی چیخ و پکار کی آوازوں اور گولیوں کی بوچھاڑ سے گھبرا کر معاملے کی تحقیق کئے بغیر منہ اٹھائے جھاڑیوں والے دروازے کی طرف بھاگے۔ اور میں اس بھاگتے ہوئے ہجوم کے بیچ میں گولیاں چلانے لگا اور اتنی جلدی جلدی کہ میری بندوق خالی ہو گئی۔ میں اسے دوبارہ بھر رہا تھا کہ مجھے فلوسی کا خیال آیا میں نے گھبرا کر اس طرف دیکھا۔ گو وہ زمین پر لیٹا ہوا بے تحاشہ ہوا میں لاتیں چلا رہا تھا۔ بے چارہ یا تو ہماری ہی گولیوں کا نشانہ بن گیا یا پھر بھاگتے ہوئے سپاہی نے اسے زخمی کر دیا تھا۔ فلوسی کے آس پاس ایک بھی زندہ سپاہی نظر نہیں

آرہا تھا اور یہ ملازمہ جلدی جلدی وہ رسی کاٹ رہی تھی جس سے فلومی کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ دوسرے ہی لمحہ ملازمہ تیزی سے دیوار کی طرف بھاگی آرتھا تھی فلومی اس کے پیچھے تھی۔ وہ بے حد نازک تھی اور تیزی سے بھاگ نہیں سکتی تھی۔ دو سپاہیوں نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھا اور نیزے ہلاتے ہوئے اسے قتل کرنے کے لئے بڑھے۔ پہلا سپاہی فلومی کے قریب اس وقت پہونچا جب وہ دیوار پر چڑھنے کی کوشش میں پھسل کر نیچے جا پڑی تھی۔ سپاہی کے ہونٹوں پر غلیظ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنا نیزہ بلند کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ فلومی پر وار کرتا میری بندوق سے گولی سنسناتی ہوئی چلی اور اس کی پسلیوں کو چیر گئی۔ سپاہی دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھامے زخمی خرگوش کی طرح زمین پر لوٹنے لگا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے دوسرا سپاہی چلا آرہا تھا لیکن افسوس اب میری بندوق میں ایک بھی گولی باقی نہ تھی۔ فلومی اٹھی اور تن کر بڑھتے ہوئے سپاہی کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ ظالم لمحہ بہ لمحہ فلومی کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے اپنا منھ دوسری طرف پھیر لیا کہ اس معصوم بچی کو ظالم کے نیزے میں چھدا ہوا نہ دیکھ سکوں کچھ دیر بعد میں نے ڈرتے ڈرتے گردن گھمائی اور ایک حیران کن نظارہ دیکھا۔ سپاہی کا نیزہ زمین پر پڑا تھا اور وہ سر تھامے مدہوش شرابی کی طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ ابھی میں معاملے کی تہہ کو پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ فلومی کے ہاتھ سے دھوئیں کا بادل سا برآمد ہوا اور سپاہی تناور درخت کی طرح بے جان ہو کر گرا اور اب مجھے یاد آیا کہ فلومی کے پاس ہر وقت چھوٹا سا پستول موجود رہتا تھا

کچھ ہی دیر بعد فلومی دیوار کے قدموں میں کھڑی تھی اور دیوار پر بیٹھی ہوئی ملازمہ فلومی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اوپر کھینچ رہی تھی۔

یہ واقعات بیان کرنے میں کچھ زیادہ ہی وقت صرف ہوا لیکن حقیقت میں یہ تمام واقعات صرف چند سکنڈ میں ہی وقوع پذیر ہو گئے۔

میں نے اپنی بندوق پھر بھری اور بے تحاشہ گولیاں چلانے لگا اور اس وقت میں کرال کے بیچ میں کھڑے ہوئے گرد کے جائے ان لڑکوں پر گولیاں چلا رہا تھا جو دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یوں ہی گولیاں چلاتا ہوا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہونچ گیا اور پھر واپس پلٹا کرال میں ایک افراتفری مچی ہوئی تھی۔ میدان حشر کا سا سماں تھا نفسی نفسی کا عالم تھا اور ہر شخص منہ اٹھائے بس بھاگا جا رہا تھا جیسے اس کے پیچھے بھیڑیا ہو چیتا چلا آرہا ہو۔

اس عرصہ میں دو سو کے قریب مسائی جھاڑیوں والے دروازے کے سامنے جمع ہو چکے تھے۔ یہ لوگ گڈ اور اس کے دستے کے سامنے سے بھاگ کر آئے تھے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ وہ جس دستے کے سامنے سے بھاگے ہیں ان میں صرف دس غیر تربیت یافتہ سپاہی ہیں۔ یقیناً وہ یہی سمجھے ہوں گے کہ ان پر حملہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور یوں یہ لوگ ایک غلط فہمی کا شکار ہو کر اس طرف بھاگے چلے آرہے تھے شاید بد حواسی میں تمام لوگوں نے دروازے کا رخ کیا۔ ورنہ کرال کی دیوار اتنی بلند نہ تھی کہ پھلانگی نہ جا سکے۔ اگر انہیں دیوار پھلانگنے کا خیال آتا تو بہ یک وقت اتنے مسائی باہر آجاتے کہ ہمارے لئے ان کا مقابلہ کرنا ناممکن ہو جاتا لیکن وہ کہتے ہیں ناکہ خوف اور غصہ کی حالت میں انسان کی عقل ماری جاتی ہے سو وہی حالت مسائیوں کی تھی۔

پہلا مسائی جھاڑیوں کے بیچ میں بنے ہوئے سوراخ میں جا گھسا اور ابھی دوسری طرف نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ ہنری کا کلہاڑا بلند ہوا اور پوری قوت سے مسائی کی کھوپڑی

ہر پڑا ماسائی اف تک کئے بغیر مردہ ہو کر گرا اور جھاڑیوں میں الجھ گیا۔ کرال کے اندر کھڑے ہوئے ماسائی جو بھچکا رہ گئے۔ اور پھر شور و غل مچاتے باہر۔ اس وقت جھاڑیوں میں باہر نکلنے کا راستہ تنگ تھا اور ایک وقت میں صرف ایک شخص اندر داخل ہو سکتا تھا اور جو بھی ماسائی ریل پیل کر دروازے میں داخل ہوتا مردہ ہو کر گرتا۔ ہیری کا کلہاڑا اور امسلوپوگاس کا انکوسی کاس جلد جلد بلند ہو کر انسانی سروں پر گرنے لگے۔ جو ماسائی کلہاڑوں کی زد سے بچ گئے وہ ہمارے وکوافی ملازم اور ستاقی کے باشندوں کے نیزوں میں چھد گئے اور جو وہاں سے بھی بچ نکلے وہ ہیری اور مسٹر میکنزی کی گولی کھا کر گرے۔

دروازے پر نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔

ماسائی اپنے ساتھیوں کے مردہ جسموں کو روندتے ہوئے دروازے سے باہر آتے اور دانت کٹکٹا کر اپنے بوجھل نیزوں سے امسلوپوگاس اور ہیری پر وار کرتے لیکن ان کے نیزے اپنے حریفوں پر پڑ کر اچٹ جاتے اور دوسرے ہی لمحہ کلہاڑا ان کی کھوپڑی پر جا پڑتا۔

اگر کلہاڑا انسانوں سے بلند ہوتا اور "تڑاخ" سے کھوپڑی پر پڑتا تو میں سمجھ جاتا کہ یہ وار ہیری نے کیا ہے۔ امسلوپوگاس کی جنگ کا ڈھنگ نرالا تھا۔ وہ کبھی کبھار ہی کلہاڑے کا پھل استعمال کرتا۔ ورنہ وہ اپنی عادت کے مطابق کلہاڑے کے سرے پر بنی ہوئی چھیدنی سے ماسائیوں کے ماتھے پر گول گول سوراخ بنا دیتا بالکل ایسے ہی جیسے کٹھ بھوڑ سڑی ہوئی خستہ لکڑی پر اپنی چونچ سے چھید بنا دیتا۔ اس کا کلہاڑا بلند ہوتا اور ماسائی کے ماتھے پر پڑتا تو اس کی پیشانی پر خون کی دھار پھوٹ نکلتی اور وہ تیورا کر زمین پر گرتا اور اس وقت تک تڑپ کر ٹھنڈا ابھی نہ ہونے پاتا کہ دوسرا

مسائی اس پر گر کر تڑپنے لگتا اور یوں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اپنا کام بڑی سرعت سے انجام دے رہا تھا۔

گرڈا اپنے دستے کے ساتھ اب ہمارے سامنے آچکا تھا اور ضرورت تھی کہ ہم گولیاں چلانا بند کر دیں۔ بے تحاشہ گولیاں چلانے سے ہمارے ہی آدمیوں کے مارے جانے کا خدشہ تھا اور ایک غریب تو ہماری ہی گولی سے چھلنی ہو کر رہ گیا۔ مسائی مارے خوف اور غصے کے دیوانے ہو گئے اور ایک ہی وقت میں ریلا کر کے جھاڑیوں کو روندتے ہوئے دروازے سے باہر نکل آئے اور بچے ہوئے آدمیوں کی طرح ٹپاٹپ مردہ ہو کر گرنے لگے۔ انہوں نے دفعتاً گرڈا کو تنہا پا کر مسٹر مکنزی اور دوسرے تین آدمیوں کو اپنے سیلاب میں بہاتے ہوئے باہر میدان میں کھینچ لائے۔

اور یہ وہ وقت تھا جب ہم نے اپنے آدمیوں کو بڑی سرعت سے کھونا شروع کیا۔ سب سے پہلے ہمارا ایک ملازم منہ کے بل گرا اس کی پشت سے نکلی ہوئی نیزے کی نوک صبح کی دھندلی روشنی میں چمک رہی تھی۔ مسٹر مکنزی کے دونوں باشندے بھوکے ہوئے شیر کی طرح لڑتے رہے لیکن کب تک؟ آخر وہ بھی مارے گئے اور ان کا ساتھ ہمارے کئی آدمیوں نے دیا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ جنگ کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوتا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنی بندوق پھینک کر نیزہ اٹھا لیا اور اپنے ساتھیوں سے بھی ایسا ہی کرنے کو کہا۔ انہوں نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کی۔ اپنے ساتھیوں کو مرتے دیکھ کر انہیں جوش آ گیا تھا۔ وہ دانت کٹکٹاتے اور نیزے ہلاتے مسائیوں کی طرف لپکے۔

مسٹر مکنزی نے ہماری تقلید کی۔

ہماری اس حرکت سے مسائیوں پر رعب ضرور چھا گیا لیکن جنگ کا اب تک

میدان میں ہمارے غیر تربیت یافتہ سپاہی پورے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ وہ دشمنوں کو زخمی کر رہے تھے۔ انہیں قتل کر رہے تھے۔ اور خود بھی مر رہے تھے۔ ہنری کی بلند آواز ہماری ہمت بندھا رہی تھی۔ وہ جہاں بھی ہمارے سپاہیوں کو پسپا ہوتے دیکھتا اسی طرف دوڑ جاتا اور اس بیدردی سے دشمنوں کو قتل کرتا کہ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ ہنری اور اسلوپوگاس کے کلہاڑے تیزی سے بلند ہوتے اور انسانی سروں کی طرف بڑھتے اور جب پھر بلند ہوتے تو ان سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوتے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار، مرنے والوں کی کراہ اور جنگی نعروں سے میلوں تک جنگل کانپ رہا تھا اور اس میں چھپے ہوئے چرند اور پرند اس ہنگامے سے گھبرا کر حیران پریشان بھاگ رہے تھے۔

جنگ بدستور زور و شور سے جاری تھی۔

اور میں نے دیکھا کہ ہنری کے حملوں کی شدت میں کمی واقع ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کئی زخم آئے تھے جن میں سے جیتا جیتا خون بہہ رہا تھا اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں جب وہ کلہاڑا اٹھاتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے وہ کئی من کا ہو جیسے وہ اپنی تمام طاقت صرف کر کے بمشکل اٹھا رہا ہو۔

اور اب تک جنگ کا فیصلہ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

اسلوپوگاس بھی دشمنوں کی پیشانی میں گول گول سوراخ بنانا بھول کر دونوں ہاتھوں سے کلہاڑا پکڑے "سناسن" گھما رہا تھا۔ "چٹاخ، چٹاخ" کھوپڑیاں پھٹ رہی تھیں۔ ہمارے سپاہی زخمی ہو رہے تھے، مر رہے تھے لیکن ان کی تعداد گھٹتی نظر نہ آتی تھی۔ میں اس دست بدست جنگ میں شامل نہ تھا

بلکہ دائرے سے باہر کھڑا موقع پا کر کسی مسائی کے دل میں گولی پیوست کر دیتا اور اس طرح سے میں دشمنوں کو مارنے میں کچھ زیادہ ہی کامیاب ہو رہا تھا۔ اس صبح میں نے پچاس سے زائد کارتوس صرف کئے اور ان میں سے بہت کم نشانے خطا گئے۔

جان توڑ کوششوں کے باوجود مسائیوں کا پلڑا بھاری تھا۔ ہماری فوج اب صرف پندرہ سولہ سپاہیوں پر مشتمل رہ گئی تھی اور ان میں سے بھی زیادہ تر زخمی تھے۔ ہمارے دشمنوں کی تعداد پچاس سے زائد تھی۔ اگر وہ سمٹ کر یکبارگی حملہ کرتے تو جنگ کا فیصلہ کبھی کا ہمارے خلاف ہو چکا ہوتا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ کچھ تو اس لئے کہ وہ اب تک حیران و پریشان تھے اور کچھ اس لئے کہ کئی ایک مسائی نیند سے اٹھتے ہی بغیر ہتھیار لئے جاگ پڑے تھے اور اب نہتے کھڑے قتل ہو رہے تھے لیکن اس حالت میں بھی مسائی بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے اور دو دو مسائی ہمارے ایک سپاہی کو الجھائے ہوئے تھے۔ آثار کچھ اچھے نہ تھے اور جنگ کا فیصلہ مسائیوں کے حق میں ہوتا نظر آرہا تھا حالات کو بد سے بدتر بنانے کے لئے ایک اور ناگوار واقعہ ہوا۔

مسٹر میکنزی اپنی بندوق میں بارود بھر رہے تھے کہ ایک دیو قامت مسائی تلوار بلند کئے ہوئے ان پر جھپٹا۔ مسٹر میکنزی نے جلدی سے بندوق پھینک کر خنجر نکال لیا (پستول افراتفری میں کہیں گر گیا تھا) مسائی اور میکنزی ایک دوسرے کو چمٹ گئے اور لڑھکنیاں کھاتے ہوئے دیوار کی پرلی طرف کرال میں جا پہونچے اس وقت میں خود کو بچانے میں کوشاں تھا۔ اس لئے یہ نہ جان سکا کہ ان دونوں نبرد آزماؤں میں کس کی فتح ہوئی؟

جنگ اسی زور شور سے جاری تھی اور میں اپنے آپ پر اور اپنے ساتھیوں

ہر فاتحہ پڑھ چکا تھا کہ دفعتہً طالع افق پر ہماری قسمت کا ستارہ چمکا اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

ہوا یوں کہ امسلو پوگاس مسائیوں کا حلقہ توڑ کر باہر نکل آیا اور ایک مسائی سے الجھ گیا ابھی وہ اس مسائی کے وار کو بچا رہا تھا کہ دوسرا مسائی نیزہ ہلاتا امسلو پوگاس کی طرف جھپٹا اور پوری قوت سے امسلو پوگاس کی پیٹھ پر وار کیا۔ نیزہ آہنی قمیص پر پڑ کر اچٹ گیا مسائی پہلے تو بھونچکا کھڑا رہا اس نے دوسرا وار کیا۔ نیزہ پھر اچٹ گیا اس نے اور بھی حیرانی سے اپنے نیزے کو الٹ پلٹ کر دیکھا (مسائی زرہ کے استعمال سے واقف نہ تھے) اور پھر دفعتہً وہ بید کی طرح کانپنے لگا اور نہایت خوفزدہ آواز میں چلایا۔

"یہ لوگ شیطان ہیں۔ جادوگر، جادوگر"

اور نیزہ پھینک کر یوں بے تحاشہ بھاگا جیسے ساری دنیا کی بلائیں اس کے پیچھے لگ گئی ہوں۔ "دھائیں" میں نے بندوق چلادی اور بھاگتا ہوا مسائی بے جان بوٹے کی طرح زمین پر لڑھک گیا۔ اسی عرصے میں امسلو پوگاس اپنے مقابل دشمن کا خاتمہ کر چکا تھا۔

دوسرے مسائیوں پر بھی خوف طاری ہو گیا اور وہ اپنے اپنے نیزے اور ڈھالیں پھینک کر ہر چہار طرف بھاگ پڑے۔ ایک بھگدڑ مچ گئی جس کا جس طرف منہ تھا بس اسی طرف بھاگ رہا تھا۔

"جادوگر، جادوگر۔ شیطان، شیطان" مسائی بے تحاشہ چلا رہے تھے۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایسا قتل عام شروع ہوا جس کی نظیر بڑی سے بڑی جنگ بھی پیش کرنے سے قاصر ہے مسائیوں کو بے دریغ قتل کیا جا رہا تھا اور وہ مولی

گاجر کی طرح کٹ کٹ گر رہے تھے۔

البتہ ایک واقعہ قابل بیان ہے۔

میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ دفعتہً قریب کے مُردوں کے ڈھیر میں جنبش ہوئی اور ایک مسائی اٹھ کر میری طرف لپکا۔ وہ مُردوں کے ڈھیر تلے چھپا ہوا تھا اور اب موقع غنیمت جان کر کرال میں پناہ لینے جا رہا تھا۔ اسلوپوگاس نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھا اور اپنا کلہاڑا بلند کئے اس کے تعاقب میں چلا۔ لمحہ بہ لمحہ مسائی میرے قریب آ رہا تھا اور جب وہ مجھ سے چند قدم دور رہ گیا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ گذشتہ رات والا قاصد تھا۔

اسلوپوگاس اپنی مشہور تیز رفتاری سے مسائی کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ جب مسائی نے دیکھا کہ اسلوپوگاس بہر صورت اسے دبوچ لے گا تو وہ رک کر پلٹا۔ اسلوپوگاس بھی اس کے پاس پہونچ کر رک گیا۔

"اوہو!" اسلوپوگاس چلایا "تو آپ ہیں؟ گذشتہ رات مجھ سے گفتگو کرنے والے معزز قاصد ــــ ہے نا؟ معصوم بچیوں کو گرفتار کرنے والے بہادر افسر تم ہی نے مجھ سے دست بدست جنگ کی خواہش ظاہر کی تھی کیوں؟

"مجھ سے؟ اسلوپوگاس سے؟ تو دیکھو تمہاری خواہش پوری ہو رہی ہے اور تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے بھی قسم کھائی تھی کہ تمہارے ٹکڑے اڑا دوں گا ــ ناپاک کتے، ہوشیار۔ میں اپنی قسم پوری کرتا ہوں۔"

مسائی نے دانت پیس کر اسلوپوگاس پر حملہ کیا مگر اس نے بڑی مہارت سے مسائی کا وار خالی دیا۔ اب اسلوپوگاس کی باری تھی۔ اس سے پہلے کہ مسائی دوسرا وار کرتا۔ اسلوپوگاس نے کلہاڑا بلند کیا۔

"میرے معزز دشمن۔ لو سنبھلو!" اسلوپوگاس چلایا۔

لالہ صحرا

کلہاڑا ہوا کو کاٹتا ہوا تیزی سے ماٹی کے سر کی طرف چلا کلہاڑا جگہ پڑا جہاں گردن دھڑ سے جڑی ہوتی ہے۔ کلہاڑا گردن اتار کر چپ پڑا ماتھا کاٹ کر ستون جا کر اور کلہاڑا پسلیاں توڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل گ

"کیا ضرب تھی۔ اُف" میں نے سر ہلا کر حیرانی سے کہا۔

"دیکھو" املو پو گاس نے اپنے دشمن کے مردہ جسم کو دیکھتے ہوئے کہا نے اپنی قسم پوری کی"

اور یوں جنگ ختم ہوئی۔

میدان جنگ کے بھیانک منظر کی ہیبت دل سے کم ہوئی تو مجھے ایلفو کا خیال آیا قارئین کو یاد ہوگا کہ گھبراہٹ میں ایلفو نسے کی بندوق چل گئی تھی اور گولی میرے کان کے قریب سے نکل گئی تھی اور میں کہن کہتا ہوں سے بال بال بچ گیا تھا۔ تب سے لے کر اب تک ایلفو نسے مجھے کہیں نظر نہ آیا تھا حالانکہ جنگ کے واقعات بیان کرنے میں کافی وقت صرف ہوا لیکن حقیقت میں وہ تمام واقعات جو میں پچھلے باب میں بیان کر چکا ہوں صرف بیس منٹ میں ہی وقوع پذیر ہوئے مطلب یہ کہ ایلفو نسے بیس منٹ سے غائب تھا چنانچہ مجھے خوف ہوا کہ غریب فرانسیسی جنگ میں مارا گیا۔ میں نے اسے لاشوں کے ڈھیر میں بھی تلاش کیا لیکن نہ پایا اس لئے خیال آیا کہ ممکن ہے ایلفو نسے مارا نہ گیا ہو بلکہ کہیں زندہ پڑا ہوا۔ چنانچہ میں نے کرال کی دیوار کے اس طرف جا کر جہاں میں نے ایلفو نسے کو ڈانٹا تھا اسے آوازیں دینی شروع کیں۔

لیکن کوئی جواب نہ ملا

دیوار سے کوئی دس قدم دور برگد کا ایک پرانا درخت کھڑا ہوا تھا۔ بید
(ب)ڑھا درخت تھا وہ۔ پتہ نہیں کتنے موسم آئے اور اس پر اپنا اثر چھوڑتے
(ہ)وئے گذر گئے۔ اس کا گودا وغیرہ گل سڑ کر برابر ہوگیا تھا اور صرف چھال ہی
(چھ)ال رہ گئی تھی وہ بھی صد سالہ بڑھیا ایسی خشک۔

"الیفو نیسے" میں چلایا "الیفو نیسے"

"آہ۔ مونسیور" کہیں سے آواز آئی "میں یہاں ہوں"

"کہاں ہو؟"

"یہاں اس طرف۔ درخت کے تنے میں"

میں نے گھوم کر دیکھا۔ برگد کے تنے میں بنے ہوئے ایک سوراخ میں جو
(ز)مین سے پانچ فٹ بلند ہوگا۔ الیفو نیسے کا سفید چہرہ نظر آرہا تھا۔ اس کی
(ا)یک مونچھ امسلوپوگاس کی انگوٹھی کا سس نے اڑا دی تھی اور دوسری جو ہر وقت
(س)ربلند رہتی ہے۔ اس وقت خوفزدہ کتے کی دم کی طرح نیچے لٹک رہی تھی۔

"باہر نکل آؤ۔"

جنگ ختم ہوگئی!؟ اس نے طوطے کی طرح سوراخ سے گردن نکالتے
(ہو)ئے پوچھا: "بالکل ختم ہوگئی؟ اوفوہ، یعنی میں بھی خون کے دریا سے گذرا
(ہو)ں اور پھر اس درخت کے تنے میں بیٹھے بیٹھے میں نے کیا کچھ دعائیں نہیں
(ما)نگیں وہ تو کہئے تنا اتنا تنگ ہے کہ میں سجدہ نہیں کرسکتا ورنہ اسوقت
(آ)پ مجھے سربسجدہ پاتے۔"

"کم بخت، بزدل زمانہ بھر کے، باہر نکلو۔" میں نے قدرے سختی سے کہا۔
"(ج)ینگ ختم ہوگئی کبھی کی۔"

"آچھا — تو گویا میری دعائیں قبول ہوئیں۔ دراصل میں بزدلی کے
سبب تنے میں نہیں گھسا تھا۔ میں نے سوچا کہ مسٹر میکنزی بھی جنگ میں
مصروف ہیں۔ اس لئے خدا کے حضور فتح و نصرت کی دعا کون کرے گا او
اور آپ جانئے جو کام دعا کر سکتی ہے وہ دوا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ میں اطمینا
اور یکسوئی سے خدا کے حضور عرض کرنے کے لئے اس تنے میں آ بیٹھا تھا
ورنہ میری رگوں میں بھی یہ دادا جان کا خون گردش کر رہا ہے لیکن او
کیا خون خرابہ ہوا ہے۔ توبہ توبہ۔ دادا جان بھی ہوتے تو شاید ان کا
ہارٹ فیل ہو جاتا۔ تو گویا جنگ بالکل ہی ختم ہو گئی اور میری دعائیں بھی ا
اب میں اپنی عبادت گاہ سے باہر آتا ہوں۔"

میں ساتھی کو لے کر بڑے دروازے کے سامنے جہاں بے شمار کٹی
لاشیں پڑی ہوئی تھیں جمع ہو رہے تھے میں الیفونسے کو ساتھ لئے اس
طرف چلا۔ دفعتہً ایک لنگڑا انسان جو ایک جھاڑی کے پیچھے جا چھپا تھا نکلا۔ ا
دیکھ کر بے اختیار الیفونسے کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بے تحاشہ بھ
مسائی اس کے تعاقب میں چلا کہ بھاگتے بھاگتے ایک دشمن کو قتل کر دے
مسائی نے الیفونسے کو یوں دبوچ لیا جیسے باز پنجے سے پرندے کو دبوچ
اور اگر میں گولی نہ چلا دیتا تو الیفونسے کا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ گولی مسائی کی
پسلیاں توڑ گئی۔ وہ لڑکھڑا کر آگے کی طرف جھکا۔ الیفونسے یہ سمجھ کر کہ مسائی
پر وار کر رہا ہے گھبرا کر پیچھے ہٹا لیکن گھبراہٹ میں وہ زمین پر چت جا
اور تڑپتا ہوا مسائی اس کے سینے پر گرا۔ اب ایک عجیب سین شروع ہو
الیفونسے نہایت بھیانک آواز میں مسلسل چیخ رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ مر
مرتے بھی مسائی اپنا کام کر گیا۔ میں گھبرا کر دوڑا اور تڑپتے ہوئے مسائی ک

ایلفو نسے پر سے گھسیٹ لیا۔

خون میں لت پت ایلفو نسے پارہ بھرے مینڈک کی طرح اوپر اچھل رہا تھا "بیچارہ ایلفو نسے" میں نے سوچا" آخر اس کی قسمت میں مرنا ہی لکھا تھا۔"

میں اس کے قریب اکڑوں بیٹھ کر اس کا جسم ٹٹولنے لگا کہ دیکھوں زخم کہاں آیا ہے؟" ایلفو نسے تھا کہ ریت پر پڑی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا اور مجھے زخم تلاش کرنے میں کافی دقت پیش آ رہی تھی۔

"آہ، اوہ، ہائے۔ میری پیٹھ میں تمخ برابر سوراخ ہو گیا ہے۔ ہائے میں مرا۔ میرے خدا میرا کام تمام کر دیا۔"

"میں مرا۔ میں مرا۔ میرے خدا میری ایناتے۔ میری ایناتے۔" وہ چلایا میں نے اسے لڑھکا کر اس کی پشت پر زخم تلاش کیا لیکن مجھے کہیں "تمخ برابر" تو ایک طرف چنے برابر بھی سوراخ نظر نہ آیا اور اب حقیقت واضح ہو گئی۔ ایلفو نسے کے کوئی زخم نہیں آیا تھا۔" بیوقوف ڈوب مرو۔ ایک چوہیا بھی تم سے زیادہ بہادر ہوتی ہے۔"

وہ اٹھا۔ بڑی بہادری سے۔

"لیکن مونسیور میں تو سمجھا مجھے کاری زخم آیا ہے۔ بھلا مجھے کیا پتہ تھا کہ اس دو بدو مقابلے میں فتح میری ہوئی" اور اس نے مردہ ساکی پر ایک ٹھوکر جمائی "آخر کار مارا گیا نا میرے ہاتھوں۔ میری رگوں میں بھی اپنے جنگجو دادا جان کا خون گردش کر رہا ہے۔ لیکن سچ کہنا مونسیور میں نے بھی کیا مقابلہ کیا ہے۔ واہ واہ۔ اور کیا تگڑے ساکی سے ٹکر لی تھی اور جسم پر خراش آئے بغیر میں کامیاب ہوا۔ اگر دادا جان زندہ ہوتے اور مجھے یوں مقابلہ کرتے اور پھر کامیاب ہوتے دیکھتے تو اپنے جسم کے کپڑے تک مجھے بخش دیتے۔ واہ۔ یعنی کہ۔"

میں ایلفونسے کو بکتا جھکتا چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے ملنے چل دیا اور ایلفونسے اپنی تعریف بھول کر میرے پیچھے ہو لیا۔

سب سے پہلے جس شخص پر میری نظر پڑی وہ مسٹر میکنزی تھے وہ ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی ران پر ایک رومال بندھا ہوا تھا جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ ان کی ران پر نہایت گہرا زخم آیا تھا۔ ان کے ہاتھ میں اب تک چاقو موجود تھا لیکن وہ بیچ میں سے مڑ گیا تھا۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ انہوں نے نہایت شدت کی جنگ کی تھی اور بے شمار دشمنوں کو قتل کیا تھا۔

"آہ! مسٹر کواٹرمین" انہوں نے مجھے دیکھتے ہی لرزاں آواز میں کہا۔ "تو فتح ہماری ہوئی لیکن کتنا عبرتناک منظر ہے یہ، میرا یہ عزیز چاقو ایک وحشی کے سینہ میں مڑ گیا۔ مجھے اس کے بیکار ہو جانے کا دلی رنج ہے۔"

اور ہسٹریا کے مریض جیسا بھیانک قہقہہ ان کے منہ سے چھوٹ پڑا۔ فتح کی خوشی، قتل عام اور ان کا زخم مسٹر میکنزی ایسے ذکی الحس شخص کے دل پر یہ یک وقت اثر انداز ہو رہے تھے اور پھر میدان جنگ کا بھیانک منظر میکنزی ایسے صلح پسند شخص کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی تھا۔ مجھے خوف ہوا کہ وہ کہیں شدت جذبات سے پاگل نہ ہو جائیں اور حقیقت میں وہ نہایت عبرتناک منظر تھا۔

قتل عام اب ختم ہو چکا تھا جو لوگ زخمی پڑے تڑپ رہے تھے انھیں یا تو قتل کر دیا گیا تھا یا خود ہی تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ کرال والے دروازے کی جھاڑیاں زمین پر بچھ گئی تھیں اور ان پر لاشوں کا انبار تھا میدان میں بھی ہر طرف بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جیسے اگست کے مہینہ میں لندن کے کسی مرغزار میں بے فکرے لوگ آرام کر رہے ہوں۔ دروازے کے سامنے سے لاشیں اور ہتھیار اٹھا کر چھوٹا سا میدان خالی کر دیا گیا تھا اور یہاں

ہم کھڑے ہوئے تھے۔ ہم جب مستقر سے چلے تھے تو ہمارے ساتھ تیس آدمی تھے لیکن اب صرف پندرہ رہ گئے تھے اور ان پندرہ میں سے گیارہ جن میں مسٹر میکنزی بھی شامل تھے شدید طور پر زخمی تھے۔

جھاڑیوں والے دروازے پر جو لوگ متعین تھے ان میں صرف دو یعنی اسلوپوگاس اور ہنری کرٹس بچ رہے تھے۔ گڈ کے دستے میں سے پانچ اور میرے دستے میں دو آدمی مارے گئے تھے۔ مسٹر میکنزی کے بچے ساتھیوں میں سے صرف ایک بچ رہا تھا۔ ان تمام لوگوں کا جن میں میں بھی شامل تھا یہ حال ہو رہا تھا کہ سب کے سب خون سے لت پت اور بھوک سے نڈھال تھے اور مارے تھکن کے کھڑا رہنا دوبھر ہو رہا تھا۔ تنہا اسلوپوگاس تھا جو حسب معمول اپنے کلہاڑے پر جھکا بالکل تازہ دم اور ہشاش بشاش معلوم ہو رہا تھا۔ صرف اس کے ماتھے پر کے سوراخ پر تنی ہوئی جھلی دھڑک رہی تھی اور بس۔

"کیوں میکومیزن" جب میں اس کے قریب گیا تو اس نے کہا "میں نے کہا تھا نا کہ بڑی دلچسپ جنگ ہوگی؟ سو وہی ہوا آج سے پہلے اتنے [illegible] سے کبھی کسی نے میرا مقابلہ نہ کیا اور نہ ہی میں ایسی مزیدار جنگ میں شریک ہوا۔ اب رہی تمہاری فولادی قمیض تو حقیقت میں یہ "ٹاگانی" (جادو) ہے۔ کوئی چیز اسے چھید نہیں سکتی۔ اگر یہ میرے جسم پر نہ ہوتی تو اس وقت میں وہاں پڑا ہوتا۔" اور اس نے لاشوں کے انبار کی طرف اشارہ کیا۔

"اسلوپوگاس واقعی تم بہادر ہو اور تمہاری بہادری کی قدر کرتے ہوئے یہ آہنی قمیض میں تمہیں تحفۃً پیش کرتا ہوں۔" ہنری نے کہا۔

"شکریہ!" زولو نے تحفہ اور اپنی تعریف سے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"اور انکبو آپ بھی تو مردوں کی طرح لڑے لیکن آپ کلہاڑا ٹھیک سے گھمانا نہیں

جانے تیز بھی آپ کو اس کی تعلیم دوں گا تاکہ آپ کلہاڑا اٹھاتے ہوئے اپنی طاقت زیادہ صرف نہ کریں۔

مسٹر میکنزی نے فلوسی کے بارے میں دریافت کیا تو ایک شخص نے بتایا کہ جنگ زوروں پر تھی اس وقت اس نے فلوسی اور اس کی ملازمہ کو تیزی سے مستقر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ ہم نے اطمینان کی سانس لی۔

ہم نے زخمیوں کو ساتھ لے کر مستقر کا رخ کیا۔ ہم سب خون میں نہائے ہوئے اور بے حد تھکے ہوئے تھے لیکن ہمارے دل فتح کی مسرت سے لبریز تھے۔ ہم فلوسی کی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ماؤریوں کو ایسا سبق دیا تھا کہ وہ کم از کم دس سال تک تو اسے فراموش نہیں کر سکیں گے۔

لڑکھڑاتے قدموں اور خوشی سے ناچتے دل لئے ہم اس ٹیلے پر چڑھنے لگے جہاں سے ایک ہی گھنٹہ پیشتر ہم خوف و ہراس سے کانپتے دل لئے اترے تھے۔ مستقر کی دیوار میں بنے ہوئے دروازے سے باہر مسز میکنزی بڑی بےتابی سے ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی ان کے منھ سے چیخ نکل گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر چلائیں "اوہ کس قدر خوفناک نظارہ کس قدر خوفناک۔"

اور جب انھوں نے اپنے شوہر کو اسٹریچر پر پڑے دیکھا تو ان کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا لیکن یہ جان کر کہ ان کے شوہر معمولی طور پر زخمی ہوئے ہیں۔ انھیں ایک گونہ اطمینان ہوا۔ پھر میں نے انھیں مختصر طور پر میدان جنگ کی روداد سنائی جس کا کچھ حصہ فلوسی سے وہ پہلے ہی سن چکی تھیں۔ مسز میکنزی نے بے اختیار ہو کر میری پیشانی چوم لی۔

"کوارٹر مین۔ خدا تم کو سب کو اس کا اجر دے۔" انھوں نے کہا، "تم نے میری

بچی کی جان بچائی۔"

مستقر میں پہونچتے ہی ہم نے کپڑے تبدیل کئے اور اپنے زخموں کی مرہم پٹی کی میں تو بالکل زخمی نہیں ہوا تھا۔ ہنری اور گڈ کو معمولی زخم آئے تھے بھلا ہو ان فولادی قمیصوں کا جنہوں نے ہمیں زخمی ہونے سے بچایا تھا۔ البتہ مسٹر ییکنزی کا زخم تشویشناک تھا۔

ان تمام چیزوں سے فرصت پانے کے بعد ہم نے غسل کیا اور ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے ہمیں نئی زندگی مل گئی ہو۔ غسل کے بعد ہم نے کھانے کے کمرے کا رخ کیا جہاں ناشتہ چنا ہوا تھا۔ عجیب معلوم ہو رہا تھا وہ ناشتہ۔ ہم ابھی زمانہ قدیم کی سی دست بدست جنگ سے واپس آئے تھے اور اب نہایت ہی فیشن ایبل رکابیوں میں ناشتہ اڑا رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گردش ایام ایک دم سے زمانۂ قدیم سے زمانۂ حال کی طرف گھوم گئی ہو۔ بقول گڈ کے یہ تمام واقعات ایسے ہیں جیسے ہم بستر پر پڑے کوئی خواب دیکھ رہے ہوں اور کسی نے شانہ جھنجھوڑ کر ہمیں بیدار کر دیا ہو۔ تو ہم نے اپنے آپ کو موجودہ زمانے میں پایا ہو۔

ناشتہ ختم ہونے کے قریب تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور فلوسی داخل ہوئی اس نے ہمارے رخسار چوم کر ہمارا شکریہ ادا کیا اور میں نے اس کی بہادری کی تعریف کی کہ اس نے اپنے پستول سے ایک ماسائی کو مار دیا۔

"خدا کے لئے اس واقعہ کا ذکر نہ کیجئے"۔ اس نے بے تحاشہ روتے ہوئے کہا۔ "اوہ خدا"۔ وہ مارے تکلیف کے گول گول گھوم رہا تھا اور اس کے چہرے سے انتہائی کرب کے آثار ہویدا تھے۔ نہیں۔ نہیں۔ میں اس منظر کو نہیں بھلا سکتی۔ وہ مجھے زندگی بھر پریشان کرتا رہے گا اس مردہ ماسائی کا بھوت ہر رات میری نیند اچاٹ کرنے آپہونچے گا۔"

میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ جا کر تھوڑی دیر نیند لے لے تاکہ اس کی حالت بہتر ہو جائے اور جب وہ شام کو بیدار ہوئی تو اس کی حالت بہ نسبت صبح کے بہتر تھی۔ یہ بات تشاید یہاں طرح آپ کو بھی حیران کن معلوم ہو گی کہ وہ لڑکی جو وقت آنے پر بلا جھجک دشمن کے سینے میں اپنی پستول کی گولی پیوست کر سکتی ہے۔ بعد میں اس بات کے تصور سے کانپ اٹھتی ہے لیکن ایسا ہوا اور اس میں فلوسی کا کوئی قصور نہیں۔ دراصل عورت کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے۔ وہ اپنی عزت بچانے کے لئے سب کچھ کر سکتی ہے اور بعد میں اس کے خیال سے زندگی بھر خوفزدہ رہتی ہے۔ عورت بیک وقت بہادر، دلیر، رحم دل اور ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہہ سکتا ہوں کہ ڈرپوک ہو سکتی ہے۔ وہی عورت جو وقت آنے پر شیروں سے مقابلہ کر سکتی ہے اپنے کمرے میں ٹہلتی ہوئی چوہیا کو دیکھ کر چیخ اٹھتی ہے۔

مجھے خوف تھا کہ جس بیم و رجا کی حالت میں فلوسی نے مائیوں کے بیچ میں ایک رات بسر کی ہے اس کے باعث اس کے اعصاب مدت تک مضطرب رہیں گے اور وہ خوف و ہراس جس سے یہ معصوم بچی دوچار ہوئی ہے اسے ہر وقت پریشان کرتا رہے گا۔

فلوسی نے بعد میں مجھے بتایا کہ مائیوں کے کیمپ میں جو رات بسر کی تھی اس کی یاد اسے ہر وقت ہیولا بن کر پریشان کرتی رہے گی۔ قیامت کی رات تھی، وہ ہر چہار طرف مائی بے فکری سے پڑے خراٹے لے رہے تھے اور تنہا فلوسی جس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے جاگ رہی تھی۔ مائیوں کو دیکھ دیکھ کر وہ اس خیال سے کانپ جاتی تھی کہ سورج کے طلوع ہوتے ہی اس کی زندگی کا سورج غروب ہو جائے گا۔ یہ بات تو اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ ہم مائیوں پر حملہ آور ہوں گے کیونکہ اسے پتہ تھا کہ مائیوں کے مقابلے میں ہماری

تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ چنانچہ وہ ہر طرف سے ناامید ہو کر اپنی قسمت پر شاکر اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے اور یہ کہ وہ اب کبھی اپنے والدین سے نہ مل سکے گی اس کی آرزو تھی تو صرف ایک اور وہ یہ کہ مرنے سے پہلے اپنے والدین کو ایک نظر دیکھ لے لیکن یہ آخری آرزو بھی پوری ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

کئی ایک سائیوں نے پہلے کبھی کسی سفید فام کو نہ دیکھا تھا چنانچہ وہ گردو گرد آتے اور اس کے بالوں اور ہاتھوں کو چھو کر دیکھتے اور سر ہلا کر اپنی حیرت اور نفرت کا اظہار کرتے۔ فلوسی نے کہا کہ وہ پختہ ارادہ کر چکی تھی کہ اگر بچنے کی آزادی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ اپنے آپ کو ہلاک کر لے گی۔ اس کی ملازمہ نے بھی سائیوں کو کہتے سنا تھا کہ اگر صبح ہونے تک فلوسی کے عوض ہم میں سے کسی ایک کو سائیوں کے سپرد نہ کر دیا گیا تو وہ اس معصوم بچی کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیں گے۔ چنانچہ فلوسی نے سائیوں کے ہاتھوں قتل ہونے پر خودکشی کو ترجیح دی تھی۔ خودکشی کا عزم کرنے کے لئے پتھر کا جگر اور فولاد کا دل ہونا چاہئے۔ میں حیران ہوں کہ اس ننھی سی جان میں اتنی قوت ارادی اور عزم کی پختگی کہاں سے آ گئی تھی؟ اگر ہماری مہذب دنیا کی فیشن پرست لڑکیوں پر بھی ایسا وقت آ جائے تو وہ وقت سے پہلے ہی یا تو مر جائیں یا پاگل ہو جائیں گی لیکن ان وحشتناک جنگلوں میں پروان چڑھی ہوئی فلوسی کی قوت برداشت اور خودداری کی داد دینی پڑتی ہے۔ دن کے کئی گھنٹے آئینے کے سامنے کھڑے رہ کر نوک پلک درست کرنے والی لڑکیاں فلوسی کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں وہ تو صرف زرق برق بھڑکیلے لباس اور قیمتی زیورات ہی پہننا جانتی ہیں۔ اور بس۔ وقت آنے پر وہ اپنی عزت و آبرو کی حفاظت نہیں کر سکتیں۔

ناشتے سے فراغت پانے کے بعد ہم اپنے بستروں پر جا سوئے اور ایسے بے خبر کہ دوپہر کے کھانے کے وقت ہی آنکھ کھلی۔ دوپہر کا کھانا کھا چکنے کے بعد ہم نے مستقر کے نگہبانوں اور ہنرتو کو ساتھ لے کر میدان جنگ کا رخ کیا کہ اپنے سپاہیوں کو سپرد خاک کریں اور ساتھیوں کی لاشوں کو دریائے دمانا میں جو وہاں سے پچاس گز کے فاصلے پر تھا بہا دیں۔ میدان میں پہنچے تو ہزاروں بھورے پہاڑی شکرے اور گدھ میلوں دور سے میدان جنگ میں کھنچے چلے آئے تھے۔ اور بڑی پر لطف ضیافت اڑا رہے تھے۔

آپ نے بھی ان گھناؤنے اور بے ڈھنگے پرندوں یعنی گدھوں کو یقیناً دیکھا ہوگا لیکن آپ شاید میری طرح ان کی تیز نظری اور تیز رفتاری پر حیران نہ ہوئے ہوں۔ تعجب ہے کہ وہ کس طرح سے اتنے جلد مقتل پر میلوں دور سے پہنچ جاتے ہیں۔ آپ شکار کو نکلے ہیں۔ ایک ہرن آپ کی بندوق کا نشانہ بن کر گرتا ہے۔ ابھی وہ تڑپ ہی رہا ہوتا ہے کہ آسمان کی نیلاہٹوں میں ایک سیاہ دھبہ نظر آتا ہے جو تیزی سے زمین کی طرف لپکتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھبہ گدھ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرا، تیسرا اور لاتعداد گدھ آپ کے شکار پر منڈلانے لگتے ہیں۔ میں نے ان گدھوں کی تیزی اور طراری کے بارے میں مختلف کہانیاں سنی ہیں اور یقیناً آپ نے بھی سنی ہوں گی اور آخر کار آپ نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ قدرت نے ان مردار خور طیور کو غیر معمولی قوت باصرہ عطا کی ہے۔

لیکن کافی تحقیق کے بعد میں نے ان کے بارے میں کچھ خاص باتیں معلوم کی ہیں جنہیں آپ کی دلچسپی کی خاطر یہاں پیش کرتا ہوں۔ یہ تو تحقیق ہو ہی چکا ہے کہ گدھوں کی قوت باصرہ نہایت تیز ہوتی ہے اب ہوتا یوں

ہے کہ ایک گدھ زمین سے دو تین میل اوپر ہوا میں چکر لگاتا رہتا ہے اور دور دور تک نظر رکھتا ہے جس جگہ پہونچ کر اس کی نظر ختم ہو جاتی ہے یعنی جس مقام سے آگے وہ نہیں دیکھ سکتا ٹھیک اسی جگہ ایک اور گدھ یونہی ہوا میں معلق زمین اور اپنے ساتھیوں پر نظر رکھتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو زمین پر کوئی چیز نظر آ جاتی ہے۔ مرا ہوا جانور یا انسان۔ چنانچہ وہ پر سمیٹ کر زمین کی طرف غوطہ مار جاتا ہے اس کا دوسرا ساتھی جو دور ہوا میں چکر کاٹ رہا ہوتا ہے اسے یوں زمین کی طرف جاتا دیکھ کر سمجھ جاتا ہے کہ وہاں ضرور کوئی نعمت ہے۔ چنانچہ وہ بھی اسی سمت چل پڑتا ہے اس سے آگے جو گدھ ہوتا ہے وہ بھی دوسرے گدھ کا تعاقب کرتا ہے۔ چوتھا تیسرے کا تعاقب کرتا ہے اور یوں بیس بیس میل دور کے گدھ پانچ ہی منٹ میں ایک ہی دسترخوان پر جمع ہو جاتے ہیں۔

ہم نے اپنے بہادروں کی لاشوں کو دفن کر دیا۔ مسٹر میکنزی زخمی ہونے کے بعد آ نہیں سکتے تھے اس لئے ان کی جگہ گڈ نے نہایت پاٹ دار آواز میں آخری دعا پڑھی۔

اس کام سے فرصت پائی تو مردہ ماسیوں کے ہتھیاروں کو جو بڑے بڑے تھے جمع کر کے ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا اور اب ماسیوں کی لاشوں کو ہٹانے کا کام شروع ہوا۔ ہم ایک چھکڑا اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس چھکڑے میں بیک وقت پچاس لاشیں بھری جا سکتی تھیں اور پانچ بار ہم نے اس چھکڑے کو لاشوں سے پر کیا اور دریائے ٹانا میں خالی کر آئے اس سے قارئین نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ بہت کم ماسائی اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔ اب انکورات میں دریائے ٹانا کے گھڑیالوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا ہوگا۔

آخری لاش جو چھکڑے میں ڈالی گئی وہ اس سنتری کی تھی جو کرال کے انتہائی سرے پر پہرہ دے رہا تھا۔ میں نے گڈے سے پوچھا کہ اس نے اس سنتری کو کس طرح سے قتل کیا؟ اس نے بتایا کہ وہ کافی دور تک ہلو لوگا کی طرح پیٹ کے بل رینگتا رہا اور اس سے اسے کافی تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ سنتری کے قریب پہنچ گیا تو اس نے اپنی تلوار کا بھرپور ہاتھ مارا۔ سانپ جیسے کی طرح ڈکرایا لیکن خوش قسمتی سے کسی کی آنکھ نہ کھلی اور بقول گڈے کے یہ کام بڑا سخت تھا اور اب تک اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے کسی بے گناہ کو دھوکے سے قتل کر دیا ہو۔

یہ آخری لاش تھی جو دریائے ٹانا میں بہا دی گئی۔ اس کے بعد ہم ہتھیار دوں سے لدے پھندے منتقر کو واپس لوٹے۔ ہاں ایک واقعہ میں بیان کرنا بھول گیا۔

جب ہم ساتھیوں کی لاشوں کو ٹانا کی لہروں میں بہا کر واپس آ رہے تھے تو اس درخت کے قریب سے گزرے جس کے کھوکھلے تنے میں الیفو نسے جنگ کے وقت جا چھپا تھا۔ اتفاقاً اس وقت الیفو نسے ہمارے ساتھ تھا لیکن صبح والے الیفو نسے سے بالکل مختلف۔ صبح جو شخص مارے خوف کے درخت کے تنے میں جا چھپا تھا وہی شخص اس وقت ہنس ہنس کر ساتھیوں کی لاشوں کو ٹانا میں پھینک رہا تھا اور ان پر جملے بھی کس رہا تھا اور یوں اکڑ رہا تھا جیسے فتح کا سہرا اسی کے سر ہو۔ وہ تالیاں بجا رہا تھا۔ وہ کوئی فرانسیسی گیت گن گنا رہا تھا۔ وہ ساتھیوں کی لاشوں کی ٹانگیں پکڑ کے انھیں چھپا چھپ ٹانا میں پھینک رہا تھا وہ مارے مسرت کے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

میں نے اسے غیرت دلانے اور اس کا دماغ ٹھیک کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ الیفونسے کے خلاف چھوٹا موٹا مقدمہ چلایا جائے ہنری اور رگڈ نے مجھ سے اتفاق کیا چنانچہ ہم اسے پکڑ کر اسی برگد تلے جا بیٹھے جہاں اس نے صبح پناہ لی تھی گویا ایک چھوٹی سی فوجی عدالت کا اجلاس شروع ہوا۔

ہنری نے نہایت فصیح فرانسیسی میں الیفونسے پر جو الزام عاید کیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل مجرم یعنی الیفونسے کے گوش گزار کی سنگین الزام یہ تھا کہ اس نے اپنے دانتوں سے کیڑا نکال کر پھینک دیا اور دانت بجا بجا کر ماتھیوں کو ہوشیار کرتے ہوئے ہمارے پلان کو الٹ دینا چاہا۔ صاف الفاظ میں اس نے غداری کی۔ آخر میں اس سے کہا گیا کہ وہ اپنی اس حرکت کی صفائی میں کچھ کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے۔

ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس کارروائی سے ہم الیفونسے کو کچھ غیرت دلا سکیں گے اور اس کی مردانگی کو جھنجھوڑ سکیں گے تو ہم غلطی پر تھے۔ پتھر میں جونک لگنا ممکن ہے لیکن الیفونسے کو غیرت دلانا ناممکن۔ وہ اپنی "اکلوتی" مونچھ کو بل دے کر نہایت ڈھٹائی سے مسکرایا اور یوں گویا ہوا۔

"میرا رویہ آپ کو ابتدا میں عجیب و غریب معلوم ہوا تو اس میں میرا کیا قصور۔ اب رہا میرے دانت بجنے کا سوال سو عرض ہے جناب کہ میرے دانت خوف کی وجہ سے نہیں بج رہے تھے۔ دراصل اس وقت شدید سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اب رہا وہ چیتھڑا۔ اور خود کیا یادگار زمانہ چیز تھی وہ بھی۔ میں کہتا ہوں اسے منہ میں ٹھونسنا تو ایک طرف رہا اگر آپ نے اسے زبان کی نوک سے چھو بھی لیا ہوتا تو آپ پر چودہ طبق روشن ہو جاتے ابکائیاں لیتے لیتے آپ کی حالت غیر ہو جاتی سبحان اللہ کیا معجون مرکب تھا وہ چیتھڑا

میلا چپلٹ پتیلی میں سا لتھڑا ہوا گر گیا اور اس پر سے ہار دود کی بو سونگنے پر سہا گیا۔ اس کے باوجود میں نے دل پر جبر کر کے چیچھڑا اپنے منہ میں ٹھونسا ورنہ جناب، میں بڑا انصاف پسند انسان ہوں۔ ہاں میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں نے جان بوجھ کر چیچھڑا اپنے منہ سے نکال نہیں پھینکا۔ دراصل میرے معدے نے علم بغاوت بلند کیا۔ معدہ سے ایک گولا سا اٹھا اس نے حلق کا رخ کیا اور اوقات اور جناب پھر اچھل سے منہ سے نکل کر ٹپ سے زمین پر جا پڑا۔ بتائیے جناب میرا کیا قصور ہے؟"

"ہشت" مہری نے بے تحاشہ ہنستے ہوئے الیفونسے کے کولہوں پر ایک لات جمائی اور وہ مضحکہ خیز صورت بنائے حیرانی سے مہری کا منہ تکنے لگا۔

شام کو میں مسٹر میکنزی کی عیادت کو گیا۔ بہت تکلیف تھی انہیں۔ غیر سند یافتہ ڈاکٹر کپتان جان گڈ ان کا علاج کر رہا تھا۔ مسٹر میکنزی نے کہا کہ وہ تندرست ہوتے ہی واپس لندن چلے جائیں گے۔ ان کی جگہ لینے کے لئے ایک نوجوان مبلغ اپنے وطن سے چل پڑا تھا۔

"کوارٹر مین" انھوں نے کہا "آج صبح جب مسائیوں پر حملہ آور ہونے جا رہے تھے اسی وقت میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں مستقر چھوڑ دوں گا اگر ہم زندہ بچ گئے اور فلوسی کو بھی بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا تھا کہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ واپس انگلستان لوٹ جاؤں گا۔ مجھ ایسے بوڑھے کی اس جگہ کوئی ضرورت نہیں، خیر صاحب تو میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اور اب میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ اگر خدانخواستہ پھر کوئی ایسا واقعہ ہوا تو میری بیوی دوسرے صدمے کو برداشت نہ کر سکے گی۔ میں تم چاروں دوستوں کا مشکور ہوں۔ تمہاری محنت اور خدا کی مدد سے میری بچی آج زندہ ہے۔ یہ بات صرف تمہارے

تک ہی رہنا چاہیے کوارٹرمین۔ کہ میں تبلیغ کے کام سے باز آیا۔ فی الحال زنجبار کے ایک بینک میں میرے تیس ہزار پونڈ جمع ہیں اس رقم سے میں تجارت کرسکتا ہوں۔ یہاں رہنا میرے لئے بیکار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جگہ کو چھوڑتے ہوئے دل جلتا ہے لیکن اب میں یہاں نہیں رہ سکتا میرا دل اچاٹ ہوگیا ہے اور یہ مقام مجھے کاٹنے کو دوڑتا ہے۔

"میں آپ کے اس خیال کی تائید کرتا ہوں" میں نے جواب دیا "اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اوّل تو یہ کہ آپ کو اپنی بیوی اور بچی کا خیال کرنا چاہیئے۔ ان کے بھی کچھ حقوق ہیں فلوسی کو تعلیم اور سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ وہ مہذب دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ ٹارزن کی بیٹی نہیں کہ ان جنگلوں میں پروان چڑھے اور وحشی جانوروں کے درمیان اپنی زندگی کے دن گزارے اور دنیا کی لذت سے یکسر محروم رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مجھے وثوق ہے کہ جلد یا بدیر مسائی آج کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے چیونٹیوں کی طرح ابل پڑیں گے اس جنگ میں چند مسائی اپنی جانیں بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ وہ آج کے واقعات مسائی قبائل میں بڑھا چڑھا کر بیان کریں گے اور وہ وحشی ایک بار پھر حملہ آور ہوں گے اور اس بار خاص آپ کے مستقر پر۔ ممکن ہے کہ وہ ایک سال بعد حملہ کریں لیکن یقین مانئے مسٹر میکنزی وہ نچلے بیٹھنے والے نہیں وہ ضرور چڑھ دوڑیں اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو کم از کم مسائیوں کے ہی خوف سے اس جگہ کو چھوڑ دیتا۔ مسائیوں کو جب معلوم ہوگا کہ آپ مستقر چھوڑ چکے تو ممکن ہے کہ پھر وہ اس طرف کا رخ نہ کریں اور آپ کی جگہ پر آنے والا مبلغ بلا خوف و خطر اپنا کام کرتا رہے۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو کوارٹرمین" مسٹر میکنزی نے کہا "ایک ہی ماہ کے اندر

اندرہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا لیکن، لیکن۔ اپنی اس جنت کی یاد مجھے مرتے دم تک ستاتی رہے گی۔"

ایک ہفتہ بعد۔

ہم رات کا کھانا کھا رہے تھے لیکن سب کے سب افسردہ خاطر اور دل شکستہ تھے۔ مستقر میں یہ ہمارا آخری کھانا تھا کیونکہ کل صبح ہی ہم اپنے معزز میزبان مسٹر میکنزی کو خدا حافظ کہہ کر اپنی مہم پر آگے روانہ ہونے والے تھے۔ ساتھیوں کے بارے میں آج تک کچھ معلوم نہ ہو سکا اور نہ ہی ان کا اس بات کہیں پر پتہ تھا کہ ان کی جھاڑیوں والے دروازے پر پڑے چند خالی کارتوس اور میدان میں پڑی ہوئی وہ بانس کی ٹوٹی ڈھالیں، نیزے اس خوفناک جنگ کی نشانی رہ گئے تھے اور بس۔ البتہ ہمارے دلوں میں اس جنگ کی یاد محفوظ تھی اور شاید مدت العمر تک قائم رہے گی۔

مسٹر میکنزی کا زخم سرعت سے مندمل ہو رہا تھا اور اب وہ لکڑی ٹیک کر چل پھر سکتے تھے۔ دوسرے زخمیوں میں سے ایک جانبر نہ ہو سکا اور باقی تندرست ہونے جا رہے تھے۔ مسٹر میکنزی کا تجارتی کارواں بھی ساحل سے واپس آگیا تھا اور مستقر میں کافی چہل پہل ہو گئی تھی۔

چنانچہ ہم نے اپنی مہم میں روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مسٹر میکنزی نے ہمیں دو چار روز اور روکے رکھنے کی کوشش کی لیکن ہم تیار نہ ہوئے۔ یہاں آئے ہمیں کافی دن ہو گئے تھے اور مسلسل ایسے واقعات ہوتے رہے تھے کہ

انجان خطہ میں گھس کر سفید فام قوم کا سراغ لگانے کی دھن کچھ سرد پڑ گئی تھی لیکن اب حالات بہتر ہو چکے تھے اور اپنی مہم سر کرنے کیلئے ہم بے چین تھے۔ کافی حیل و حجت کے بعد مسٹر میکنزی نے ہمیں روانہ ہونے کی اجازت دی تھی۔

اس مرتبہ ہم اپنے ساتھ بار برداری کے درجن بھر گدھے لئے جا رہے تھے۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں صرف گدھوں پر سامان لاد کر روانہ ہونے کی دیر تھی ہمارے دکوانی ملازموں میں صرف دو بچ رہے تھے اور مستقر سے اور ملازموں کا ملنا ناممکن تھا ہر قسم کی کوشش کے باوجود ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو ہمارے ساتھ اس انجان خطہ کی طرف جہاں پتہ نہیں کون سے خطرات ہمارے منتظر ہوں جانے کے لئے تیار ہوتا اور سچ پوچھئے تو انہیں الزام بھی نہیں دیا جا سکتا۔ آپ ہی بتائیے کون شخص ہے جو جان بوجھ کر اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینا پسند کرے گا؟ ہم اس طرف جا رہے تھے جہاں پتہ نہیں کیا ہو۔ ہو سکتا ہے وہاں آدم خور بستے ہوں۔ یہ تو یقینی امر ہے کہ ہمیں قدم قدم پر زہریلے سانپوں اور خوفناک درندوں سے پالا پڑے گا ممکن ہے موت اپنا منہ پھاڑے ہمیں نگل لینے کے لئے تیار بیٹھی ہو۔ ان حالات میں بتائیے کون ہمارا ساتھ دے سکتا ہے؟ یہ تو ہم ہی تھے جو سر سے کفن باندھ کر چلے تھے اور انجام سے بے پرواہ تھے۔ شاید آپ اسے ہماری حماقت کہیں لیکن کئی لوگوں نے تفنن طبع کی خاطر شہروں اور ملکوں کو ویران کیا ہے اور شہنشاہ کہلائے ہیں سمجھ لیجئے کہ ہم بھی تفنن طبع کی خاطر ہی اس مہم پر روانہ ہو رہے تھے۔ ایک دھن تھی جو ہمیں بستی بستی صحرا صحرا لئے پھر رہی تھی۔ ہم مجبور تھے۔ ہمیں اپنے دل پر کوئی اختیار نہ تھا۔ ایک شیطانی قوت نے ہم پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور ہم اس کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ بے بس تھے اور وہی ہمیں

کشاں کشاں منزل نامعلوم کی طرف لئے جارہی تھی۔
بقول مسٹر میکنزی کے یہ بات حماقت پر مبنی تھی کہ ایسے تین آدمی جنہیں دنیا میں وہ چیزیں میسر تھیں جو زندگی کو خوش گوار بناتی ہیں یعنی دولت صحت اور عزت سب کچھ تیاگ کر جوگیوں کی طرح جنگلوں کی خاک چھانتے پھر رہے تھے اور آخر کار اس طرف جانے کا ارادہ کر رہے تھے جہاں سے واپس لوٹنے کی کوئی امید نہ تھی لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ یہ آوارہ گردی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ آج تک میں نے کئی ایک مہمات سر کی تھیں اور گنج سلیمان کی تازہ مہم تو قارئین بھولے نہ ہوں گے اس مہم میں ہم تینوں کو ایسی مشکلات پیش آئی تھیں کہ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید پھر اپنے گھر سے نکلنے کا خیال بھی نہ کرتا لیکن ایک بار پھر ہم تینوں یعنی گڈ، ہنری اور میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ انگلستان کے لوگوں نے مجھے "سرفروش" کا خطاب دیا ہے اور مجھے اس خطاب پر فخر ہے۔ ہو سکتا تھا کہ اس سفر سے ہمیں واپس لوٹنا نصیب نہ ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ دنیا ہمیں اور ہمارے کارناموں کو جلد فراموش نہ کر سکے گی اور جب مائیں اپنے بچوں کو ہماری داستانیں سنائیں گی تو ہماری روحیں اس کو اپنی بہادری کا تمغہ سمجھ کر اپنے سینہ پر آویزاں کریں گی۔ کھانا کھا چکنے کے بعد ہم برآمدے میں بیٹھے پائپ پی رہے تھے کہ ایلفونسے صاحب تشریف لائے انہوں نے باری باری ہم میں سے ہر ایک کی طرف دیکھا اور نہایت ہی شائستہ آواز میں کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ میں سمجھا کہ وہ کچھ الٹی سیدھی ہانکے گا چنانچہ میں نے اسے جا کر سو رہنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے ایک لمبی چوڑی تقریر کے بعد اپنا ارادہ ظاہر کیا۔
وہ ہمارے ساتھ جانا چاہتا تھا۔

ہم حیران رہ گئے۔ آپ جانیے جب ایلفونسے ایسا بزدل شخص ایسی خطرناک مہم پر جانے کا ارادہ ظاہر کرے۔ تو جتنا بھی تعجب ہو اتنا کم ہے ہماری طرح قارئین بھی حیران ہوں گے کہ ایلفونسے ہمارے ساتھ جانے کو کیوں تیار ہو گیا؟

ہوا یوں کہ ہمارے رخصت ہونے کے بعد ہی مسٹر میکینا انگلستان کیلیے روانہ ہونے والے تھے اب اگر ایلفونسے ان کے ساتھ جاتا تو اس کے خیال میں حکومت انگلستان اسے پکڑ کر فرانس بھیج دیتی جہاں اس کے لیے پھانسی کا تختہ تیار تھا۔ یہی ایک خیال اسے پریشان کیے ہوئے تھا اور اس کی جگالی اس کے دماغ نے اتنی مرتبہ کی تھی کہ تصور نے اس کی تصویر دس گنا بڑھا چڑھا کر پیش کی اور ایلفونسے غریب کانپ اٹھا۔

لیکن میرے خیال میں حکومت اس طویل عرصے میں ایلفونسے اور ساتھ ہی اس پر عائد کردہ الزامات کو بھلا چکی ہو گی۔ اس کی گرفتاری کے وارنٹ فائلوں کے ڈھیر میں کہیں دب گئے ہوں گے اور اب حکومت اس کے خلاف شاید کوئی کارروائی نہ کرتی وہ ہر جگہ سوائے فرانس کے جہاں وہ پہچانا جا سکتا تھا بلاخوف وخطر آجا سکتا تھا لیکن یہ بات کسی صورت ایلفونسے کی سمجھ میں نہ آئی۔ فطرتاً بزدل ہوتے ہوئے بھی بہ نسبت پھانسی کے تختہ کے اس نے انجانے خطرات کا مقابلہ کرنا زیادہ پسند کیا۔ ہر چند اس کے دل میں وطن کی محبت موجزن تھی مگر وہ وہاں جانا نہیں چاہتا تھا۔ بہرحال ایلفونسے کا یہ فیصلہ اس بات کی نہایت اعلیٰ مثال تھی کہ لوگ ان خطرات کو خاطر میں نہیں لاتے جو آنکھ سے اوجھل ہوں مستقبل انہیں لرزا نہیں سکتا لیکن زمانۂ حال کی ذرا سی تکلیف سے بلبلا اٹھتے ہیں۔

ایلفونسے کی پوری بات سننے کے بعد ہم نے آپس میں مشورہ کیا اور اسے اپنے

ساتھ لے جانے پر تیار ہو گئے۔ بات یہ تھی آدمی ہمارے پاس کم تھے اور ایلفونسے بلاشبہ تیز اور ہوشیار تھا اور ہر کام کے لیے تیار ہو جاتا تھا اور بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا باورچی تھا۔ اس کے علاوہ وہ بے حد خوش مزاج شخص تھا خود ہنستا تھا اور دوسروں کو ہنساتا تھا۔ اس کی برجستہ غلط سلط شیخی خورانہ گفتگو سے ہم محظوظ ہوتے تھے۔ اس کا دل کینہ، بغض اور بد باطنی کے جذبات سے بالکل پاک تھا۔ وہ اس معصوم بچے کی مانند تھا جو الفاظ کے معنی سے بھی ناواقف ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی بزدلی ہمیں اسے اپنے ساتھ لے جانے سے روکتی تھی لیکن اب جبکہ اس کی یہ صفت ظاہر ہو چکی تھی تو ہم اس پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی حفاظت کر سکتے تھے۔

چنانچہ اس مہم کے خطرات سے آگاہ کر کے اسے ایک شرط پر اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تیار ہو گئے اور وہ یہ کہ ہمارا وفادار رہے گا اور کسی کام سے انکار نہیں کرے گا۔ ہم نے اسے ماہانہ دس پونڈ تنخواہ دینا بھی منظور کی بشرطیکہ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے زندہ رہا۔

رات ڈھلی اور دوسرا دن شروع ہوا۔

گاڑیوں پر سامان لادا گیا اور رخصت ہونے کی گھڑی آ پہنچی مسٹر میکنزی اور خاص کر فلوسی کو خدا حافظ کہتے ہوئے دل دکھتا تھا ہم دونوں گہرے دوست بن گئے تھے اور گھنٹوں دنیا جہان کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

"آہ مسٹر کوارٹرمین" اس نے روتے ہوئے اپنی نازک باہیں میری گردن میں پہنا دیں "آپ کی یاد میرے دل میں ہر وقت چٹکیاں لیتی رہے گی۔ آپ کو خدا حافظ کہتے ہوئے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ کیا پھر کبھی

ہم مل سکیں گے؟ ۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ میری ننھی دوست"۔ میں نے کہا: "میں آخری زندگی کی منزل پر پہونچنے کے قریب ہوں اور تمہارا سفر ابھی شروع ہوا ہے۔ میرا وقت اب کچھ زیادہ دور نہیں۔ عزیز بچی میرا مستقبل بہت مختصر ہے اور ماضی نہایت طویل لیکن تمہارے سامنے بیکراں مستقبل ہوگا۔ دو چار سال بعد تم ایک حسین اور جوان لڑکی بن جاؤگی اور ان جنگلوں کی زندگی تمہیں ایک خواب معلوم ہوگی اگر ہم نہ بھی مل سکے تو مجھے یقین ہے کہ تم اپنے اس بوڑھے دوست کو یاد کرتی رہوگی۔ خلوص میں تمہیں چند نصیحتیں کرتا ہوں ہر وقت انھیں یاد رکھنا"

"اپنی زندگی کو ایک نمونہ بنا کر دنیا میں پیش کرنا خود غرضی کے جذبات کو کبھی اپنے دل میں جگہ نہ دینا اور دوسروں کی امداد کے لئے ہر وقت تیار رہنا۔ دنیا مصائب کا گھر ہے اور مصیبت زدہ کی دلدہی کرنا اور اسے تسلی دینا سب سے بڑی عبادت ہے تمہارے ذریعہ کئی ایک مصیبت زدہ دلوں کو تسکین ملے گی تمہارے الفاظ کے سہارے کئی ایک مرجھائے ہوئے چہرے کھل اٹھیں گے، یہی زندگی ہے، جسے ہم بیکار نہیں کہہ سکتے تم اسی مقصد کے لئے جیو گی اور لوگوں کی دلدہی کر کے تم حقیقی مسرت سے روشناس ہوگی۔ یاد رکھو بیٹی ہر شخص پہ کبھی نہ کبھی برا وقت آتا ہے اگر خدا نخواستہ تم پر ایسا وقت آئے تو ثابت قدم رہنا سکھ کے بعد دکھ اور دکھ کے بعد سکھ لازمی ہے یہی اس فانی دنیا کا دستور ہے۔ ان نصیحتوں کے بعد تمہیں ایک اور چیز دیتا ہوں۔ یہ کاغذ کا ٹکڑا دیکھ رہی ہو نا؟ اسے چیک کہتے ہیں جب ہم جا چکیں تو اس خط کے ساتھ یہ چیک اپنے والد کو دیدینا خیال رہے ہمارے جانے کے بعد اس سے پہلے نہیں، بیٹی، ایک روز تمہاری شادی ہوگی اور اس وقت اس چیک کی رقم سے تمہارے والد تمہارے لئے کوئی چیز خرید دیں گے۔ اور وہ میری طرف سے تمہاری شادی کا تحفہ ہوگی۔ جب بھی تم اس چیز کو دیکھو گی یہ بوڑھا

شکاری کو اٹر میں تمہیں یاد آجائے گا۔"

فلوسی بلک بلک کر رو رہی تھی بیر۔ چیک کے عوض اس نے اپنے بالوں کی ایک لٹ کا ٹکڑا اپنی یادگار کے طور پر مجھے دیا جو اب تک میرے پاس موجود ہے۔ چیک جو میں نے فلوسی کو دیا ہزار پاؤنڈ کا تھا اور خط میں میں نے مسٹر میکنزی کو لکھا تھا کہ وہ چیک کی رقم کو بینک میں جمع کرا دیں اور جب فلوسی کی شادی ہو تو ساری رقم اور اس کے سود کو ملا کر فلوسی کے لئے ہیروں کی مالا خرید دیں۔ ہیروں کی مالا خریدنے پر میں نے اس لئے زور دیا تھا کہ ان کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اگر فلوسی کو روپیہ پیسہ کی طرف سے پریشانی ہو تو وہ اس مالا کو فروخت کر کے روپیہ حاصل کر سکتی تھی۔

آخر کار ہم رخصت ہوئے۔

الفو نسے جو بے حد ذکی الحس اور نرم دل واقع ہوا تھا اپنے آقا اور آقا زادی سے رخصت ہوتے وقت زار وقطار رو رہا تھا۔ اسلوپوگاس بھی اداس تھا اسے بھی فلوسی سے ایک گونہ انسیت ہو گئی تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ فلوسی اس تنہا ستارے کے مانند ہے جو اندھیری راتوں میں مسافروں کی تسکین کا باعث ہوتا ہے۔ گڈ کا سر جھکا ہوا تھا اور سر ہنری کرٹس بھی ملول نظر آ رہا تھا اور یوں افسردہ دل لئے ہم مستقر سے رخصت ہوئے۔

افریقہ کے گھنے جنگلات میں یورپی تہذیب کا یہ پہلا اور آخری مرکز تھا۔ اس کے بعد ہمیں کوئی ایسی جگہ نہ ملی اور نہ ہی ہمیں اس مستقر تک دوبارہ لوٹنا نصیب ہوا۔

لیکن مجھے بار بار مسٹر میکنزی کا خیال آتا ہے اور یوں سوچتا ہوں کہ ممکن ہے وہ انگلستان پہونچنے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔ خدا کرے یہ عبارت ان کی نظر سے گزرے اور اس بوڑھے شکاری کی یاد جس کا رشتہ دنیا سے منقطع ہو چکا ہے۔ پھر ان کے دل میں تازہ ہو میں سوچتا ہوں کہ افریقہ کے دہشتناک جنگلوں میں چلی

ہوئی فلوسی کی زندگی جگمگاتے شہروں میں کیسی گذری ہوگی؟ وہاں جب وہ صبح اٹھتی ہوگی تو اسے کوہ کینیا کی برف پوش چوٹی کے بجائے بلند بلند عمارتیں نظر آتی ہوں گی۔ ممکن ہے فلوسی بھی ہماری اس داستان کا مطالعہ کرے چنانچہ میں اسے جنگلوں پہاڑوں اور طوفانی ندیوں سے پرے سے ہی آخری سلام کرتا ہوں۔

پہلا حصہ ختم

حصۂ دوم

لالۂ صحرا

مستقر چھوڑنے کے بعد ہم نسبتاً آسانی سے اپنی راہ طے کرتے رہے۔ راستے میں کوئی ایسا واقعہ ہوا ہی نہیں جس کا ذکر کیا جا سکے۔ ہم کوہ کینیا کے دامن میں سفر کر رہے تھے۔ یہ پہاڑ مسائیوں میں "ڈونگو ریگرے" یا "اعلٰی پہاڑ" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس کی چوٹی بالکل سیدھی ہونے کے سبب برف کو ٹھہرنے نہیں دیتی اور جگہ جگہ سے سیاہ چٹانیں دھبوں کی طرح نظر آتی ہیں۔

کوہ کینیا سے آگے بڑھ کر ایک تالاب "بارنگو" نامی پر پہونچے۔ یہاں ہمارے ایک دکوافی ملازم کو سانپ نے ڈس لیا اور باوجود جان توڑ کوشش کے ہم اسے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس تالاب سے چلے تو مسلسل ایک پچاس میل چلنے کے بعد ایک اور برف پوش پہاڑ "لیکا کیسر" کے قدموں میں کھڑے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سے پہلے کسی مہذب انسان کے قدم اس جگہ تک نہیں پہونچے تھے۔ پہاڑ کا حسن اور اس کی عظمت یہاں بیان کرنا تضیع اوقات ہوگا۔

اس مقام سے آگے نہایت گنجان اور ناقابل عبور جنگلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا ہمیں پتہ نہ تھا یہ جنگل کہاں جا کر ختم ہوتا ہے اور اپنے دامن میں کون سے انجانے خطرات چھپائے ہوئے ہے۔ بہرحال خدا کا نام لے کر ہم اس وسیع و عریض اور نہایت تاریک جنگل میں گھس پڑے۔ تنہا اس جنگل میں ہاتھی اتنی تعداد میں موجود تھے کہ شاید ہی افریقہ کے کسی اور جنگل میں ہوں۔ یہ عظیم الجثہ جانور بڑی آزادی سے گھوم رہا تھا۔ کسی شکاری کا گذر اس جنگل میں آج تک ہوا نہ تھا اور ہم پہلے انسان تھے جو اس جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ

ہم نے ہاتھیوں کا کچھ زیادہ شکار نہیں کیا۔ اوّل تو اس لئے کہ بارود کی مقدار بہت کم رہ گئی تھی۔ ایک گدھا جس پر بارود لدا ہوا تھا۔ راستے میں ایک ندی میں بہہ گیا تھا اور دوم اس لئے کہ ہم ہاتھی دانت اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے اور محض تفنن طبع کی خاطر بے زبان جانوروں کو مارنا ظلم ہی تو ہے چنانچہ ہم نے ہاتھیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ہاں جب کبھی ہمیں جان کا خطرہ لاحق ہوتا تو گولی چلا دیتے۔

میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ اس جنگل کے ہاتھی شکاریوں سے واقف نہ تھے اس لئے ہم بے خوف و خطر ان سے صرف بیس گز کے فاصلہ سے گذر سکتے تھے۔ ہاتھی اپنی جگہ پہ کھڑے حیرانی سے اس عجیب الخلقت چیز یعنی انسان کو دیکھتے اور جب کسی صورت ان کی حیرت کم نہ ہوتی تو اس کے اظہار کے لئے اپنی سونڈ اٹھا کر بگل سا بجا دیتے اس عرصہ میں کسی مغلوب الغضب ہاتھی کو جوش آتا اور وہ چنگھاڑ کر ہماری طرف لپکتا اور یہ وہ وقت ہوتا جب ہمیں مجبوراً بندوق استعمال کرنا پڑتی۔

اس جنگل میں ہر قسم کے شکار یہاں تک کہ شیر ببر تک بھرے پڑے تھے خدا سمجھے اس لعنتی درندے سے جب سے اس قبیلے کے ایک نالائق نے میری ٹانگ چبا کر مجھے زندگی بھر کے لئے لنگڑا کر دیا ہے۔ مجھے اس "شہنشاہ جنگل" سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا ہے۔ اس جنگل میں ایک اور اذیت رساں چیز بکثرت تھی یعنی "ٹیٹسی مکھی" اس زہریلی مکھی کی ایک پوری فوج ہم پر حملہ آور ہوئی اور انسانی خون اور جانوروں میں اپنے ڈنک پیوست کر کے چلتی بنی۔ ہم پر تو اس زہر کا اثر دو مہینے بعد معمولی سے بخار کی شکل میں ظاہر ہوا لیکن غریب گدھے جانبر نہ ہو سکے۔ دو روز کی موسلا دھار بارش کے بعد مکھی کا زہر گدھوں کی رگ و پے میں سرایت کر گیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے مر گئے۔ میں نے دو چار گدھوں کی کھال اتروا کر دیکھا تو اس جگہ جہاں

مکھی نے ڈنک مارا تھا گوشت پر نیل پڑ گئے تھے۔

مسٹر میکنزی نے اس طرف کے راستوں کے بارے میں جتنی معلومات حاصل کی تھی وہ انھوں نے ہمارے سامنے پیش کر دی تھیں چنانچہ اس جنگل سے نکلنے کے بعد ہم شمال کی طرف چل پڑے۔ یہاں تک کہ ایک نہایت وسیع و عریض تالاب کے کنارے جسے افریقہ کے وحشی "لاگا" کہتے تھے جا پہونچے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ اس تالاب کا ذکر اس شخص نے کیا تھا۔ جو سفید فام قوم کی قید سے چھوٹ کر مسٹر میکنزی کے مستقر تک پہونچا تھا۔ یہ تالاب پچاس میل لمبا اور بیس میل چوڑا تھا۔ اس تالاب سے آگے ہم ایک ماہ تک ایک ڈھلوان میدان میں سفر کرتے رہے۔ اس میدان میں حدِّ نگاہ تک زرد زرد گھاس کا قالین بچھا ہوا تھا۔ کہیں کہیں اکا دکا جھاڑیاں مخمل میں ٹاٹ کے پیوند سی نظر آرہی تھیں۔ دور دور تک کسی بلند سایہ دار درخت کا پتہ نہ تھا۔

عجیب میدان تھا وہ ہر دس میل کے بعد سہی سو فٹ کی چڑھائی چڑھنی پڑتی۔ پھر دس میل تک سپاٹ میدان چلا جاتا اور پھر چڑھائی۔ یہ پورا خطہ یونہی بلند ہوتا چلا گیا تھا اور سامنے نظر آتے پہاڑوں تک جا کر ختم ہو گیا تھا۔ ہم انھیں پہاڑوں کی طرف بڑھ رہے تھے اور اسی طرف وہ تالاب واقع تھا جسے مسٹر میکنزی کے مستقر تک پہونچتے ہوئے شخص نے "تالاب جس کی تہہ نہیں" کے نام سے یاد کیا تھا۔

آخر کار ہم ان پہاڑوں تک پہونچ گئے۔

وہاں پہونچنے پر معلوم ہوا کہ تالاب پہاڑوں کی بلندیوں پر واقع ہے چنانچہ ہمیں تین ہزار فٹ کی چڑھائی اور چڑھنی پڑی۔ یہ چڑھائی ذرا مشکل تھی۔ راستہ بے حد خطرناک تھا اور جب ہم اوپر پہونچے ہیں تو سانس پھول رہی تھی اور رانوں میں جیسے

سیسہ ہو دیا گیا تھا اور جہاں ہم کھڑے تھے وہاں سے کوئی پندرہ سو فٹ نیچے پانی کی بیس مربع میل چادر بچھی ہوئی تھی۔ اس آبی چادر نے کوہ آتش فشاں کے مخرج یا کئی مخرجوں کو ڈھانک رکھا تھا۔ تالاب کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔

ہم اس گاؤں کی طرف چلے لیکن چڑھائی جتنی مشکل تھی اتار اس سے بھی زیادہ دشوار ثابت ہوا۔ ایک ذرا توازن بگڑتا تو لڑھکتے ہوئے اس طرح سے نیچے جا پڑتے کہ ہڈی پسلی سرمہ ہو جاتیں۔ کافی دقتوں کے بعد ہم نے یہ سوفٹ کی راہ طے کی۔ مخرج کے کنارے کنارے صنوبر کی قسم کے درختوں کا جنگل چلا گیا تھا اور اس جنگل کے پرلی طرف گاؤں آباد تھا۔ اس جنگل سے باہر آئے تو گاؤں کے باشندوں نے نہایت خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا۔ یہ لوگ بے حد امن پسند اور سادہ لوح تھے۔ انھوں نے پہلے کبھی کسی سفید فام کو نہیں دیکھا تھا چنانچہ وہ کچھ دیر تک ہماری ایک ایک چیز کا بغور معائنہ کر کے آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے تھے لیکن ہم بے حد تھکے ہوئے اور بھوکے تھے چنانچہ ہم نے ان سے آرام کے لئے بستر اور کچھ کھانے کی چیزوں کی درخواست کی وہ بڑی تعظیم و تکریم سے ہمیں اپنے گاؤں میں لے گئے اور تازہ دودھ اور ادھ گلے گوشت سے ہماری تواضع کرتے رہے۔

اور اب یہاں سے میں حالات کو تفصیل سے بیان کروں گا۔

وہ عجیب و غریب اور خوبصورت تالاب ہمارے اندازے کے مطابق سطح سمندر سے ایک ہزار ایک سو پچاس فٹ کی بلندی پہ واقع تھا۔ آب و ہوا بے حد سرد تھی اتنی سرد کہ ٹھیک دوپہر کے وقت بھی ہمیں الاؤ روشن کر کے اپنے آپ کو گرمانا پڑتا۔ اس گاؤں میں ہمارے قیام کے پہلے تین دنوں میں چاروں طرف گاڑھی گاڑھی دھند چھائی رہی جس کے سبب ہم آس پاس کے منظر اور

مقام کے حسن سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔ چوتھے روز بارش شروع ہو گئی اور یہی بارش تھی جس کے سبب ہمارے گدھوں کے خون میں ٹیٹسی کا زہر سرایت کر گیا تھا اور وہ ایک ایک کر کے مر گئے تھے۔

گدھوں کی موت سے ہم عجیب سی مصیبت میں پھنس گئے تھے۔ باربرداری کیلئے ہمارے پاس کچھ زیادہ سامان بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ بارود کی مقدار بھی بہت کم تھی۔ ایک سو پچاس رائفلوں کے راؤنڈ اور پچاس کے قریب ہاتھی مار بندوق کے کارتوس رہ گئے تھے۔ ہمارے پاس جتنا بھی کچھ سامان تھا اسے اٹھا کر سفر کرنا اگرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ ایک سوال تھا جس کا جواب ہمیں کسی صورت نہیں ملتا تھا۔ آگے کیسے بڑھا جائے؟ آگے کیسے بڑھا جائے؟ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ وہی گاؤں ہماری آخری منزل ہو گا۔ لیکن جس ارادے سے نکلے تھے جس سفید فام قوم کی کھوج میں چلے تھے اسکی تحقیق کئے بغیر واپس لوٹ جانا بھی حماقت تھی۔ عجیب مشکل میں جان پھنسی ہوئی تھی۔ کہ کیا جائے؟ نہ تو آگے بڑھ سکتے تھے اور نہ ہی واپس لوٹنا ممکن تھا۔ سوچتے سوچتے دماغ تھک گئے لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ اسی گاؤں میں جہاں کے لوگ بڑے مخلص اور مہمان نواز تھے اس وقت تک قیام کیا جائے جب تک کہ آگے بڑھنے کی صورت پیدا نہیں ہو جاتی لیکن ہمیں بیکار پڑے رہنا پسند نہ تھا چنانچہ طے ہوا کہ اس گاؤں کے اردگرد کے خطہ کی تحقیق کی جائے اور تالاب کا چکر لگایا جائے اور آگے اگر کہیں ممکن ہو تو قیام کیا جائے۔

چنانچہ ہم نے گاؤں کے چودھری سے ایک ڈونگا خریدا۔ ڈونگے میں کہیں جوڑ نہ تھا۔ ایک بڑے سے درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے یہ ڈونگا بنایا گیا تھا۔

اور ہم سب اپنے ساز و سامان کے اس میں بخوبی سما سکتے تھے۔ آپ کا خیال ہے۔ ہم نے اس ڈونگے کی قیمت کیا ادا کی ہو گی؟ پیتل کے تین خالی کارتوس۔ جی ہاں، جن کی ہمارے یہاں کوئی قیمت نہیں انہی بیکار کارتوسوں کو چودھری نے بخوشی قبول کیا۔ اس کے لئے وہ کارتوس نادر زمانہ چیز تھے۔

ہم نہیں جانتے تھے کہ آیا ہم واپس اس گاؤں میں آئیں گے بھی یا نہیں؟ ہم نے اپنا تمام سامان ڈونگے میں بھر لیا اور ہرن کی بھنی ہوئی ایک مسلم ران بھی اپنے ساتھ رکھ لی کہ وقت ضرورت کام آئے۔ ہمارے روانہ ہونے سے پہلے گاؤں کے چند پھرتیلے نوجوان ہلکے پھلکے ڈونگے لے کر تالاب کے دوسرے کنارے پر بسے ہوئے گاؤں کی طرف چلے کہ انھیں ہماری آمد کی اطلاع کر دیں۔

اور یوں ہم اس گاؤں سے رخصت ہوئے۔

ہم اس تالاب کی سطح پر بہہ رہے تھے "جس کی تہہ نہ تھی" گڈ نے تالاب کے گہرے نیلے پانی کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی۔ پانی کا رنگ اتنا گہرا نیلا تھا کہ وہ جامنی معلوم ہوتا تھا۔ گڈ نے کہا کہ اس نے گاؤں کے باشندوں سے سنا ہے کہ یہ تالاب اتنا گہرا ہے کہ اس کی تھاہ کو کوئی نہیں پا سکتا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ تالاب کی تہہ میں بہت نیچے ایک بڑا سا سوراخ ہے جس کے نیچے آگ جلتی رہتی ہے۔ تالاب کا پانی اس سوراخ سے گذر کر اس جلتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

میں نے کہا کہ اس نے جو کچھ سنا ہے وہ ہو سکتا ہے کہ ایک روایت ہو اور اس وقت سے سینہ بہ سینہ چلی آتی ہو گی۔ جبکہ کنارے پر کے آتش فشانی مخرج زندہ ہوں گے اور رات دن آگ دھواں اگلتے رہتے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مخرج اس وقت زندہ ہوں گے جب یہ مخرج جس تالاب پر

پھیلا ہوا ہے بند ہو چکا ہوگا اور جب وہ چھوٹے مخرج مردہ ہو گئے تو گا والوں نے سمجھ لیا کہ اس بڑے تالاب کے پانی نے کسی سوراخ سے زمین کے بطن میں گھس کر اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ ان کے اس خیال کو اس بات اور تقویت پہونچا ہوگی کہ موسم باراں میں ہزاروں ندی نالے بہہ کر اس تالاب میں گرتے ہیں۔ صدیوں سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے لیکن آج تک تالاب چھلکا نہیں۔ چونکہ تالاب کے پانی کے اخراج کا اور کوئی راستہ نہیں تھا اس لئے انھیں یقین ہو گیا کہ تالاب صرف اس لئے نہیں چھلکتا کہ اس کا پانی اس سوراخ کے ذریعہ جو ان کے خیال میں اس کی تہہ میں موجود ہے زمین میں بہہ جاتا ہے۔

چپو چلاتے ہوئے ہم تالاب کے سامنے والے کنارے پر پہونچ گئے۔ طرف ایک بلند چٹانی دیوار کھڑی ہوئی تھی جو قدرتی بند کا کام دے رہی تھی اس دیوار کے متوازی مگر اس سے کوئی سو قدم دور ہم اپنے ڈونگے کو کھے رہے ہم اس طرف جا رہے تھے جس طرف کہ یہ عجیب و غریب تالاب ختم ہو تھا اور جہاں ایک گاؤں آباد تھا۔

ابھی ہم کچھ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ہمارے ڈونگے کو سطح آب پر تیرتے سینٹھوں، گھاس پھوس اور درخت کی ٹوٹی ہوئی ٹہنیوں نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ہم حیران تھے کہ یہ خس و خاشاک کہاں سے بہہ کر آ رہے جبکہ تالاب کا پانی ٹھہرا ہوا ہے۔ بقول گڈ کے کوئی دھارا ان چیزوں بہائے لئے چلا آرہا تھا لیکن ایسا کوئی دھارا نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے وہ خو بھی حیران تھا۔ ابھی ہم اسی دھارے کے بارے میں دماغ لڑا رہے تھے ہنری نے سامنے آتے ہوئے ایک جھرمٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ان گنت ہنس تالاب کے

تالاب حصہ میں کھڑے اپنی خوراک حاصل کر رہے تھے میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اوپر بھی لاتعداد ہنس پرواز کر رہے تھے اور گروہ در گروہ اس حصہ تالاب میں اتر رہے تھے آج سے پہلے افریقہ کے کسی حصہ میں مجھے یہ پرندہ نظر نہیں آیا تھا اور یہاں ان کے جھنڈ دیکھ کر میں ان کا شکار کرنے کے لئے بے چین ہو اٹھا۔ گاؤں باسیوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا تھا کہ ہنس ایک خاص موسم میں پہاڑوں کے پرلی طرف سے تالاب پر اترتے ہیں تو اتنے تھکے ہوئے ہوتے ہیں کہ آپ بہ آسانی انہیں اپنے ہاتھوں سے پکڑ سکتے ہیں۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ جانتے ہیں کہ ہنس کس ملک سے تالاب پر آتے ہیں؟ تو انہوں نے لاعلمی کے طور پر کندھے جھٹک کر جواب دیا: "تالاب پر کے پرلی طرف پتھریلا غیر آباد خطہ پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس خطے کے سرے پر بلند برف پوش پہاڑ ہیں یہ تمام خطہ خونخوار درندوں کا مسکن بنا ہوا ہے اس طرف ایک بھی انسان نظر نہیں آتا۔ ان پہاڑوں کے انتہا پر گنجان کانٹے دار درختوں کا جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ یہ جنگل اتنا گھنا اور پُرخطر ہے کہ انسان تو ایک طرف ہاتھی ایسا طاقتور جانور بھی اسے عبور نہیں کر سکتا۔" پھر میں نے ان سے دریافت کیا کہ انہوں نے ہم ایسے سفید فام لوگوں کے بارے میں بھی کچھ سنا ہے جو اس کانٹے دار جنگل کے پرلی طرف بستے ہیں؟ میرے اس سوال پر وہ لوگ ہنس پڑے لیکن ایک بڑھیا نے جس کی عمر کا اندازہ نہ لگا سکا مجھے بتایا کہ اس نے اپنے دادا کو کہتے سنا تھا کہ جب وہ جوان تھے تو ان کے دادا نے (یعنی کہ بڑھیا کے دادا کے دادا نے) پہاڑ اور صحرا عبور کر لیا تھا اور کسی طرح سے کانٹوں دار جنگل کو عبور کر گئے تھے اور ان سفید فام لوگوں کو دیکھا تھا جن کے جھونپڑے

پتھروں سے بنائے گئے تھے۔

بلاشبہ بڑھیا کے پردادا کے زمانے کو دو سو سال سے کچھ اوپر ہی ہو گئے تھے اور یہ اطلاع کچھ غیر اطمینان بخش ہی تھی لیکن بڑھیا کے اس بیان سے مجھے یہ یقین ضرور ہو گیا کہ سفید فام قوم کا افسانہ بالکل ہی بے بنیاد نہیں میں پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ اس افسانے کی حقیقت معلوم کر کے رہوں گا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اور میں حیران تھا کہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ فی الحال تو معاملہ کھٹائی میں ہی پڑا ہوا تھا۔ ہم سوچ سوچ کر عاجز آ چکے تھے لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی نہ آئی معلوم تو ایسا ہی ہوتا تھا کہ ہماری یہ مہم ادھوری ہی رہ جائے گی مگر ہمیں کیا پتہ تھا کہ جب کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا اور تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تو تائید غیبی سے اچانک ایک ان دیکھی راہ کھل جاتی ہے۔

بہرحال میں نے ہنسوں کے شکار کا ارادہ ظاہر کیا اور میرے ساتھیوں نے بڑے جوش و خروش سے میری تائید کی۔ ہنس اپنا شکار کرتے ہوئے چٹان کی دیوار کی طرف کھسک رہے تھے اور ہم بڑی آہستگی اور خاموشی سے اپنے ڈونگے کو ان کے قریب لئے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہم ان سے صرف چالیس گز دور رہ گئے اور اب ہم نے اپنا ڈونگا تالاب کے پایاب حصہ میں روک لیا۔ سر ہنری بندوق کا گھوڑا چڑھائے موقع کا منتظر تھا دو ہنس شاید نر اور مادہ ایک دوسرے کے پیچھے کھڑے تھے۔ دھائیں سے ہنری نے بندوق چلا دی اور ایک ہی وقت میں دونوں ہنس گر کر تڑپنے لگے۔ بندوق کے دھماکے سے گھبرا کر دوسرے ہنس پھڑ پھڑا کر اڑے۔ ہنری نے دوسرا فائر کیا اور ہنسوں کے جھرمٹ میں سے ایک ہنس قلابازیاں کھاتا نیچے کی طرف آ رہا دوسرے ہنس کا

ایک ٹانگ اور چند پر گرے لیکن وہ اپنی جان بچا کر لے گیا ہنس تیزی سے پرواز کرتے ہوئے چٹانی دیوار کی چوٹی تک جا پہونچے اور پھر ادھ کھلے چاقو کی شکل میں شمال مشرق کی سمت ہو لیے۔

اس عرصے میں ہم دو ہنس حاصل کر چکے تھے لیکن تیسرا ہنس جو جھرمٹ میں سے گرا تھا پایاب حصہ سے نکل کر گہرے پانی میں چٹان کے قریب پہونچ گیا تھا ہم نے اپنا ڈونگا اس کی طرف بڑھایا لیکن خس و خاشاک اتنا بہہ رہا تھا کہ ڈونگے کو آگے بڑھانا مشکل ہو رہا تھا چنانچہ میں نے دکوافی ملازم سے کہا کہ وہ تالاب میں کود پڑے اور تیر کر جائے اور ہنس کو لے آئے۔ دکوافی بڑا ماہر تیراک تھا اور تالاب میں گھڑیال بھی نہ تھے اس لیے اسے کوئی خطرہ نہ تھا۔ دکوافی نے میرے حکم کی فوراً تعمیل کی وہ پانی میں کود پڑا اور بڑے اسٹائل سے تیرتا ہوا چٹانی دیوار کی طرف بڑھا جہاں زخمی ہنس تڑپ رہا تھا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ چٹانی دیوار کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور ہم اپنے ڈونگے میں بیٹھے بڑے شوق اور دلچسپی سے اس کی پیراکی تماشہ دیکھ رہے تھے کہ دفعتاً وہ نہایت ہی خوفزدہ آواز میں چلایا کہ پانی اسے کھینچ رہا ہے اور ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے جسم کی تمام قوت صرف کر کے ہماری طرف آنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ پیچھے کی طرف ہی کھنچتا جاتا تھا۔ ہم نے چپو اٹھائے اور دکوافی ملازم کو بچانے چلے لیکن جس تیزی سے ہم اس کی طرف بڑھ رہے تھے اس کی دگنی تیزی سے پانی اس کو چٹانی دیوار کی طرف کھینچ رہا تھا یکلخت میری نظر ایک چٹان پر پڑی جو پانی کی سطح پر جیسے اگ آئی تھی۔ یہ چٹان پانی کی سطح سے صرف آٹھ انچ بلند تھی اور ذرا آگے بڑھے تو چٹان محراب میں تبدیل ہو گئی۔ وہ آب دوز غار کا دہانہ تھا۔ موسم باراں میں یہ چٹانی محراب زیر آب

رہتی ہوگی لیکن جب ہم وہاں پہونچے ہیں تو موسم خشک تھا۔ پہاڑوں پر کی برف پگھلی نہ تھی اور تالاب کی سطح نیچی ہو گئی تھی اسی لئے وہ محراب نمودار ہو گئی تھی۔

ہمارا وکوافی ملازم اسی محراب یا غار کے دہانے کی طرف بڑی تیزی سے کھنچا چلا جارہا تھا اور ہم جلد از جلد اس کے قریب پہونچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وکوافی بڑی دلیری سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا اور مجھے یقین ہو چلا تھا کہ ہم اسے بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے یکایخت وکوافی کے چہرے پر مایوسی اور خوف کے بادل چھا گئے وہ تیزی سے پیچھے کی طرف چلا ہماری نظروں کے سامنے اسے غار نگل گیا۔ اسی وقت ہمارے ڈونگے کو جیسے کسی غیبی ہاتھ نے اپنی گرفت میں لے لیا اور اسے کھینچتا ہوا اس غار کی طرف لے چلا جہاں ابھی ابھی ہمارا وکوافی ملازم غرق ہوا تھا۔

اب ہمیں خطرے کا احساس ہوا اور اس بھیانک دھارے سے نکلنے کے لئے ہم دیوانہ وار چپو چلانے لگے لیکن بیکار۔ ایک ہی منٹ بعد ہمارا ڈونگا تیر کی طرح محراب کے دہانے کی طرف چلا جارہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس حالت میں بھی میرے اوسان بجا تھے میں ڈونگے میں اوندھے منہ لیٹ گیا اور چلا کر اپنے ساتھیوں سے بولا "لیٹ جاؤ، لیٹ جاؤ، جلدی کرو، ورنہ چٹانی محراب سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے"

میرے ساتھی بھی میری طرح اوندھے منہ لیٹ گئے۔

دوسرے ہی لمحے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی چکی پیس رہا ہو۔ اور ہمارے ڈونگے کو کوئی نیچے کی طرف کھینچ رہا ہو۔ نیچے، نیچے، اور نیچے۔ یہاں تک کہ پانی ڈونگوں کے کناروں پر سے ہو کر ہم پر گرنے لگا۔ اور میں نے سمجھا کہ لمحہ بھر بعد ہم نہ آب ہوں گے لیکن نہیں۔ گھرر، گھرر کی

آوازیں تھم گئیں اور ہمارے ڈونگے کو اوپر کی طرف اچھال دیا گیا اور اب وہ ناقابل بیان تیز رفتاری سے بہا جا رہا تھا۔ میں نے گردن گھما کر اور آنکھیں پھیلا کر اوپر کی طرف دیکھا۔ گردن کو انچ بھر بھی اٹھانا خطرے سے خالی نہ تھا خوف تھا کہ کہیں میرا سر چٹانوں سے نہ ٹکرا جائے۔ اس دھندلی روشنی میں جو غار کے دہانے سے آ رہی تھی میں نے دیکھا کہ ہمارے سروں پر نہایت مضبوط سیاہ چٹانوں کی چھت تھی۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہ دیکھ سکا کیونکہ ایک ہی سکنڈ بعد روشنی کو اتھاہ تاریکی نے نگل لیا۔ اندھیرا، گھور اندھیرا۔ اور اس اندھیرے میں ہم ڈونگے کے پیندے میں اوندھے منہ دم سادھے لیٹے ہوئے تھے۔

اس خوف سے کہ کہیں ہماری کھوپڑیاں چٹانوں سے ٹکرا کر پھٹ نہ جائیں ہم ایک گھنٹہ تک یونہی پڑے رہے کسی میں ہمت نہ تھی کہ سر اٹھا کر اپنے آس پاس یا اوپر دیکھے۔ پانی اتنے شور کے ساتھ بہہ رہا تھا کہ ہم اگر پوری قوت سے چلا کر بھی گفتگو کرتے تو سنائی نہ دیتا اور سچ پوچھئے تو اس وقت گفتگو کرنے کا ہوش کسے تھا۔ دل پر موت کا خوف طاری تھا دماغ ماؤف ہو چکے تھے اور زبانیں گنگ تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا موت ہمارے تعاقب میں آ رہی ہے اور جلد ہی ہمیں دبوچ لے گی۔ یا تو ہمارا ڈونگا چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا اور ہم غرق ہو جائیں گے یا کوئی بھنور ہمیں ڈونگے سمیت اپنی آغوش میں لے لیگا یا پھر ہوا کی کمی کے سبب ہمارا دم گھٹ جائے گا۔ انجام بہر حال ایک ہی تھا۔ موت۔ کسی طرح سے بھی آ جائے موت۔۔۔ کتنی بھیانک اور یکسانہ موت۔ ہر شخص کے دل و دماغ پر موت کا خوف مسلط تھا اور ہم دل ہی دل میں اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کر کے آخری دعا پڑھ رہے تھے۔

ڈونگے کے پیندے میں دم سادھے پڑے ہوئے مجھے یا شاید سب کو موت

نئے نئے روپ میں نظر آرہی تھی۔ غرقابی، بھوک، گھٹن۔ ہرہنٹ کے بعد موت نیا روپ دھار کر میرے سامنے آتی۔ وہ بھیانک قہقہے لگاتی اور میں کانپ اٹھتا۔ او خدا، کتنا بھیانک عبرتناک انجام۔

"شوں، شاں، شاں، شوں"۔ پانی تیزی سے بہ رہا تھا اور ساتھ ہی ہمارے ڈونگے کو بھی بہائے لئے جا رہا تھا۔

پانی کے بہاؤ کی آواز کے علاوہ ایک اور آواز تھی جو میں سن رہا تھا اور یہ میرے قریب بیٹھے ہوئے الیفونسے کی خوف میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ وہ بچوں کی طرح چیخ چیخ کر رو رہا تھا لیکن یہ آواز بھی غیر محسوس سی معلوم ہو رہی تھی اب میرا دماغ بھی بالکل ماؤف ہو چکا تھا اور میرے اوسان جواب تک بجا تھے خطا ہو رہے تھے۔

ہمارا ڈونگا تیزی سے کسی طرف جا رہا تھا شاید موت کی بھیانک وادی کی طرف۔

تیز رفتار دھارا ہمیں اپنی آغوش میں بہائے لئے جا رہا تھا۔

یہاں تک کہ پانی کے بہنے کا شور کم ہو گیا۔ اور اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ جگہ بہ نسبت پہلی سرنگ کے کچھ زیادہ ہی وسیع ہو گی جس کے سبب سے پانی کو زیادہ آسانی سے بہنے کی جگہ ملی اور اسی لئے اس کی آواز بازگشت بھی پیدا نہیں ہوتی اب میں الیفونسے کی کراہیں اور دعائیں بخوبی سن سکتا تھا عجیب معجون مرکب تھی اس کی جو خدا کی تعریف سے شروع ہو کر اس کے دادا جان کی تعریف تک پہونچتا اور پھر اس کی معشوقہ اینا تے کی تعریف پر جا کر ختم

ہو جاتی جیسی خلوص اور سنجیدگی سے الیفونسے بیک وقت خدا، اپنے دادا جان
ورانیات سے مدد کا طالب تھا وہ اسے بد دین اور مشرک ہونے سے بچائے
ہوئے تھی۔ اس کی دعائیں سننے سے ہی تعلق رکھتی تھیں میں کچھ دیر تک اس کی
انوکھی دعاؤں سے لطف اندوز ہوتا رہا اور پھر پڑے ہی پڑے جیپو اٹھا کر الیفونسے
کی پسلیوں میں چبھو دیا۔ یہ سمجھ کر کہ مرنے کا وقت آ پہنچا وہ اس بری سے چلایا
کہ میں بھی اپنی جگہ پر اچھل پڑا۔

بہت آہستگی سے سنبھل سنبھل کر میں اٹھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ میں نے
آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے لیکن چھت کو چھو نہ سکا پھر میں نے جیپو
اٹھایا اور بیٹھے بیٹھے اسے اپنے سر سے اوپر بلند کیا لیکن وہ بھی چھت کو چھو نہ
سکا۔ میں نے دائیں بائیں جیپو کو ہلایا۔ اس طرف بھی وہ سوائے پانی کے اور کسی
چیز سے نہ لگا۔ اب میرے حواس رفتہ رفتہ بجا ہو رہے تھے اور میرے دل و
دماغ پر چھایا ہوا خوف کم ہو رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ہمارے سامان میں ایک
لالٹین بھی موجود ہے اور تیل کا ایک چھوٹا سا ٹین بھی۔ سامان کے ڈھیر میں
ہاتھ ڈال کر کافی دیر تک ٹٹولتا رہا تب کہیں جا کر لالٹین ہاتھ میں آئی۔ میں
نے دیا سلائی جیب سے نکال کر ایک تیلی جلائی۔ لالٹین کے فتیلے نے شعلہ پکڑا
تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔ میں لالٹین لئے اپنے ساتھیوں کی طرف گھوم
گیا۔ لالٹین کی ٹمٹماتی روشنی کو دیکھ کر الیفونسے سمجھا کہ وہ مر چکا ہے اور
منکر نکیر اس سے سوال کرنے آئے ہیں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ وہ منہ پھاڑ
کر اس بری طرح سے چیخا کہ اس کی آواز کافی دیر تک سرنگ میں گونجتی رہی
جیپو کے ٹہوکے دے دے کر میں نے اسے بڑی مشکلوں سے خاموش کیا۔ اب
رہے میرے دوسرے تین ساتھی تو ان میں سے گڈ چیت لیٹا اوپر کی طرف

تاریک خلا میں گھور رہا تھا۔ یک چشمی عینک بدستور اپنی جگہ پر بڑی مستعدی سے لگی ہوئی تھی۔ مزدی کا سرڈونگے کے کنارے سے ٹکا ہوا تھا اور وہ ہاتھ پانی میں ڈال ڈال کر اسکی رفتار معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اب میں نے لالٹین کو اسلوپوگاس کی طرف گھمایا اگر کوئی اور وقت ہوتا تو میں بے اختیار ہنس پڑتا۔ میں پہلے کسی جگہ کہہ چکا ہوں کہ چلتے وقت ہم نے ہرن کی بھنی ہوئی مسلم ران اپنے ساتھ لے لی تھی۔ اب ہوا یوں کہ جب ہم غار میں داخل ہوئے وقت افراتفری میں ڈونگے میں اوندھے منہ گرے تو اتفاقاً اسلوپوگاس کا منہ بھنی ہوئی ران پر جا پڑا اور جب ہم سرنگ میں داخل ہو گئے تو یکلخت اسلوپوگاس کو احساس ہوا کہ وہ بے حد بھوکا ہے چنانچہ اس نے اپنی انگوٹھی کا س سے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا کاٹا اور اب وہ اسے بڑی رغبت اور اطمینان سے کھا رہا تھا۔ اس نے اپنی اس حرکت کو ان الفاظ میں سمجھایا۔

"چونکہ مجھے یقین تھا کہ اب میں ایک لمبے سفر پر روانہ ہو رہا ہوں اور دوسری دنیا میں بھوکے پیٹ جانا نہیں چاہتا۔ جہ نہیں معلوم وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اسی دنیا میں شکم سیر ہو کر کھا لیا جائے کہ کسی قسم کی کوئی فکر باقی نہ رہے۔"

مجھے یکلخت اس مجرم کی یاد آ گئی جنہیں پھانسی دی جاتی ہے ان کی موت کے بعد اخبارات میں یہ خبر جلی حرفوں میں شائع ہو جاتی ہے کہ پھانسی دیئے جانے سے پہلے مجرم کو نہایت لذیز کھانا کھلایا گیا اور اعلیٰ درجہ کی شراب پلائی گئی۔

جب میرے ساتھیوں نے دیکھا کہ میں لالٹین جلانے میں کامیاب ہو گیا

ہوں تو وہ اٹھ بیٹھے البتہ ایلفو نسے نے کہا کہ اب تک برابر چلا رہا تھا ہم سب نے اسے ڈونگے کے آخری سرے پر ڈھکیل دیا اور رہبری نے دانت پیستے ہوئے آگاہ کیا کہ اگر اس نے چلا چلا کر اس بھیانک تاریکی کو اور بھی بھیانک بنانے کی کوشش کی تو ہم سب مل کر اسے ڈونگے سے باہر پھینک دیں گے اور پھر اس کا انجام بھی ہمارے وکرافی ملازم ایسا ہوگا اور وہ دوسری دنیا میں اطمینان سے بیٹھا اپنی اپنا تے کا انتظار کرتا رہے گا۔ اس دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ایلفونسے ایک دم سے خاموش ہو گیا لیکن اس کا تمام بدن خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

اب ہم نے اپنی حالت پر غور کرنا شروع کیا۔

سب سے پہلے گڈ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ڈونگے کے ابتدائی سرے پر دو چپو کھڑے کر کے باندھ دیئے گئے تاکہ اگر کہیں سرنگ کی چھت نیچی ہو جائے تو ہمیں پتہ چل جائے اور ہم اپنے آپ کو بچا سکیں۔ قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم زیر زمین ندی میں سفر کر رہے تھے یا بقول ایلفونسے یہ وہ بڑا نالہ تھا جس کے ذریعہ تالاب کا زائد پانی بہہ جاتا ہے ایسی زیر زمین ندیاں قریب قریب دنیا کے ہر حصہ میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس میں سفر کرنا ہماری ہی قسمت میں لکھا تھا۔ لوگوں نے جان پر کھیل کر دنیا کے بھیانک گوشوں کی کھوج لگائی ہے لیکن یوں زیر زمین آج تک نہ تو کسی نے سفر کیا اور نہ ہی آئندہ کوئی کر سکے گا۔

ندی کا پاٹ کافی چوڑا تھا اس لئے لالٹین کی روشنی بہ یک وقت دونوں کناروں تک نہیں پہونچ سکتی تھی ہاں کبھی کبھار یوں ہو جاتا تھا کہ تیز دھارا ہمارے ڈونگے کو دائیں یا بائیں طرف کھینچ لے جاتا اور تب

تھیں سرنگ کی سیاہ چٹانی دیوار جو ہمارے اندازے کے مطابق ہمارے سروں سے کوئی بیس پچیس فٹ اوپر محراب بنا رہی تھی نظر آ جاتی۔

بقول گنگڈ بانی "جہازی میل[1] کی رفتار سے بہہ رہا تھا" دریا کا بہاؤ جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے بہ نسبت کناروں کے بیچ میں تیز تھا اور ہمارا ڈونگا بیچ ہی میں بہہ رہا تھا۔

ڈونگے کے ابتدائی سرے پر چپو باندھ چکنے کے بعد سب سے پہلا کام ہمیں یہ کرنا تھا کہ ہم میں سے کوئی ایک بانس لے کر جو ڈونگے میں موجود تھا، بندھے ہوئے چپوؤں کے بیچ میں بیٹھ جاتے اور اس کے ذریعہ پانی کی سطح سے نکلی ہوئی چٹانوں اور اگر سرنگ کی دیواریں کم ہو جائیں، تو۔ ان کا خیال رکھے اور اگر ایسا ہو تو ہمیں آگاہ کرے تاکہ ہم ڈونگے کو چٹانوں یا دیواروں سے ٹکرانے سے بچانے کی کوشش کریں۔ املوپوگا اس وقت تک کھانے سے فارغ ہو چکا تھا اس لئے پہلی باری اسی کی تھی اس نے بانس اٹھایا اور ڈونگے کے ابتدائی سرے پر بندھے ہوئے چپوؤں کے بیچ میں جا بیٹھا۔ یہی ایک احتیاطی تدبیر تھی جو ہم اپنے بچاؤ کے لئے اختیار کر سکتے تھے لیکن پھر فوراً ہی میرے ذہن میں دوسری تدبیر آئی اور وہ یہ کہ ایک اور شخص چپو لے کر ڈونگے کے آخری سرے پر جا بیٹھے اور ممکن ہو تو ڈونگے کو سرنگ کی دیواروں سے دور دور رکھنے کی کوشش کرے۔ ایک چپو کے ذریعہ اور وہ بھی ایسے تیز دھارے میں یہ کام ذرا مشکل تھا۔ اس مشکل کام پر گنگڈ مقرر ہوا اور اب ہمارے دل کو اطمینان ہوا۔ جھونپڑی ہی

---

[1] ایک جہازی میل = ۶۰۸۰ فٹ (مظہر الحق علوی)

کہ ہم نے اپنی بچاؤ کی تدبیر کر لی ہے۔

ان چیزوں سے فرصت پانے کے بعد ہم نے تھوڑا سا بہت ہی تھوڑا جس سے بھوک کی بے چینی ختم ہو ہرن کا ٹھنڈا گوشت زہر مار کیا۔ گوشت کی مقدار بہت کم تھی اور ہم نہیں جانتے تھے کہ ہمیں کب تک یونہی چلنا ہو گا۔ اس لئے برائے نام کھانا کھانے پر اکتفا کی۔ پیٹ کے دوزخ کو ایندھن ملا۔ قلیل مقدار میں ہی سہی دماغ اپنا کام کرنے لگا اور ہم اپنی حالت پہ رائے زنی کرنے لگے۔

میں نے کہا کہ اگر گاؤں والوں کا کہنا سچ ہے اور حقیقت میں یہ ندی پاتال کا رخ کر رہی ہے تب تو ہمارے بچنے کی کوئی امید نہیں لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو ظاہر ہے کہ ندی کسی نہ کسی جگہ سرنگ سے باہر نکل آئے گی شاید پہاڑ کے پرلی طرف۔ اس صورت میں ہمیں یہ کرنا ہے کہ اس وقت تک اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں جب تک کہ سرنگ کے باہر نکل نہیں آتے۔

گڈو نے کہا: بہ فرض محال اگر ہم اس سرنگ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو پتہ نہیں کہاں نکلیں گے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے دوسری طرف کچھ اور انجانے خطرات ہمیں نرغے میں لینے کے لئے تیار ہوں اور ایک مصیبت سے نکل کر ہم دوسری مصیبت میں جو اس سے بھی زبردست ہو پھنس جائیں۔ آخر ہم جا کہاں رہے ہیں؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ شاید ہم موت کے سامنے سے بھاگ کر موت کی طرف ہی جا رہے ہوں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ندی حقیقت میں پاتال کی طرف ہی اتر رہی ہو اگر ایسا ہی ہے تو ندی کسی جگہ جا کر ضرور خشک ہو جائے گی اور اس صورت میں ہم زندہ دفن ہو جائیں گے۔

"دیکھا نہیں جا سکتا ہے" ہنری نے کہا۔ "بہرحال ہمیں بہتری کی امید رکھنی چاہئے اور برے وقت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

ہنری وہ شخص ہے جو کڑی سے کڑی آزمائش میں مسکرانا جانتا ہے جس سے دوسروں میں وہ ہمت اور طاقت کا دیوتا ہے۔

ہنری کا مشورہ بڑا با اثر ثابت ہوا اور ہر شخص نے اسے اپنے پلے باندھ کر لیا اور ہم کر بھی کیا سکتے تھے۔ "ہم تینوں" ہنری نے پھر کہا۔ "ایسے ایسے خطرات سے بچ نکلے ہیں کہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہم اس سرنگ سے بھی نکل آئیں گے۔ گنج سلیمان کی مہم یاد ہے نا۔ ایک بار پھر کہتا ہوں کہ بہتری کی امید رکھو اور برے وقت کے لئے تیار رہو۔"

ہمیں ایک گونہ اطمینان ہوا لیکن الفونسے کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہ آئی وہ بدستور سہما ہوا تھا۔ گڈ چپو لئے ڈونگے کے آخری سرے پر اور اسلوپوگاس اگلے سرے پر بانس لئے بیٹھا تھا چنانچہ میرے اور ہنری کے لئے کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ اس لئے ہم کمر سیدھی کرنے کے لئے ڈونگے میں لیٹ کر خیالات میں الجھ گئے۔

نہایت عجیب اور حیرت انگیز صورت حال تھی کہ ہم زمین کے بطن میں دوڑتے ہوئے نہ جانے کس طرف چلے جا رہے تھے۔ کس طرف؟ یہ کوئی نہیں جانتا تھا شاید کسی انجانی دنیا کی طرف یا شاید کسی سرسبز و شاداب خطے کی طرف۔ پتہ نہیں ہم کس طرف جا رہے تھے۔ پتہ نہیں ہمارا کیا انجام ہوگا؟ امید تو یہی تھی کہ ہم ایسے غائب ہوں گے کہ کوئی نہیں جانے گا کہ ہم کہاں سے آئے تھے اور کہاں گئے؟ چند برسوں بعد ہی دنیا ہمیں بھلا دے گی اور ہماری ہڈیاں پتہ نہیں کہاں پڑی سوکھ رہی ہوں گی؟ دائیں ہاتھ میں بانس لئے اسلوپوگاس بے فکر بیٹھا تھا جیسے اسے یقین ہو کہ اس کے لئے موت نہیں۔ وہ لافانی ہے۔ ڈونگے کے پچھلے حصے پر

کپتان جان گونڈ بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ چپو کیسے چلائے؟ اس کا چپو بار بار پانی میں گر گیا تھا جب پانی کی آواز پیدا کرتا اور پھر انہیں کھینچ لیا جاتا۔ گونڈ بھی مطمئن تھا "بہت اچھا۔ بہت اچھا۔" میں نے سوچا۔ "بیٹا گونڈ! میں تم کو زندہ سلامت تلاش میں چلا تھا ۔۔۔ وہ جو چوٹی تمہاری گھٹی میں پڑی ہے۔ جب اوکھلی میں سر دیا ہے تو دھماکوں سے کیوں ڈرتے ہو۔ اور نکلو تحقیق کرنے اور جاؤ نئی نئی بات دیکھنے۔ شاید تم اس موت کے غار سے زندہ نکل آؤ کہ بڑے ڈھیٹ ہو۔ تم اگر نہ نکلے تو یہ زیر زمین ندی بڑی اچھی قبر ثابت ہوگی۔ تمہاری سخت جانی سے امید تو نہیں کہ تم اتنے جلد مر جاؤ گے۔"

مجھے اعتراف ہے کہ اندر اس بہاؤ اور خوف کے میری حالت اعصابی مریضوں جیسی ہو رہی تھی۔ آپ ہی خیال کیجیے کتنا آزمائشی وقت تھا وہ۔ کتنی قیامت خیز گھڑی تھی۔ حقیقت میں بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہو جاتے۔ آپ ذرا اس وقت کو اپنے تصور میں لانے کی کوشش کیجیے۔ ایک نہایت تاریک سرنگ۔ اس میں ہم بہے جا رہے تھے اور نہیں جانتے کہ آنے والا گھنٹہ یا لمحہ ہمارے لیے کون سے مسائل لے کر آ رہا ہے۔ گھور اندھیرا اور اس اندھیرے میں ہم پانچ انجانی سمت کی طرف جا رہے تھے بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ کوئی قوت ہمیں ادھر لیے جا رہی تھی اور ہر پانچ منٹ کے بعد یقین ہوتا جا رہا تھا کہ ہم میں اور موت میں کچھ زیادہ فاصلہ باقی نہیں۔ اس حالت میں اگر کوئی پاگل ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

لیکن دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جو فانی نہ ہو۔ کوئی ایسی چیز نہیں جس کا انسان عادی نہ ہو جائے۔ رفتہ رفتہ میرا خوف بھی غائب ہونے لگا اور میں اس صورت حال کا عادی ہو گیا اور سچ پوچھیے تو میرا خوف اور اندیشہ لایعنی سا تھا

جبکہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ آئندہ پانچ منٹوں میں کیا ہونے والا ہے ہم نہایت مضبوط زیر زمین قلعہ میں تھے اور دروازہ پر بیدار گگڈا اور املوپوگاس بھی مستعد بیٹھے پہرا دے رہے تھے لیکن یہاں بھی اگر موت کو آنا ہے تو ضرور آئے گی اسے نہ تو املوپوگاس روک سکتا ہے نہ گگڈ اور نہ ہی یہ مضبوط سرنگ جو کچھ ہونا ہے ضرور ہو کر رہے گا قسمت کے لکھے کو ٹالنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے نہ ہی فانی انسان غیب کی باتوں کا علم رکھتا ہے پھر مستقبل کے بارے میں الٹے سیدھے اندیشے قائم کرکے اپنے آپ کو دہلانے سے فائدہ؟

دوپہر ہو چکی تھی جب ہم سرنگ کے غار میں داخل ہوئے تھے اور املوپوگاس اور گگڈ تقریباً دو بجے اپنی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھے تھے اور ان کی ڈیوٹی پانچ گھنٹے کی تھی۔ چنانچہ شام کے سات بجے میں نے اور ہنری نے گگڈ اور املوپوگاس کی جگہ سنبھالی اور وہ دونوں ڈونگے میں لیٹ گئے۔ میں چپو لئے ڈونگے کے پچھلے حصہ میں تھا اور ہنری نے املوپوگاس کی جگہ سنبھالی۔ سوائے اس کے کوئی خاص واقعہ نہ ہوا بس ایکبار ہنری نے مجھے جھک جانے کو کہا اور مجھے چپو چلا کر ڈونگے کو بیچ میں لانا پڑا

اس سرنگ کے بارے میں ایک بات حیران کن تھی یعنی یہ کہ یہاں کی ہوا تازہ کیسے رہتی ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ فضا میں گھٹن بھی تھی اور سرنگ کی ہوا بھی وزنی معلوم ہوتی تھی لیکن نہ اس قدر کہ سانس لینے میں دشواری ہو یا دم گھٹنے لگے۔ ہوا کے تازہ رہنے کی صرف ایک ہی وجہ سمجھ میں آئی اور وہ یہ کہ تالاب کا جو پانی سرنگ میں داخل ہوتا تھا وہ اپنے ساتھ تازہ ہوا کی کافی مقدار لیکر آتا تھا اور اندر کی خراب ہوا کو اپنے ساتھ لئے آگے بڑھ جاتا تھا بس یہی ایک وجہ تھی ہوا کے تازہ رہنے کی۔

ابھی ہم اس تبدیلی پر غور نہ کر پائے تھے شاید تین گھنٹے گزرے ہوں گے کہ بیچ رنگ کی فضا میں نمایاں تبدیلی محسوس ہونے لگی، ہوا گرم ہوتی جارہی تھی۔ پہلے پہل میں نے اس بات پر زیادہ غور نہیں کیا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی لیکن نصف گھنٹہ بعد ہی فضا گرم تر ہو گئی تو میں نے ٹیری سے پوچھا کہ آیا وہ بھی اس تبدیلی کو محسوس کر رہا ہے کہ نہیں!

"محسوس تو میں بھی کر رہا ہوں" اس نے جواب دیا "حقیقت میں مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں ترکی غسل خانے میں بیٹھا بھاپ کا غسل کر رہا ہوں۔"

ہمارے دوسرے ساتھی جو لیٹے نیند کے مزے لے رہے تھے دفعتاً ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور انھوں نے اٹھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنے کپڑے اتار کر ننگے ہو گئے۔ سارا پگھلا دینے والی گرمی کے جسم پر سوائے لنگوٹی کے کوئی کپڑا ایسا نہیں رہا جس کا ذکر کیا جاسکے۔

جیسے جیسے ہم اوپر آگے بڑھ رہے تھے ویسے ویسے فضا گرم ہوتی جارہی تھی ہمارا پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

نصف گھنٹہ اور گزر گیا۔

اور اب ہم میں سے کسی ایک کے جسم پر بھی کوئی کپڑا نہ تھا۔ ہم سب ننگے ہو گئے تھے۔ مادر زاد ننگے۔ گرمی ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔ گرم اور گرم۔ اور میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں یہ جگہ دوزخ کا ساتواں طبق تو نہیں؟ میں نے بلا سوچے سمجھے اپنا ہاتھ بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا لیکن پھر فوراً ہی ایک چیخ کے ساتھ واپس کھینچ لیا۔

پانی قریب قریب ابل رہا تھا۔

ہمارے سامان میں ایک چھوٹا سا تھرمامیٹر موجود تھا جلدی سے ساری چیزیں ٹٹول کر میں نے اسے نکالا اور لالٹین کی روشنی میں دیکھا اس کا سیماب ایک سو تیس درجہ

پر جا ہوا تھا۔ او خدا! یہ کیا نئی مصیبت نازل ہوئی۔ پانی کی سطح پہ ہماری بھاری بھاپ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ یافو نے جو اب تک خاموش بیٹھا ہوا تھا اپنی فطرت سے مجبور ہو کر چلایا تھا۔ "وفیبوں، اوہ، ہم خدا کی قسم مقام اعراف[1] سے گذر رہے ہیں۔ اے باپ، مر گئے۔ او خدا میری اینات۔ میری پیاری۔"

حقیقت میں معلوم تو یہی ہوتا تھا کہ ہم اعراف میں ہی ہیں۔

"معلوم ہوتا ہے" ہنری نے کہا "کہ ہم کسی زیر زمین سلگتے ہوئے آتش فشاں کے اوپر سے گذر رہے ہیں" اور سرنگ میں پھیلتی ہوئی روشنی کے سبب ہنری کا خیال ایک حد تک ٹھیک ہی معلوم ہوتا تھا۔

اس کے بعد ہم پر جو کچھ گذری اسے بیان کرنے کی طاقت میں اپنے قلم میں نہیں پاتا۔ ہمارے جسموں میں جتنا پسینہ تھا تمام کا تمام بہہ چکا تھا اور اب ہمارے جسم ایندھن کی طرح خشک تھے۔ اس حالت میں ہنری اور میں اپنی جگہ پر بیٹھ نہیں سکتے تھے چنانچہ ہم نے ڈونگے کو اللہ توکل چھوڑ دیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے پیندے میں لیٹ گئے۔ ننگے بالکل ننگے۔ لیکن پیندہ ابھی اتنا گرم ہو چکا تھا کہ معلوم ہوتا تھا ہم انگاروں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت مجھے خیال آیا کہ مچھلی کی حالت پانی سے باہر نکلنے پر ایسی ہی ہو جاتی ہوگی جیسے کہ ہماری ہو رہی تھی یعنی ہمارا دم گھٹ رہا تھا اور ہم تڑپ رہے تھے گرمی کی شدت کے باعث ہماری جلد تڑخ گئی اور کنپٹیوں کے قریب خون گرم ہو کر سنسنانے لگا۔

کچھ دیر تک یہی حالت رہی

---

[1] PURGORATORY وہ مقام جہاں عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق روحیں گناہ صغیرہ سے پاک کی جاتی ہیں۔ (مظہر الحق علوی)

یکلخت ندی ایک طرف کو مڑ گئی اور ساتھ ہی ہم ندی کے منبع سے جو ڈونگے کے انتہائی سرے پر پڑا ہوا تھا، نہایت حیرت سے چیخ نکل گئی۔ میں نے گردن اٹھائی تو ایک انوکھا مگر خون خشک کر دینے والا نظارہ دیکھا۔

ہم سے کوئی نصف میل دور ندی کے بیچ سے ذرا بائیں طرف ہٹ کر ندی کا پاٹ مجھے بخوبی نظر آ رہا تھا۔ وہ نسبتاً چوڑا تھا۔ سفید شعلوں کا ایک فوارہ پانی کی سطح سے ابل رہا تھا۔ آگ کا یہ فوارہ پندرہ فٹ کی بلندی تک سرنگ کی چھت سے ٹکراتا اور پھٹ کر چاروں طرف کسی پودے کی طرح پھیل کر پھول کی شکل میں الجھ جاتا۔

گیس کا وہ فوارہ صحیح معنوں میں ایک زبردست گل آتشیں تھا جو سیاہ پانی کی سطح سے اگ آیا تھا۔ نیچے پھول کا ڈنٹھل تھا۔ ایک فٹ سے کچھ زیادہ موٹا اور اس ڈنٹھل کے اوپر پندرہ فٹ کی بلندی پر آتشیں پھول کھل رہا تھا۔ اس پھول کے آتشیں حسن اور اس کی دہشت انگیزی کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ہم اس گل آتش سے پندرہ سو گز دور تھے اور چاروں طرف کالا کالا گھٹا ٹوپ اندھیرا منڈلا رہا تھا۔ دیکھو! اس گل کی خشمناکی اور تیزی یہ تھی کہ سرنگ میں اجالا ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سورج کا گولا یا اس کا ٹکڑا ہمارے سروں پر اتر آیا ہے۔ آتشیں گل نے سرنگ کے مضبوط چٹانی چھت پر چالیس گز تک روشنی ڈال رکھی تھی اور دیواروں کے پرت اتر گئے تھے اور اس میں سفید سفید رگیں سی نظر آ رہی تھیں اس وقت ہم اتنے پریشان تھے کہ معلوم نہ کر سکے کہ وہ رگیں کون سی دھات کی ہیں

ہمارا ڈونگا بڑی سرعت سے اس آتشیں گل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ گرمی ناقابل برداشت تھی اگر کسی شہر کے تمام باشندے مل کر کوئی بھٹی روشن کریں بڑی سی بھٹی جس میں پورے ایک جنگل کے تمام درخت کاٹ کاٹ کر ڈال دیے جائیں

تب بھی وہ اس گل آتشی کی تمازت اور تیزی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

"کوارٹر مین۔ خدا کے لئے۔ ڈونگے کو دائیں طرف رکھنے کی کوشش کرو۔ دائیں طرف، میرے بھائی دائیں طرف۔ اوہ" ہنری چلایا اور فوراً ہی بے ہوش ہو کر اوندھے منہ گرا۔ الفو نے کبھی کا بے ہوش پڑا ہوا تھا ہنری کے بعد گڈ بھی بے ہوش ہو گیا۔ صرف املوپوگاس اور میں ڈونگا سنبھالنے کی جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔

اب ہمارے اور گل آتشی کے بیچ میں صرف پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا املوپوگاس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا اس کے لانبے لانبے بال بے جان سے ہو کر لٹک گئے۔ وہ کمر سے جھکا اور ایک زوردار دھماکے کے ساتھ ڈونگے میں گرا۔ وہ بھی بے ہوش ہو چکا تھا اور تنہا میں اپنی تمام تر قوت صرف کر کے ڈونگے کو دائیں طرف رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میری سانس رکی جا رہی تھی۔ رگوں میں جانے خون کے بجائے گرم گرم لاوا گردش کر رہا تھا۔ دماغ کی رگیں پھٹی جا رہی تھیں اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ بس ذرا دیر میں دماغ پگھل کر ناک کی راہ بہہ جائے گا یا کھوپڑی تڑاخ سے پھٹ جائے گی۔ چوبی ڈونگا اتنا تپ گیا تھا کہ جلنے کے قریب تھا۔ سرنگ کی چھت کندن دور تک تپ کر تانبے ایسی سرخ ہو رہی تھی اور ہمارے شکار کئے ہوئے ہنس کے پر گرمی سے اینٹھ کر چرمر ہوئے جا رہے تھے لیکن میں نے اپنے ہوش بجا رکھنے میں ہمت نہ ہاری کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر میں بھی بے ہوش ہو گیا تو ہمارا ڈونگا آتشی گل کے بیچ میں سے یا اس کے قریب سے گزرے گا اور ہم سب جل بھن کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ انسان کے اختیار میں کیا نہیں؟ وہ چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ میں نے ہوش میں رہنے

کی کوشش کی اور کامیاب ہوا۔ میں نے چپو اُبلتے ہوئے پانی میں ڈالا اور اس بات کی کوشش کرنے لگا کہ جتنا بھی ممکن ہو ڈونگے کو آتشی گل سے دور رکھوں۔

میری آنکھیں حلقوں سے نکلنے کے قریب تھیں۔ وہ بُری طرح سے جل رہی تھیں میں نے آنکھیں بند کر لیں لیکن پھر بھی روشنی پپوٹوں کو چیر کر دیدوں تک پہنچ رہی تھی

اب ہمارا ڈونگا اس آتشی گل کے بالکل مقابل تھا۔ آتشی گل دوزخ کی آگ کی طرح دہک رہا تھا اور دہاڑ رہا تھا اور ندی کا پانی انگیٹھی میں رکھی ہوئی کیتلی کے پانی کی طرح ابل رہا تھا۔

پانچ سکنڈ۔ قیامت کے پانچ سکنڈ۔

اور ہمارا ڈونگا اس دوزخی شعلے سے گذر گیا۔ شعلے کی گرج مجھے اپنے پیچھے سنائی دے رہی تھی اور پھر میں بھی بے ہوش ہو گیا۔

نہ جانے میں کب تک بے ہوش پڑا رہا۔

مجھے اپنے چہرے پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس ہوئے۔ بمشکل میں نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اوپر، بہت اوپر نیلی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ ڈونگا بدستور بہہ رہا تھا۔ اور اس میں میرے ننگ دھڑنگ ساتھی بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔

"کیا میرے سب ساتھی مر گئے؟" میں نے سوچا "اور تنہا میں ہی بچ رہا؟"

اس سوال کا مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ دفعتہً مجھے شدید پیاس کا احساس ہوا میں نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا اور پھر ایک چیخ کے ساتھ واپس کھینچ گیا۔ ہاتھ کی پشت پر کی کھال جل کر اتر چکی تھی اور جب میں نے پانی میں ہاتھ ڈالا تو بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے کتنی تکلیف ہوئی۔ بہرحال پانی ٹھنڈا تھا۔ میں نے پانی پیا اور پھر اپنے جسم پر پانی کے چھینٹے دئے۔ پکی ہوئی خشک اینٹ کی طرح میرا جسم سوکھ رہا تھا۔ پانی کے چھینٹوں سے مجھے کچھ نہ کچھ فرحت محسوس ہوئی لیکن جہاں جہاں

میری جلد جل یا جھلس گئی تھی وہاں پانی بڑا تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔

میری وحشت کم ہوئی تو مجھے اپنے ساتھیوں کا خیال آیا میں نے باری باری سے ان پر بھی پانی چھڑکا اور یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ وہ رفتہ رفتہ ہوش میں آرہے تھے سب سے پہلے املوپوگاس کو سب سے آخر میں ایلفو نے کو ہوش آیا میرے ساتھی ہوش میں آتے ہی پانی پر پل پڑے اور اسفنج کی طرح پانی چوستے رہے۔ چونکہ ہم ناقابل بیان گرمی میں سے آرہے تھے اس وقت کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ ہم نے دوبارہ کپڑے پہن لئے۔

"اگر یہ ڈونگا جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ الگ الگ تختے جوڑ کر بنایا گیا ہوتا تو۔" گڈو نے کہا۔ "تو گرمی کے اس کے جوڑ کھل گئے ہوتے اور ہمیں غرق کرنے کیلئے ڈونگے میں کافی پانی گھس آتا۔"

لیکن یہ ڈونگا جیسا کہ میں پہلے کہیں لکھ چکا ہوں کسی درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنایا گیا تھا اور کافی مضبوط ہونے کے باوجود بہت ہلکا پھلکا تھا ڈونگے کی دیواریں تین انچ اور پیندا چار انچ موٹا تھا۔

وہ آتشیں گل کیا بلا تھی یہ ہم آج تک نہ جان سکے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ندی کی تہہ میں کوئی دراز یا سوراخ ہو گیا ہوگا۔ اس سوراخ سے راہ پاکر زمین کے بطون میں جلتے ہوئے آتش فشاں کی بھس باہر کو نکل آئی ہوگی اور پانی کو اپنے ساتھ لیتے ہوئے اوپر کو اٹھی ہوگی۔ سنتے آئے تھے کہ کہیں پانی میں بھی آگ لگ سکتی ہے؟ لیکن ہماری آنکھوں نے نہ صرف پانی میں آگ بلکہ پانی کو آگ میں تبدیل ہوتے بھی دیکھ لیا۔

جب ہم کپڑے بدل چکے اور ہمارے حواس بجا ہوئے تو اب یہ فکر ہوئی کہ اس وقت ہم کہاں ہیں؟ میں کہہ چکا ہوں کہ جب مجھے ہوش آیا تھا تو بہت اوپر ہلکی ہلکی

روشنی نظر آتی تھی۔ اب جو غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ روشنی آسمان پر ہوتی تھی ندی کے دونوں کناروں پر دو ہزار فٹ بلند چٹانیں کھڑی تھیں۔ نہایت مضبوط اور پائیدار چٹانیں جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں بے حد بلند تھیں اتنی بلند کہ ہمیں آسمان تو نظر آرہا تھا مگر روشنی ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی لیکن اس سرنگ میں ایسی تاریکی بھی نہ تھی جس سے نکل کر ہم آرہے تھے موسم گرما میں ٹھیک دوپہر کے وقت اگر کسی کمرے کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر دی جائیں تب بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ کمرے میں دھندلی روشنی پھیلی رہتی ہے۔ بس ایسی ہی روشنی ان چٹانوں کے بیچ میں تھی۔ ندی کے دائیں بائیں جو بلند چٹانیں کھڑی ہوئی تھیں ان کے بیچ کا خلا اوپر جا کر شاید کم ہو جاتا تھا کیونکہ آسمان ہمیں ایک نیلی دھجی کے مانند نظر آرہا تھا۔ چٹانوں کی چوٹیاں بالکل ننگی تھیں۔ کوئی درخت کوئی پودا نظر نہیں آرہا تھا البتہ چٹانی دیوار پر کسی مردے کی ٹھوڑی پر لہراتی ہوئی ڈاڑھی ایسی لانبی لانبی کائی لٹک رہی تھی۔

ندی کے دائیں بائیں چٹانوں نے صدیوں تک ٹوٹ ٹوٹ کر ایک چھوٹا سا ساحل بنا دیا تھا ساحل کیا تھا بس یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی جن نے زمانۂ قدیم کے توپ کے گول پتھریلے گولے بکھیر دئیے ہیں۔ موسم باراں میں جب ندی کا پانی چڑھ جاتا ہوگا تو یہ ساحل بھی زیر آب ہو جاتا ہوگا۔

اور اسی ساحل پر ہم نے اترنے کا ارادہ کیا تاکہ اپنی سخت مشکلات سے گزرنے کے بعد اپنے آپ کو اور اپنے اعصاب کو کچھ دیر آرام دے سکیں۔ اپنا ساز و سامان بھی درست کر لیں اور ڈونگے کی بھی مرمت کر لی جائے۔ دائیں طرف کا ساحل مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ کافی دقتوں کے بعد ہم نے ڈونگا ساحل سے

لگایا۔

"اوہ خدا" گڈ نے ہم سب سے پہلے خشکی پر قدم رکھتے ہوئے کہا: "کیا دہشتناک جگہ ہے۔ اوہ۔ اس کی ویرانی سے ہی کسی کے دل کو دورے پڑنے لگیں۔" اور وہ ہنسا۔

فوراً ہی ایک گرجدار آواز نے گڈ کے الفاظ اٹھا لیے اور اسے ہزار گنا بڑھا کر واپس ہمارے منہ پر دے مارا۔ "دورے پڑنے لگیں۔ ہو، ہو، ہا، ہا" آواز گرجی۔

"دورے، آہا ہو، ہا۔ ہا۔ ہا" دوسری آواز نے چوٹیوں پر سے جواب دیا۔

"دورے، دورے، دورے" کئی آوازیں گونجیں اور نظر نہ آنے والے لاتعداد ہونٹوں سے بھیانک قہقہوں کا ایک طوفان ابل پڑا یہاں تک کہ تمام جگہ ان آوازوں سے بھر گئی۔ یہ آوازیں اتنی زوردار تھیں کہ ہم نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ آوازوں کا طوفان بہت دیر تک چٹانوں پر اور سطح آب پر لرزتا رہا یہاں تک کہ یہ آوازیں جس طرح ایک دم سے پیدا ہو گئی تھیں اسی طرح سے یکلخت غائب ہو گئیں۔

"اوہ" امسلوپوگاس نے کہا: "یقیناً یہ جگہ شیطانوں کا مسکن ہے۔ اور یہ جگہ ہے بھی ایسی ہی کہ یہاں سوائے شیطانوں اور بھوتوں کے کوئی رہ نہیں سکتا۔"

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ تمام گڑبڑ صرف آواز بازگشت کی وجہ سے ہے اور کچھ نہیں لیکن یہ بات کسی طرح اس کے ذہن نشین نہ ہو سکی۔

"میکومیزن" اس نے کہا: "میں بازگشت کو پہچانتا ہوں ہمارے گاؤں

کے باہر بھی ایک بازگشت رہتی ہے جس سے ہمارے گاؤں کی عورتیں اور بچے باتیں کرنے کی عادی ہیں۔ اب اگر یہاں کی بازگشت جوان ہے تو ہمارے گاؤں کی بازگشت شیر خوار بچہ ہوگی۔ نہیں، نہیں میکومیزن۔ یہ بازگشت واز گشت نہیں۔ ان چٹانوں کی چوٹیوں پر شیطان بستے ہیں لیکن اگر ان کا یہ خیال ہے کہ وہ مجھے خوفزدہ کر دیں گے تو وہ غلطی پر ہیں" اس نے چٹکی بھر نسوار اپنے نتھنوں میں چڑھا لی۔ "بات یہ ہے کہ یہ شیطان اور بھوت وغیرہ انسان کے الفاظ کی نقل اتار سکتے ہیں لیکن بذات خود وہ کچھ کہہ نہیں سکتے۔ ان کی کھوپڑیاں خالی ہوتی ہیں نا اس لئے؟ اور نہ ہی ان میں اتنی ہمت ہے کہ کوئی روپ دھار کر انسانوں کے سامنے آئیں۔

جب ہمارے ہر لفظ کو گیند بنا کر چٹانیں اس سے ٹینس کھیلنے لگیں تو ذرا آپ ہی خیال کیجئے ہمیں گفتگو کرنے کے لئے کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ ہمارے منھ سے نکلی ہوئی آواز بھی ہزار گنا بڑھ جاتی تھی اور پھر وہ کافی دیر تک گونجتی رہتی تھی۔ یہ چیز اتنی ناقابل برداشت تھی اگر یہ ہی منٹ منٹ میں آوازوں کا طوفان اٹھتا رہا تو یا تو ہم پاگل ہو جائیں گے یا پھر بہرے۔ چنانچہ ہم سرگوشیوں میں گفتگو کرنے لگے لیکن ہماری یہ کانا پھوسی بھی نہایت پر اسرار بڑبڑاہٹ میں تبدیلی ہو کر چٹان پر دوڑتی اور پھر ایک آہ کے ساتھ ختم ہو جاتی۔

بازگشت نہایت دلچسپ چیز ہے لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ کوئی چیز بہت میٹھی ہو تو کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اس دہشت ناک کھاڑی میں یہی دلچسپ اور مزیدار بازگشت ہمارے لیے وبال جان بنی ہوئی تھی۔

کافی دنوں کے بعد ہم گول گول پتھروں پر بیٹھنے کے عادی ہوگئے اور اب

ہم نے اپنے زخموں کو دھونا اور ان کی مرہم پٹی کرنا شروع کیا ہر ایک کی کھال جگہ جگہ سے جھلس گئی تھی۔ ہم نے ایک ہانس کی کھال اتار کر اس کی چربی کو بطور مرہم استعمال کیا۔ یہ چربی بڑا اچھا مرہم ثابت ہوئی جھلسی ہوئی جگہ کی جلن بالکل باقی تو نہ رہی البتہ اس میں اتنی کمی ضرور واقع ہو گئی کہ ہم اسے بآسانی نظر انداز کر سکتے تھے۔ اس کے بعد ڈونگا کی مرمت کی۔ ساز و سامان نئے سرے سے باندھا اور پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنے لگے۔ ہماری بیہوشی شاید کئی گھنٹوں تک قائم رہی تھی۔ کیونکہ ہمارے پیٹ خالی تھے اور ہمارے بھوک کے آنتیں اینٹھی جا رہی تھیں اور یہ ہماری گھڑیاں بتا رہی تھیں کہ دوپہر ہو چکی۔

ہم دائرہ بنا کر بیٹھ گئے اور ہرن کی ران پر پل پڑے۔ ایسا کھانا کھانے کا شاید ہی کسی کا اتفاق ہوا ہو۔ ہم ٹٹول کر اپنا ہاتھ گوشت تک لے جاتے۔ بڑی مشکلوں سے لقمہ توڑتے اور پھر وہ ہاتھ اندھیرے میں منہ کی طرف جاتا اور لقمہ کو آہستہ سے منہ میں چھوڑ دیتا۔ ایک لقمہ اٹھانے میں ہمیں اتنی ہی دیر ہو رہی تھی جتنی کہ آپ کو باورچی خانہ میں چار لقمے اٹھانے میں ہوتی ہوگی۔

یکایک املوپوگاس چیخ اٹھا ہم حیران رہ گئے کہ بات کیا ہوئی۔ املوپوگاس بے تحاشہ گالیاں بک رہا تھا اور ہم سوال پر سوال کر رہے تھے کہ کیا ہوا؟ جب اس کا غصہ فرو ہوا تو اس نے پوری بات بتائی۔ ہوا یوں کہ اتفاقاً الیفونسے کا ہاتھ املوپوگاس کے ہاتھ پر پڑ گیا جو لقمہ توڑ رہا تھا۔ الیفونسے کے ہاتھ میں املوپوگاس کی انگلی آگئی۔ وہ سمجھا کہ کسی نے لقمہ بنا کر رکھا ہے جو خوش قسمتی سے اس کے ہاتھ آگیا۔ چنانچہ اس نے

اسلوپوگاس کی انگلی دبوچ کر اٹھائی۔ ادھر اسلوپوگاس جو اس جگہ شیطانوں کے مسکن کا قائل تھا حیران تھا کہ اس کا ہاتھ کون اٹھا رہا ہے؟ الیفونسو نے اسلوپوگاس کی انگلی اپنے منھ میں رکھی اور نہایت اطمینان سے چبانے لگا۔

بڑی مضحکہ خیز بات ہوئی تھی یہ لیکن ہم اس خوف سے ہنسی روکے ہوئے تھے کہ کہیں ہنسی نکل گئی تو پھر اس کی آواز بازگشت ہمارے کانوں کے پردے پھاڑ دے گی۔

ہمارا دوپہر کا کھانا جاری تھا کہ مجھے اپنی پشت کی طرف سرسراہٹ کی آواز سنائی دی جیسے کوئی چیز پتھر پر رینگ رہی ہو۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا۔

میں پھر کھانے لگا۔ آواز پھر آئی اور اس وقت بہت قریب سے۔ اس بار جب پھر میں نے گھوم کر دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ ایک چٹان پر نہایت عظیم الجثہ کیکڑا بیٹھا سیاہ اتنی آنکھوں سے ہمیں گھور رہا تھا۔ ہمارے طور سے ہماری دنیا میں جو بڑے سے بڑا کیکڑا پایا جاتا ہے اس سے پانچ گنا بڑا تھا یہ کیکڑا۔ اس کے منھ کے دونوں طرف دو چمکدار سینگ سے تھے اور اس کے پنجے بڑے بڑے دیو کے پنجوں جیسے تھے۔ ابھی میں اس کیکڑے کو دیکھ رہا تھا کہ گول پتھر کے پیچھے اور چٹان کی درازوں میں سے ایسے ہی دیو قامت کئی کیکڑے ہمارے کھانے کی بو سونگھ کر نکل آئے۔ ان میں سے چند تو ہمارے بالکل قریب آ گئے۔

میں اس انوکھے منظر کو نہایت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کہ ایک کیکڑا گڈّے کے پیچھے رینگ گیا۔ گڈّے بے خبر بیٹھا لقمے توڑ رہا تھا کہ اس گھناؤنے جانور نے اپنے پنجے پھیلا کے گڈّے کے کولہوں کو دبوچ لیا۔ گڈّا اچھلا اور بے اختیار اس کے منھ سے چیخ نکل گئی اور اس کی بازگشت دیر تک ہمیں پریشان کرتی رہی۔

"اوف، مر گیا" گڈّے نے کہا۔ "کیا چٹکی لی ہے کمبخت نے"

اسی وقت دو دیو قامت کیکڑوں نے الیفونسو کی ٹانگ پکڑی اور زور سے

ایلفونسے کے جسم سے توڑنے کے لئے زور آزمائی کرنے لگے۔ اب آپ خود تصور کر سکتے ہیں کہ کیسا منظر ہوگا وہ؟ دو کیکڑے ایلفونسے کو گھسیٹ رہے تھے اور ایلفونسے کی آنکھیں مارے خوف کے پھٹی جا رہی تھیں۔ اس کا منھ کھلا ہوا تھا لیکن اس میں سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

اسلوپوگاس نے جلدی سے اپنا کلہاڑا اٹھایا اور ایلفونسے کی ٹانگ سے لپٹے ہوئے کیکڑوں میں سے ایک کا خون کر دیا۔ کیکڑا نہایت ہی بھیانک آواز میں چلایا اور اس کے منھ سے کف جاری ہو گیا۔ اس کی آواز سن کر ان گنت دوسرے نادیدہ سوراخوں سے نکل آئے۔ جتنے کیکڑے اپنے زخمی ساتھی کے قریب تھے وہ اس پر یوں پل پڑے جیسے قرض خواہ کسی دیوالئے پر۔ چشم زدن میں کیکڑوں نے زخمی کیکڑے کی تکا بوٹی اڑادی اور جس کے حصے میں جو بھی عضو آیا اسے چٹ کر گیا۔

پتھر، بانس، چپو جو بھی ہتھیار ہاتھ میں آیا وہ اٹھا کر ہم نے ان دیو ہیکل جانوروں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ان کی تعداد بڑی سرعت سے بڑھتی جا رہی تھی اور ان سے اٹھتی ہوئی بدبو سے ہمارے دماغ پھٹے جا رہے تھے جیسے ہی ہم کسی کیکڑے کو زخمی کرتے کہ فوراً دوسرے کیکڑے اس سے چمٹ کر اسے ہڑپ کر لیتے اور ہضم کر جاتے ہم بڑی پھرتی سے ان راکشسوں کو زخمی کر رہے تھے کہ ان کی توجہ ہماری طرف سے ہٹی رہے اور اگر کہیں وہ ہم سے چمٹ جاتے تو ہمارے بھی ٹکڑے اڑا دیتے۔

ایک کافی بڑے کیکڑے نے ہنس پر قبضہ جمایا اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک طرف چلا جب دوسرے نے دیکھا کہ اس کا ایک ساتھی نہایت ہی تر مال اڑائے لئے جا رہا ہے تو وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اس کے بعد ایک نہایت ہی گھناؤنا

اور خطرناک منظر شروع ہوا۔ دونوں راکششوں کے منھ میں کف بھر آیا۔ وہ آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو لاتیں جما رہے تھے۔ وہ چلا رہے اور اپنے جسم پر کے سینگوں سے ایک دوسرے کو کھسوٹ رہے تھے۔ اس خانہ جنگی سے دوسرے کیکڑوں نے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے ہنس کا گوشت تقسیم کیا اور نہایت اطمینان سے "تر مال" ہضم کر گئے۔

میں نے کہا دوستو۔ اس منحوس جگہ سے جتنی جلد ممکن ہو بھاگو ورنہ ہماری خیر نہیں"۔ گڈ نے کہا۔

ہم ڈونگے کی طرف دوڑے۔ ڈونگے کے چاروں طرف لاتعداد کیکڑے رینگ رہے تھے اور کئی ایک اس کی دیوار پر چڑھنے میں کوشاں تھے۔ ہم نے ڈونگے کو گھسیٹ کر پانی میں ڈالا۔ بڑی افراتفری میں اس میں سوار ہوئے اور اسے ندی کے بیچ میں لے آئے۔ ساحل پر ہمارے بچے کھچے کھانے پر دیو ہیکل کیکڑے اب تک جھگڑ رہے تھے اور ان کی چیخوں کی آوازیں کھاڑی میں گونج رہی تھیں۔ آخر کار میدان ان راکششوں کے ہاتھ رہا اور ہم انسانوں کو فرار ہوتے ہی بنی۔

"دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا کہ یہاں شیطان اور بھوت بستے ہیں؟ یہ بھیانک کیکڑے اس جگہ رہنے والے بھوت ہیں۔ یہ اور کیا ہیں؟" امسلوپوگاس نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے یوں کہا جیسے اس نے وہ معمہ حل کر لیا ہو جو اسے دیر سے پریشان کر رہا تھا۔ اور سچ پوچھئے تو میں نے بھی امسلوپوگاس کی اس بات پر آمنّا و صدقنا کہا۔

"اب کیا کیا جائے؟" ہنری نے پوچھا۔

"بہاؤ کے ساتھ بہتے چلو، اور کیا"۔ میں نے جواب دیا۔

اور ہم اوپر بہت اوپر آسمان کی طرف نظر آتی ہوئی نیلی دھجی تکتے رہے۔ ہمیں پتہ بھی نہیں چلا کہ دن کب ختم ہوا اور رات کب شروع ہوئی اس گہری کھاڑی میں دن اور رات میں تمیز ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ گڈ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا جہاں تنہا تارہ آنکھیں جھپک رہا تھا اور اب ہمیں یقین ہوا کہ واقعی رات ہو گئی۔ ہمیں کوئی کام کرنا نہ تھا اس لئے ہم گردنیں اٹھائے بڑی دلچسپی سے تارے ہی کو دیکھنے لگے اور کرتے بھی کیا۔

دفعتہً وہ تارہ غائب ہو گیا اندھیرے کی چادر دبیز ہو گئی اور ایک جانی بوجھی سرسراہٹ کی آواز نے فضا کو پر کر دیا۔

"لو بھئی زیر زمین آگئے۔" میں نے لالٹین اٹھا کر منہ بسورتے ہوئے کہا۔ اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی۔ ہمارے سروں پر چپاتی چھت نظر آرہی تھی۔ کھاڑی ختم ہو چکی تھی اور سرنگ شروع ہو گئی تھی۔

اور یوں ایک اور لرزہ براندام طویل رات کا آغاز ہوا۔

تمام واقعات کی تفصیل بیان کرنا بیکار ہوگا صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آدھی رات کے قریب ہمارا ڈونگا کسی چٹان سے ٹکرایا اور قریب قریب الٹ گیا اور ہم ڈوبنے سے بال بال بچے۔ بہ دقت تمام ڈونگے کو سیدھا کیا گیا۔ لرزتے کانپتے اس میں سوار ہوئے اور ناہموار انجان راستے پہ چل پڑے یا یوں کہئے کہ بہنے لگے۔

سکنڈ کے بعد منٹ اور منٹ کے بعد گھنٹے گزرتے چلے گئے۔

یہاں تک کہ تین بج گئے۔ گڈ، ہنری اور ایلفو نسے پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ امسلوپوگا س بانس لئے ڈونگے کے اگلے حصے پر بیٹھا تھا اور میں چپو لئے پچھلے حصہ پر۔ دفعتہً مجھے احساس ہوا کہ ہم جس رفتار سے بہہ رہے تھے

اس میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈونگے کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ تیز، تیز، اور بھی تیز۔ دوسرے ہی لمحے امسلوپوگاس کے منہ سے حیرت کے کلمات نکلے اور پھر ٹہنیوں کو ہٹانے اور ان کے ٹوٹنے کی آواز آئی ہمارا ڈونگا لٹکتی ہوئی جھاڑیوں یا بیلوں کے بیچ سے گزر رہا تھا۔

ایک منٹ۔ دو منٹ۔

اور تازہ ہوا کا جھونکا میرے جسم میں کپکپی پیدا کرتا ہوا گزر گیا اور مجھے یوں معلوم ہوا جیسے ہمارا ڈونگا سرنگ سے نکل کر کھلے پانی پر تیر رہا ہے یہاں میں نے لفظ "معلوم ہوا" اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس وقت اندھیرا بہت گہرا تھا اور میں کوئی خاطر خواہ نتیجہ اخذ نہ کر سکا تھا۔

میری باچھیں کھلی جا رہی تھیں اور دل مارے خوشی کے قلابازیاں کھا رہا تھا۔ ہم اس موت کے غار سے صحیح سلامت نکل آئے تھے۔ میں خوش تھا۔ بے حد خوش۔ اتنا کہ مجھے خوف ہو چلا تھا کہ کہیں مجھے شادی مرگ نہ ہو جائے۔ بمشکل میں نے اپنی خوشی کو دبائے رکھا اور صبح کا انتظار کرنے لگا۔ آج سے پہلے میں نے کبھی اتنی بے چینی اور شوق سے صبح کا انتظار نہ کیا تھا۔

قریباً ایک گھنٹہ تک میں صبح کا انتظار کرتا رہا۔

اس عرصہ میں امسلوپوگاس بھی گہری نیند سو گیا تھا اور میں تنہا بیٹھا ہوا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر کار افق مشرق پر زردی چھا گئی۔ صبح آپ سے پھولوں ایسی سپید۔ پہاڑیوں ...

یہ انجرات تھے جو سورج کے خیر مقدم کو اٹھے تھے۔ زردی بسنتی رنگ میں اور پھر سرخی میں تبدیل ہو گئی۔ افق مشرق کسی نئی دلہن کے رخساروں ایسا سرخ تھا۔ کچھ دیر بعد روشنی کی سلاخیں سی آسمان پر پھیل گئیں اور ساتھ ہی صبح کے پیغامبر زمین کی طرف چلے انہوں نے انجرات کے دامن میں شگاف ڈال دیئے۔ چند منٹ اور، مشرق افق کے سنہری پھاٹک کھلے اور سورج دیوتا اپنے رتھ میں سوار دن بھر کے سفر کے لئے چل پڑے۔

اور سہانی صبح مسکرا اٹھی۔

لیکن اب تک نہیں نہ معلوم کر سکا کہ ہم کہاں ہیں؟ گاڑھے گاڑھے انجرات روئی کے گالوں کی طرح میرے چاروں طرف منڈلا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ سورج کی آتشی کرنیں انجرات کو نگلتی چلی گئیں اور میں نے دیکھا کہ ہمارا ڈونگا گہرے نیلے پانی پر تیر رہا تھا لیکن کنارا کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ پیچھے کوئی آٹھ دس میل کے فاصلے پر بلند اور غیر متوازن پہاڑوں کا لامتناہی سلسلہ چلا گیا تھا۔ یہ پہاڑ اسی تالاب پر جس میں کہ ہمارا ڈونگا بہہ رہا تھا بند کی دیوار کی طرح کھڑے تھے۔ انہی پہاڑوں کے دامن میں کوئی بڑا سا سوراخ ہوگا جس کے ذریعہ زیر زمین دریا اور اس کے ساتھ ہی ہم بھی نکل آئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ میرا یہ خیال بالکل صحیح تھا لیکن عجیب بات یہ معلوم ہوئی کہ سوراخ کے قریب ہی بہت سی چٹانیں زیر آب تھیں اور پانی بڑی تیزی سے چھوٹے چھوٹے آبشار بنا کر بہتا تھا۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ہمارے ڈونگے نے کس طرح سے ان آبشاروں کو طے کیا اور ہمیں صحیح سلامت اس تالاب تک لے آیا؟ اس معمے کا حل ہمیں آج تک نہ ملا۔

املوپوکا س نے جو اس وقت میں بیدار ہو چکا تھا ایک طرف اشارہ کیا۔ کوئی سفید سفید چیز تھی جو سب پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ ڈونگے کو کھینتے ہوئے ہم اس کے قریب جا پہنچے۔ وہ کسی شخص کی لاش تھی جو منہ کے بل پڑی ہوئی تھی۔ ہمیں دہشت زدہ کرنے کے لئے یہی کافی تھا۔ لیکن جب املوپوکاس نے چپو کا ٹہوکا دے کر لاش کو سیدھا کیا تو میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ لاش کے مسخ شدہ خدوخال کے باوجود ہم نے اسے پہچان لیا وہ لاش ہمارے اس دکوافی ملازم کی تھی جسے دو روز پیشتر موت کے غار نے نگل لیا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم اپنے دکوافی ملازم کو کہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں نہیں اس کا بے جان جسم اس زیرِ زمین سفر میں ہمارا ساتھی رہا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کے خدوخال بگڑ چکے تھے۔ چٹانوں سے ٹکرا کر اس کے جسم کے ٹکڑے اڑ گئے تھے۔ آتشی گل سے گذرنے کے باعث اس کا چہرہ جھلس کر توے ایسا سیاہ ہو گیا تھا اور بال جل گئے تھے۔ شاید ان دیو قامت کیکڑوں نے بھی اس شکار کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی کیونکہ اس کے رخساروں اور ناک پر ان کے نشانات موجود تھے۔ اس کے مسخ شدہ چہرے پر وہ خوف اور مایوسی جو غرق ہوتے وقت میں نے اس کے چہرے پر دیکھی تھی منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نظارے نے مجھے بالکل ہی بدحواس کر دیا اور مجھے وہ تمام خطرات جن سے ہم گذر کر آ رہے تھے از سرِ نو یاد آ گئے۔ دفعتہً لاش یوں غرق ہونے لگی جیسے اس کی ٹانگ سے رسی باندھے کوئی آہستہ آہستہ نیچے کی طرف کھینچ رہا ہو۔ جب تک وہ اوندھی پڑی رہی تھی تب تک تو وہ تیرتی رہی لیکن جب اسے سیدھا کیا گیا تو اس کی ہوا خارج ہو گئی اور وہ ہلکی ہو کر غرق ہونے لگی۔ وہ بڑی شکستہ

رفتاری سے بلور ایسے شفاف پانی کی تہوں کی طرف جا رہی تھی کافی گہرائی تک وہ ہمیں نظر آتی رہی یہاں تک کہ وہ دھندلی ہوتی چلی گئی اور پھر غائب ہو گئی۔ جس راہ سے وہ گئی تھی اس راہ سے چند بلبلے ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہوئے سطح آب پر نمودار ہوئے اور پھر پھٹ گئے اور یہ ہمارے آخری وکوانی ملازم کا انجام تھا۔ کتنا بھیانک، کتنا عبرتناک۔

امباڈوپوگا سن کسی خیال میں الجھا ہوا دکوانی کے جسم کو غرق ہوتے دیکھ رہا تھا۔ "میکو میزن" اس نے کہا۔ "ہمارے لئے یہ کچھ اچھا شگون نہیں"۔ اور وہ ہنسا۔ میں نے نہایت غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اس کی یہ دہلا دینے والی باتیں پسند نہ تھیں۔ مجھے ان لوگوں سے قلبی نفرت ہے جو الٹے سیدھے اندازے قائم کر کے اور خوابوں کی فضول تعبیر بتا کر کسی کو خوفزدہ کرتے ہیں ایسے لوگوں کی دنیا میں کمی نہیں جو دوسروں کو پریشان کر کے خوش ہوتے ہیں ان کا مشغلہ ہے کہ دوسروں کو دہشت زدہ کر کے خوش ہوں۔ دوسروں کی بدحواسی پر قہقہے لگائیں لیکن جب وہ خود پریشان ہوتے ہیں تو دوسروں سے تسلی اور ہمدردی کے خواہاں ہوتے ہیں۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ بہرحال میرے دوسرے ساتھی بھی پیدا ہوئے اور اپنے آپ کو بجائے زمین کے بطن کے کھلے تالاب کی سطح پر پا کر مارے خوشی کے پاگل سے ہو گئے۔ خوشی کی لہر رخصت ہوئی تو گویا ہماری مجلس مشورہ کا اجلاس ہوا۔ یہ مسئلہ زیر غور تھا کہ اب کیا کیا جائے اور کس طرف جایا جائے؟ ہر شخص اپنی ہی ہانکے جا رہا تھا اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر کار طے یہ ہوا کہ چونکہ اس وقت بھوک زوروں کی لگ رہی ہے اس لئے پہلے کھانا کھا لیا جائے لیکن ہمارے پاس

دو پا، مچھلیوں کے علاوہ کچھ اور تھا ہی نہیں۔ جو کچھ لے کر چلے تھے اسے دیو زاد کیکڑے اڑا گئے تھے چنانچہ طے ہوا کہ پہلے اس تالاب کا ساحل تلاش کیا جائے ممکن ہے وہاں کوئی شکار مل جائے اور اس کے بعد ہم غار کے اندر سے نکلنے کا جشن منائیں۔

لیکن اب ایک نیا خیال درپیش تھا۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ ساحل ہے کدھر؟ ہماری پشت کی طرف وہ پہاڑ تھے جن میں سے زیر زمین ندی نکل آئی تھی اور تینوں طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی پانی ہی پانی نظر آتا تھا لیکن مٹھی برابر بھی خشکی کا ٹکڑا نہ تھا۔ ابھی ہم غور ہی کر رہے تھے کہ کس سمت رخ کریں کہ آبی پرندوں کی ایک ٹولی دائیں طرف سے نمودار ہوئی اور ہمارے سروں پر سے سنسناتی ہوئی گزر گئی پھر دوسری تیسری اور ان کا تانتا بندھ گیا۔ پرندوں کی آمد سے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ خشکی پر کہیں بسیروں سے روانہ ہو کر تالاب پر اپنی خوراک حاصل کرنے آئے ہیں چنانچہ ہم نے اپنے ڈونگے کا رُخ اسی سمت کر دیا جس طرف سے پرندے آرہے تھے۔

خوش قسمتی سے ہوا بھی ہماری مخالف نہیں تھی۔ چنانچہ گڈ نے بانس پر ایک کمبل باندھ کر بادبان بنایا اور ہمارا ڈونگا سبک رفتاری سے بہنے لگا۔ اس کام سے فرصت پانے کے بعد ہم نے جو کچھ تھا وہ کھایا اور پائپ سلگا کر اس انداز میں بیٹھ گئے کہ دیکھیں پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

ایک گھنٹہ تک ہمارا ڈونگا بہتا رہا۔

گڈ دوربین لگائے افق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتہً وہ مارے خوشی کے چلا اٹھا اور اس نے یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ اسے کنارا نظر آرہا ہے اور پھر اسنے

پانی کی بدلی ہوئی رنگت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ
دریا کے دہانے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ابھی ہم اس مسئلہ پر آپس میں
گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ایلغو نے ہماری توجہ ایک طرف مبذول
کرائی۔ کافی دور پر انفیلیلہ کے پرندے دیکھے کہ انڈے ایسا منظر اگنا
نظر آرہا تھا ہم حیران تھے کہ یہ کیا بلا ہے کہ نند دوبارہ دوربین لے
کھڑا ہو گیا تھا کہ وہ اسی طرح کے کئی اور گنبد دیکھ رہا ہے۔ کچھ
دیر بعد اس نے ایک نہایت اہم خبر سنائی اور وہ یہ کہ ایک چھوٹی سی بادبانی
کشتی ہماری طرف بڑھی چلی آرہی ہے

اس خبر نے ہمیں کی تحقیق جلد ہی ہو گئی چونکہ ہم نے بھی اس کشتی کو دیکھ
جو ہماری طرف بڑھی چلی آرہی ہے ہمیں حیران کر دیا اور ہم یہ سوچنے پر مجبور
ہو گئے کہ اس انجان تالاب کے کنارے بسے ہوئے لوگ اگر بادبانی کشتی
بنا سکتے ہیں تو ضرور کچھ نہ کچھ تہذیب یافتہ ہوں گے۔ چند ہی منٹ میں
کشتی میں بیٹھنے والوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ چند ثانیوں تک کشتی ایک جگہ
جم کر رہ گئی اور پھر تیز رفتاری سے ہماری طرف بڑھی۔

دس منٹ اور گزر گئے۔

اور کشتی ہم سے صرف سو گز دور تھی اور ہم نے حیرت سے دیکھا کہ وہ
ڈونگا نہ تھا جو درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنایا جاتا ہے اور افریقہ میں
عام ہے بلکہ وہ یورپین طرز پر بنی ہوئی کشتی تھی جو تختے جوڑ کر بنائی گئی
تھی اور ایک بڑا سا بادبان بھی موجود تھا لیکن ہماری توجہ جلد ہی کشتی
سے ہٹ کر اس میں بیٹھنے والوں کی طرف مبذول ہو گئی۔ کشتی میں ایک مرد
اور ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی اور دونوں کے دونوں سفید فام تھے۔

قریب قریب ہمارے ایسے۔

ہم آنے والوں کو اور آنے والے ہم کو حیرانی سے تک رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کہیں ہماری آنکھیں تو ہمیں دھوکا نہیں دے رہی ہیں؟ لیکن نہیں۔ کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ کشتی میں سوار عورت اور مرد کی رنگت حقیقت میں سفید تھی لیکن اس قدر سفید بھی نہیں کہ پھیکی پھیکی معلوم ہو۔ اٹلی وغیرہ کے باشندے تو آپ نے دیکھے ہوں گے؟ بس ایسا رنگ تھا ان کا۔ تو میں نے سفید فام قوم کے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ سچ ہوا اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ ہم خلاف توقع زیرزمین ندی سے صحیح سلامت نکل آئے اور کہاں؟ اسی خطہ میں جس کی ہمیں تلاش تھی۔ سچ سچ اگر انسان کسی کام کا پختہ ارادہ کرے تو خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ اپنی اس غیر متوقع کامیابی پر میں خوشی سے چلا اٹھا ہوتا لیکن میں نے خوشی کے امنڈتے ہوئے طوفان کو دبائے رکھا اور بڑی گرمجوشی سے اپنے ساتھیوں سے مصافحہ کیا۔ اور اس کامیابی پر ہم نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ مدت سے افریقہ کے جنگلات میں بسی ہوئی سفید فام قوم کے بارے میں افواہیں سن رہا تھا۔ ایک مدت سے میں کوشش کر رہا تھا کہ سفید فام قوم کی کھوج لگاؤں۔ آج میری وہ دیرینہ خواہش پوری ہو رہی تھی۔ ہم جس منزل کی تلاش میں چلے تھے وہ سامنے نظر آ رہی تھی لیکن اس منزل پر پہنچتے ہی میری زبان گنگ ہو گئی۔ باوجود کوشش کے میری زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔

کشتی میں بیٹھا ہوا سفید فام شخص خاصا صحت مند تھا۔ گھونگھریالے بال چہرے کے نقوش قدرے تیکھے، مناسب جسم جو بھورے لباس میں ملبوس تھا۔ عجیب لباس تھا وہ۔ اوپری جسم پر کالے نیلے رنگ کی قمیض سی تھی۔

لیکن بغیر آستینوں کی ناف سے نیچے اس قسم کے کپڑے کا تہ بند بندھا ہوا تھا جو پنڈلیوں تک آتا تھا اور پیر ننگے تھے۔ وہ دائیں ہاتھ میں کہنی سے اوپر اور بائیں پیر کی پنڈلی پر پیلی دھات کے کڑے پہنے ہوئے تھا یہ پیلی دھات سونا معلوم ہوتی تھی۔

عورت بے حد قبول صورت شرمیلی اور وحشی ہرنی ایسی چنچل تھی۔ بڑی بڑی بادام کی سی آنکھیں اور سر پر بھورے رنگ کے ریشمی گھونگریالے بال۔ اس کا لباس بھی اسی رنگ اور اسی کپڑے کا تھا جیسا کہ مرد کا تھا۔ اور جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا ایک تو پیٹی کوٹ تھا جو گھٹنوں تک آتا تھا پھر کپڑے کی ایک چار فٹ چوڑی اور پندرہ فٹ لمبی پٹی تھی۔ ساڑی ایسی جو اس کی کمر کے گرد لپٹی ہوئی تھی اور اس کا ایک سرا دائیں کندھے کے پیچھے لٹک رہا تھا۔ یہ پٹی یا اس کی کور۔ ہری سرخ یا پھر پہننے والی کی خاندانی حیثیت کے مطابق کسی اور رنگ کی ہوتی تھی۔ دایاں بازو اور ایک چھاتی بالکل عریاں تھی۔ بے حد خوبصورت اور مناسب لباس تھا وہ اور اسے پہننے والی جب جوان اور خوبصورت ہو تو اس لباس سے اس کا حسن دوبالا ہو جاتا۔ گڈو جو حسن پرست واقع ہوا تھا۔ اس معاملے میں نہایت باریک بیں تھا۔ لباس اور لباس والی کے حسن سے مبہوت ہو گیا۔ میرا اپنا بھی یہی حال تھا۔ لباس سادہ ہوتے ہوئے بھی دلکش تھا۔

ان دونوں کو دیکھ کر جتنے حیران ہم ہوئے اس سے دگنے ہمیں دیکھ کر وہ دونوں حیران ہوئے۔ مرد معلوم ہوتا تھا ہمیں دیکھ کر سراسیمہ اور خوفزدہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ کچھ دیر تک ہمارے ڈونگے سے دور ہی دور رہا۔ شاید ہمارے

قریب آنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ آخرکار کچھ سوچ کر اس نے اپنی کشتی کو ہماری طرف بڑھایا اور اتنے قریب آکر کہ ہم آسانی سے آپس میں گفتگو کر سکیں اس نے اپنی کشتی روک لی۔ کچھ دیر تک وہ ہم میں سے ہر ایک کو سر سے پیر تک بغور دیکھتا رہا۔ پھر نہایت شیریں اور لوچدار آواز میں اس نے کچھ کہا لیکن اس زبان کا ایک لفظ بھی ہم سمجھ نہ سکے۔

اب ہم نے اپنی زبانیں آزمانا شروع کیں اور انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ڈچ، ہسپانوی، پرتگیزی غرض جتنی زبانوں میں ہمیں تھوڑی بہت دسترس حاصل تھی وہ تمام کی تمام آزما ڈالیں لیکن بجائے اس کے کہ وہ ہماری بات سمجھ سکتا اتنی بہت سی اور نرالی بولیاں سن کر وحشت زدہ ہو گیا۔ اب رہی اس کی ساتھی عورت تو وہ بڑی دلچسپی سے ہمیں دیکھ رہی تھی اور گڈ اس کی دلچسپی کی داد اپنی یک چشمی عینک کے پیچھے سے گھور گھور کر دے رہا تھا جیسے کہ اسے چبا جائے گا۔ گڈ کی اس نظر بازی سے معلوم ہوتا تھا عورت بھی لطف لے رہی تھی کیونکہ بار بار اس کے نازک ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ جاتی تھی۔

بہرحال ہماری عجیب و غریب بولیوں سے گھبرا کر مرد نے اپنی کشتی کو کنارے کی طرف موڑا اور وہ ہلکی پھلکی کشتی ابابیل کی سی سبک رفتاری سے چلی۔ اس کی کشتی جب ہمارے ڈونگے کے اگلے حصے کے قریب سے گزری تو مرد ہمارے عجیب و غریب بادبان کے معائنے کے لئے رک گیا۔ گڈ عورت کے حسن کو دیکھ کر بڑی دیر سے بے قابو ہو رہا تھا اس نے یہ موقع غنیمت جانا وہ جھکا اور عورت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹ اس پر رکھ دئیے۔ میں گھبرایا کہ کہیں عورت گڈ کی اس حرکت سے خفا ہو کر چلا نہ اٹھے لیکن اس نے کچھ نہ کہا۔ بلکہ یہ دیکھ کر کہ اسکے شوہر یا بھائی یا جو کوئی بھی وہ تھا کی توجہ ہمارے بادبان

کی طرف سے اس نے بھی گڈ کا ہاتھ چوم لیا۔ گڈ فرطِ انبساط سے جھوم اٹھا اور اس کے ہونٹوں پر کامیاب مسکراہٹ جھوم گئی۔

"لو بھئی" میں نے طنز سے کہا۔ "ان لوگوں سے گفتگو کرنے کا ایک ذریعہ تو معلوم ہو گیا۔"

"اس صورت میں" جیرکا نے کہا۔ "گڈ ہمارا بڑا کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔" میں نے برا سا منہ بنایا۔ گڈ کی یہ بیہودہ حرکتیں مجھے پسند نہ تھیں اور گڈ میرے غصے سے واقف تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی مہارت سے باتوں کا رخ ایک نہایت اہم مسئلہ کی طرف کر دیا۔

"ظاہر ہے" میں نے کہا "کہ وہ شخص جو ابھی ابھی یہاں سے گیا ہے واپس اپنے ساتھ چند لوگوں کو لے کر آئے گا۔ لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ ہم ان کا استقبال کس طرح سے کریں گے؟"

"ان کا استقبال؟ بھائی میرا سوال تو یہ ہے کہ وہ لوگ ہمارا استقبال کس طرح سے کریں گے؟" جیرکا نے کہا۔

اب رہا گڈ تو اسے ان سوالوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ بیٹھا ہمارا سامان الٹ پلٹ رہا تھا۔ اسے کسی چیز کی تلاش تھی۔ کافی ڈھونڈ ڈھانڈ کرنے کے بعد اس نے ایک چھوٹا سا صندوقچہ برآمد کیا۔ یہ صندوق ہر سفر میں یوں اپنے ساتھ اٹھائے اٹھائے پھرنا ایک مصیبت تھی لیکن گڈ مصر تھا کہ وہ جہاں جائے گا یہ صندوق اس کے ساتھ جائے گا۔ یہ صندوق ہمارے لئے معمہ بنا ہوا تھا اور ہم حیران تھے کہ اس میں ایسی کیا سوغات بند ہے کہ گڈ اسے کبھی اپنے سے الگ کرنا ہی نہیں ہے۔ کئی بار گڈ سے پوچھا تو وہ ٹال گیا۔ جب ہم اس کے بہت پیچھے پڑ جاتے تو وہ صرف اتنا کہتا کہ اس صندوق میں

جو کچھ بند ہے وہ کسی دن بڑی کارآمد چیز ثابت ہوگی۔

"اب یہ تم کیا فضول چیزیں تلاش کر رہے ہو؟" ہنری نے پوچھا۔

"یہ فضول چیزیں؟ میں اپنا لباس تبدیل کروں گا اور کیا۔ ظاہر ہے کہ کسی نئے ملک میں پہلی بار میں ان چیتھڑے کپڑوں میں داخل نہیں ہو سکتا"

گڈ نے اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا جو دھول میں اٹے ہوئے تھے۔ قارئین نے اگر "گنج سلیمان" پڑھا ہے تو وہ گڈ کی نفاست سے بخوبی واقف ہوں گے۔ اب تک وہ اگر یہ میلے چیکٹ کپڑے پہنے ہوئے تھا تو یہ بھی اس کے لئے اسے کتنی روحانی اذیت برداشت کرنی پڑی ہوگی

ہم خاموش بیٹھے ہوئے گڈ کی حرکتوں کو دیکھتے رہے۔ اس نے البلفو نے کو حکم دیا کہ وہ اس کے بالوں اور داڑھی میں کنگھی کر دے۔ "آپ تو ڈیٹ بالکل نئے فیشن کے مطابق تراشیے" اس نے کہا اور البلفو کسی ایک ماہر مشاطہ کی طرح گڈ کے "بال بال میں موتی پرونے" کی کوشش کرنے لگا۔ اگر کہیں سے گرم پانی اور صابن کی ایک ٹکیا مل جاتی تو گڈ ضرور اپنی داڑھی پر استرا پھیر دیتا لیکن افسوس کہ یہ چیزیں مہیا نہ تھیں۔

گڈ کنگھی وغیرہ سے فرصت پا چکا تو اس نے ہمیں مشورہ دیا کہ ڈونگے کے بادبان کو نیچے کی طرف کھسکا کر ہم سب اس کی اوٹ میں غسل کریں تاکہ جسم کی رنگت بھی کھل جائے ورنہ "چاق و چوبند" بھی ہو جائیں۔ گڈ کا مشورہ واقعی مناسب تھا چنانچہ ہم نے اسے قبول کیا اور البلفو نے ہاتھ پھیلا کر نہایت حیرانی سے کہا "واقعی انگریز نیم پاگل ہوتے ہیں"۔ امسلوپوگاس چونکہ عام زولوں کی طرح "قدرتی صاف" تھا اس لئے وہ ہمارے ساتھ نہانے میں شریک نہ ہوا بلکہ ڈونگے میں بیٹھا قدرے حیرانی سے ہماری حرکتوں کو جو

اسی کے خیال میں بچوں کی سی حرکتیں تھیں دیکھتا رہا۔

نہا چکنے کے بعد ہم اپنے آپ کو بے حد ہشاش بشاش محسوس کر رہے تھے معلوم ہوتا تھا ساری تھکن تالاب کے پانی میں حل ہو گئی۔ ہمارے جسم میں نئی روح اور تازگی محسوس کر رہے تھے۔ اب گدڑ نے زیادہ بیدار ہو کر صندوق کھولا اور ایک سفید براق قمیص برآمد کی جو یوں معلوم ہوتی تھی جیسے ابھی ابھی لندن کی کسی لانڈری سے دھل کر آئی ہو۔ پھر اس نے ایک چھوٹا سا بقچہ برآمد کیا جس پر بھورے رنگ کا کاغذ لپٹا ہوا تھا۔ بھورا کاغذ علیحدہ کیا تو سفید اسے علیحدہ کیا تو سنہرا کاغذ نمودار ہوا۔ ہم حیرانی سے دیکھ رہے تھے کہ آخر ان تمام پردوں میں یہ کون سی انوکھی چیز برآمد ہوتی ہے۔ گدڑ جیسے مداری کا تماشا کر رہا تھا۔ اور ہم بچوں کی طرح دم بخود کسی شعبدے کے منتظر تھے آخری کاغذ بھی علیحدہ ہو گیا گدڑ نے ہاتھ اس میں ڈالا جیسے وہ تھیلے سے خرگوش نکالنے والا ہو۔ اندر رکھی ہوئی چیز کو چھونے سے پہلے گدڑ نے مسکرا کر ہماری طرف دیکھا۔ ہم تیار ہو بیٹھے کہ اب کوئی مافوق الفطرت چیز نمودار ہونے والی ہے۔ گدڑ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور ہماری آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو گئی۔ گدڑ کے ہاتھ میں کوئی مافوق الفطرت چیز نہ تھی بلکہ نہایت ہی خوب صورت وردی تھی۔ رائل نیوی کی وردی تھی۔ اعلیٰ کپڑا، عمدہ بوتام، نفیس سفید ڈوری اور بے داغ بیشک سلائی۔ ساتھ ہی ایک چھوٹی سی تلوار۔ اس کی مخملی نیام اور چمکدار جوتوں کا ایک جوڑا۔

ہم دم بخود رہ گئے۔

"ہیں!" میں نے اور ہنری نے ایک زبان ہو کر کہا۔ "یعنی اب تم یہ وردی پہنو گے!"

"قطعی" گڈ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ ذرا یہ لوگ مرعوب ہو جائیں گے اور ایک خاص بات یہ ہے" اس نے اضافہ کیا۔ "اس دلدل میں جبکہ عورتیں بھی موجود ہیں تو ہم میں سے کسی ایک کو نہایت اعلیٰ لباس میں ملبوس ہونا چاہئے۔ اس سے اثر اچھا پڑتا ہے"

ہم خاموش ہو رہے۔ اور زرہ جو ہم نے اس صندوق کے بارے میں کہا کچھ خیالات آرائیاں ہمیں کی تھیں لیکن معاملہ کچھ یوں ہوا کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہیا۔ بہرحال ہم نے گڈ کو ایک مشورہ ضرور دیا اور وہ یہ کہ وہ اپنے اس نوقابل بھڑکیلے لباس کے نیچے لوہے کی قمیض ضرور پہن لے کیونکہ ممکن ہے کہ آنے والے لوگ ہتھیاروں سے ہمارا استقبال کریں۔ گڈ کا کہنا تھا کہ زرہ اس کی وردی کی کریز بگاڑ دے گی۔ کافی بحث و مباحثے کے بعد گڈ نے زرہ پہننا منظور کیا اور اس پر وردی پہن لی لیکن ڈرامے کا سب سے مزیدار حصہ وہ تھا جبکہ امسلوپوگاس نے حیرت اور الفونسے نے حسرت سے گڈ کے اس تغیر کی داد دی۔ گڈ اپنی کپتانی شان و شوکت کے ساتھ اپنے سینے پر ڈھیروں تمغے آویزاں کئے ہمارے سامنے کھڑا تھا۔ امسلوپوگاس کی حیرت اور الفونسے کی حسرت سے مطمئن نہ ہوتے ہوئے جھک کر تالاب کے شفاف پانی میں اپنا عکس دیکھا اور خود بخود مسکرا اٹھا۔ بوڑھا فرد نورمار دیر تک صبر نہ کر سکا۔

"اوباگون" اس نے کہا "آپ سچ مچ ہرے رنگ کے جیئے[1] ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے تو آپ کو نہایت ہی بے ڈھنگا آدمی سمجھ رکھا تھا لیکن اب

---

[1]: ایک یورپین پرندہ جو شور مچانے کے لئے مشہور ہے۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آپ بڑے جامہ زیب ہیں اور آپ کی وردی دیکھ دیکھ کر میری آنکھیں چوندھیا رہی ہیں۔ میں نے تو آپ کو۔ بس کہ ایک موٹا شخص سمجھ رکھا تھا بس۔

گڈو نے اپنا موٹا پیٹ [illegible] کر پھر اندر [illegible] آیا اور سچ تو یہ ہے کہ اب وہ پہلے اتنا موٹا نہیں رہا تھا۔ [illegible] سفر میں اس کے جسم کی چربی کی کافی مقدار پسینہ بن کر بہہ گئی تھی۔

"اوہو۔ آپ کا [illegible]" الفونسے نے کہا۔ "ایک [illegible] آن بان اور عجب شان واہ واہ۔ جب [illegible] سے میں پوچھیں گے تو اس ملک کی [illegible] یا تو [illegible] جی دل سے [illegible] ہو جائیں گی۔ عمدہ بہت ہی عمدہ۔ [illegible]"

اور یہاں ہم نے [illegible] الفونسے اور اسلوپوگاس کی تعریف سن کر [illegible] اپنا لباس بدلنے میں مشغول ہو گئے۔ [illegible] پاس سوائے شکار کے سوٹ کے اور کوئی لباس تھا ہی نہیں۔ [illegible] تو انسان معلوم ہوں گے ورنہ تو کوئی بھی کام [illegible] اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ دنیا کا بہترین لباس [illegible] معلوم [illegible] لگتا ہے اب دنیا [illegible] دو کالی [illegible] معلوم ہو رہا تھا شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم نے لباس تلے زرہیں پہن رکھی تھیں۔ الفونسے نے بھی اپنی "نادر زمانہ" مونچھوں کی نوکوں کو کئی ایک مرتبہ تاؤ دیں اور تیار ہو بیٹھا۔ اسلوپوگاس جو زیب و زینت کا قائل نہ تھا اس وقت جوش میں آ گیا اور لالٹین سے تھوڑا سا تیل انڈیل کر اپنی چندیا پر اس وقت تک ملتا رہا جب تک کہ وہ گڈ کے نئے جوتوں

کی طرح چمکنے لگی پھر اس نے ہنری کی ہدایت کردہ زرہ زیب تن کی۔ انگلوس کا اس کو پھٹکڑے سے مل مل کر صاف کیا اور اب وہ بھی تیار تھا۔

ہماری ان تیاریوں کے درمیان ہمارا بادبانی [illegible] کنارے کی طرف [illegible] کھینچ [illegible]۔ بادبان [illegible] اس چھوٹی سی کشتی کو جب [illegible] عورت سوار [illegible] محو رخصت ہوئے [illegible] محفوظ ہوا تھا [illegible] دیکھا کہ الٹی دو چھوٹی بڑی کشتیاں کنارے کی طرف سے چلی آ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک سب سے بڑی کشتی کو [illegible] کے سہارے آگے کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ اس ایک کشتی کو چھوڑ کر [illegible] کشتیاں بادبانی تھیں۔

دوربین سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ [illegible] چونکہ [illegible] بھی لوگ [illegible] کے [illegible] ایک [illegible] بیٹھے ہوئے تھے کشتی کی اگلی نوک پر ایک شخص کھڑا ہوا تھا [illegible] سفید داڑھی ہوا میں لہرا رہی تھی اور اس کا [illegible] لمبا تھا اور کمر سے تلوار لٹک رہی تھی۔ یہ شخص شاید اس کشتی کا افسر یا آقا معلوم ہوتا تھا دوسری کشتیوں والے [illegible] اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ ان کشتیوں میں گویا کہ دوڑ لگی ہوئی تھی اور ہر شخص چاہتا تھا کہ وہی سب سے پہلے اپنی کشتی کو ہم تک پہنچا دے۔ "کیا خیال ہے تم لوگوں کا؟" میں نے ہنری اور رگنڈ سے کہا: "یہ لوگ ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے یا پھر ہمارا کام ختم کرنے آ رہے ہیں؟"

اس سوال کا کوئی خاطر خواہ جواب نہ مل سکا۔ پتواروں والی کشتی میں سب سے آگے کھڑے ہوئے مقدس بوڑھے کے چہرے سے سکون اور صلح پسندی کے جذبات ہویدا تھے اور اس کی کمر سے لٹکتی ہوئی تلوار بھی ایسی نہ تھی

جو جنگ میں کام آئیں گی۔

ہم اسی طرح دن بھر کے حالات میں آنے والوں کے منتظر تھے۔ ایسے موقع پر گنگا دھر کوئی اچھی میدانی تجویز پیش کرتا ہے۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ہم سے کوئی سو گز دور دریائی گھوڑے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ گنگا نے کہا کہ اگر ہم ان دریائی گھوڑوں میں سے دو ایک کو اپنی بندوق کا نشانہ بنائیں تو آنے والوں پر ہمارا رعب چھا جائے گا اور وہ ہماری بے پناہ قوت سے خوفزدہ ہو جائیں گے اور اگر ہماری طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھائیں گے تو قتل کرنے کی بھی ہمت نہ کریں گے۔

یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہمیں گنگا کی تجویز بے حد مناسب معلوم ہوئی چنانچہ ہم نے آئندہ ہونے والی مہم کے کچھ کارتوس جو ہمارے پاس بچ رہے تھے نکالی اور گنگا کی تجویز پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ دریائی گھوڑے تعداد میں چار تھے۔ ایک نر، ایک مادہ اور دو بچے جن میں سے ایک بالغ ہو چکا تھا۔ ہم نے اپنا ڈونگا ان کی طرف بڑھایا اور بغیر کسی مشکل کے ان کی طرف پہنچ گئے۔ انھوں نے ہماری طرف دیکھا لیکن بجائے اس کے کہ وہ ہمیں دیکھ کر خوفزدہ ہوتے الٹے اور زیادہ چہلیں کرنے لگے۔ ان کی ناواقفیت سے یہ ماحول کچھ غیر معمولی اور حیران کن ضرور معلوم ہوتا لیکن افسوس کہ میں نے اس پر بہت زیادہ غور نہیں کیا۔

کنارے کی طرف سے آتی ہوئی کشتیاں ہم سے پانچ سو گز کے فاصلے پر تھیں کہ ہری نے اپنی بندوق کی لبلبی دبا دی۔ گولی سنسناتی ہوئی چلی اور بالغ آبی گھوڑے کی پیشانی توڑتی ہوئی گزر گئی۔ گھوڑا بے جان ہو کر پانی کی سطح پر لمبا لمبا لیٹ گیا اور پھر خون کی ایک لکیر چھوڑتا ہوا غرق ہو گیا۔ اسی وقت

میں نے مادہ کو اور گڈے نے نر کو نشانہ بنایا۔ میرا نشانہ کچھ اوچھا پڑا۔ مادہ چنگھاڑتی ہوئی غوطہ مار گئی اور پھر ابھری تو لال لال آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ نر نے اپنا غار سا منہ پھاڑا اور اس بری طرح سے دہاڑ کر اپنی جگہ پر ایک فٹ کے قریب اچھل پڑا۔ میں نے دوسری گولی چلائی اور یہ گولی اس کے لیے پیغامِ موت ثابت ہوئی۔

گڈا جب نشانہ باندھ رہا تھا تمہیں یاد ہوگا کہ گڈے نے سلیمان کی جان بچاتے ہوئے گڈے نے ایک ہاتھی کو نشانہ بنایا تھا۔ لیکن ہاتھی صرف زخمی ہوا تھا اور گڈے اس کے پیر تلے کچلے جانے سے بال بال بچا تھا چنانچہ اس وقت بھی گڈے کا نشانہ خطا کر گیا کہ گولی نر کے چہرے کو ہلکی سی چھوتی ہوئی گزر گئی۔

جب میں مادہ کا کام ختم کر چکا تو میں نے گردن گھما کر آنے والوں کی طرف دیکھا اور یہ جان کر مجھے ایک گونہ اطمینان ہوا کہ آنے والے بندوق اور اس کے استعمال سے قطعی ناواقف تھے ہماری بندوق کی گرج اور اس کی تباہی دیکھ کر وہ لوگ دہشت زدہ ہو گئے۔ چند لوگوں نے بری طرح چلانا شروع کیا اور چند اپنی کشتیاں پھیر کر تیزی سے کنارے کی طرف بھاگ گئے۔ حتیٰ کہ وہ [illegible] بوڑھا بھی جو سواروں والی کشتی میں سب سے آگے کھڑا ہوا تھا۔ حیران و پریشان نظر آ رہا تھا اس نے اپنا ہاتھ ہلایا اور سواروں والی کشتی تھم گئی۔

ابھی ہم آنے والوں پر اپنی بندوق کا اثر دیکھ ہی رہے تھے کہ زخمی گھوڑا ہم سے کوئی پچاس گز دور نمودار ہو کر بادل کی طرح گرجنے لگا۔ وہ بے حد جھلایا ہوا تھا اور وحشتناک نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے گڈے اور ہیری نے بیک وقت اس پر گولیاں چلائیں گھوڑا بری طرح سے زخمی ہو کر پھر غوطہ مار گیا۔

تماش بینوں کا خوف، حیرت اور تحسین میں تبدیل ہو رہا تھا۔ ان میں سے کئی ایک کشتیاں ہمارے ڈونگے کے قریب آ گئی تھیں اور ان قریب آنے والوں میں وہ مرد، عورت بھی شامل تھے جو ہمیں سب سے پہلے ملے تھے اور ایک آدھ گھنٹہ پہلے ہم سے رخصت ہوئے تھے۔ یہ کشتی ہمارے ڈونگے کے بہت قریب تھی۔

[illegible] ہمارے پیچھے [illegible] کشتی سے [illegible] اور [illegible] اپنا منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکا۔ عورت [illegible] چلانے لگی۔ اور مرد نے اپنی کشتی کو ایک طرف ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی کشتی کو ہٹا سکتا [illegible] قریب آ چکا تھا اور اس نے کشتی کے اگلے حصے پر منہ مارا [illegible] لیکن کشتی کا اگلا حصہ اس بھیانک جانور کے منہ میں دبا ہوا تھا۔ کشتی کو منہ میں دبائے ہوئے وہ پیچھے ہٹ گیا۔

نصف کشتی ٹوٹ چکی تھی اور کشتی بانوں کا توازن بگڑ رہا تھا۔ [illegible] مارے چھوڑ کر [illegible] ہو گئی اور اس سے پہلے کہ ہم اس مرد اور عورت کو بچانے کی کوشش کرتے وہ بھیانک جانور پھر ابھرا اور منہ پھاڑ کر عورت کی طرف لپکا۔ میں نے جلدی سے رائفل اٹھائی وہ عورت کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے دھاڑ کر عورت پر حملہ کیا اور میں نے بڑی افراتفری میں بندوق داغ دی گولی اس کے حلق میں پیوست ہو گئی۔ اس کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا۔ وہ چلانے لگا اور گول گول گھومنے لگا۔ میں نے ایک اور فیر کیا اور اب وہ مردہ ہو کر لامحدود وسعتوں کی طرف چلا۔ ہم عورت کی طرف بڑھے جو بڑی دلیری سے

ہاتھ پیر مار رہی تھی اور تیرتا ہوا ایک دوسری کشتی کے قریب پہنچ کر اس میں جا چڑھا تھا اور جب ہم نے عورت کو اپنے ڈونگے میں رکھ دیا تو تماشائی بجروں اور بیڑوں پر سے تحسین آفرین کے نعرے بلند کئے۔ عورت صرف دہشت زدہ تھی اس کے جسم پر معمولی سی خراش تک نہیں آئی تھی۔

اس عرصہ میں تمام کشتیاں ہم سے کچھ دور ایک جگہ جمع ہو گئی تھیں اور کشتی بان آپس میں مشورہ کر رہے تھے۔ یہ بات تو صاف تھی کہ وہ ہم سے بے حد خائف تھے اس خیال سے کہ اگر ان لوگوں کو شکست کرنے کا موقع دیا گیا تو شاید ہمارے حق میں یہ ثابت نہ ہو ہم آگے بڑھے گڈا اپنی تمام شان و شوکت کے ساتھ ڈونگے کے اگلے حصہ پر کھڑا ہوا تھا اس نے اپنا بہت ہاتھ بلند کر رکھا تھا اور مسکرا مسکرا کر دائیں بائیں کھڑی ہوئی کشتیوں کے سواروں کو نہایت شائستگی سے سلام کر رہا تھا۔

پتواروں والی کشتی ہمارے استقبال کو آگے بڑھی۔

میں نے دیکھا کہ ہماری اور خاص کر گڈا اور اسلوپوگا کی سج دھج دیکھ کر مقدس بوڑھا بھونچکا رہ گیا وہ مرعوب بھی نظر آ رہا تھا۔ اس کا لباس بھی ہمارے اس پہلے ملاقاتی ایسا ہی تھا فرق تھا تو صرف اس قدر کہ اس کی قمیص سفید تھی اور اس کی کمر میں سرخ گوٹ لگی ہوئی تھی۔ اس کا تہمد ہمارے پہلے ملاقاتی ایسا ہی تھا اور ایک ہاتھ میں کہنی سے اوپر اور دائیں پیر کے گھٹنے سے نیچے ویسے ہی سونے کے کڑے یا کنگن چڑھے ہوئے تھے۔ کشتی کھینے والے صرف تہمد باندھے ہوئے تھے اور ان کا بالائی جسم عریاں تھا۔

[illegible] بوڑھے کو [illegible] اتر کر سلام کیا اور نہایت عمدہ انگریزی میں اس کی خیریت دریافت کی اور موسم کا حال بھی پوچھ لیا۔ بوڑھے نے اس کا جواب یوں دیا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی پہلی دونوں انگلیاں جوڑ کر اپنے ہونٹوں پر اپنی ٹھوڑی رکھ دی۔ کچھ دیر تک وہ کچھ رہا۔ یہ گویا ان کا سلام تھا۔ اس کے بعد اس نے اشارے کر کے کچھ کہا جسے ہم سمجھ نہ سکے۔ ہم نے نفی میں سر ہلایا۔ کچھ دیر تک ہم ایک دوسرے کے سامنے بت بنے کھڑے رہے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ ہم یا کم از کم میں بھوکا ہوں۔ لگے ہاتھوں کیوں نہ اپنی اس ضرورت کو بوڑھے کے سامنے پیش کر دیا جائے چنانچہ میں نے اپنا مطلب بوڑھے کو سمجھانے کی کوشش کی میں ہوا میں لقمہ بنا کر ہاتھ کو منہ تک لے جاتا اور خالی خالی منہ چلانے لگتا ساتھ ہی ساتھ میں اپنے پیٹ پر بھی ہاتھ پھیرتا جا رہا تھا جب میں نے کئی مرتبہ اس عمل کو دہرایا تو بوڑھا میرے اشاروں کا مطلب جلد ہی سمجھ گیا۔ اس نے بڑی تمکنت سے اپنا سر ہلا کر کنارے کی طرف اشارہ کیا کہ ہم اپنا ڈونگا اس رسے سے باندھ دیں ہم نے ایسا ہی کیا۔ پتواروں والی کشتی ہمارے ڈونگے کو اپنے پیچھے کھینچتے ہوئے تیزی سے کنارے یا دہانہ دریا کی طرف چلی دوسری کشتیاں ہمارے پیچھے تھیں۔

پورے بیس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ہم انوکھی طرز کی بندرگاہ میں داخل ہو گئے۔ دراصل وہ چوبی تختوں کا ایک طویل اسٹیج سا تھا۔ جسے سہولت کی خاطر بندرگاہ بنا لیا گیا تھا۔ یہاں بے شمار آدمی ہماری آمد کے منتظر تھے۔ معلوم ہوتا تھا پورے شہر کی آبادی شوقِ دید میں بندرگاہ پر جمع ہو گئی تھی۔ تمام لوگ سفید فام تھے۔

مردوں کی بہ نسبت عورتوں کا رنگ زیادہ کھلتا ہوا تھا۔ کالی تو ایک بھی ہمیں اکا دکا بھی سانولی صورت نظر نہ آئی۔

بندرگاہ سے کچھ آگے ندی نے نہر کی صورت میں ایک طرف کو ذرا سی گھوم گئی تھی۔ جب ہمارا ڈونگا اس موڑ پر پہونچا تو دفعتہً ہماری آنکھیں چوندھیا گئیں۔ کنارے پر نہایت ہی خوبصورت اور بارونق شہر تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے پرستان کے جن نے زمین کے ایک ٹکڑے کو کہیں [illegible] لا کر افریقہ کے اس دور افتادہ حصہ میں رکھ دیا ہے۔ ہمارے حیرت اور خوشی کے بے ساختہ منھ سے چیخ نکل گئی۔ اس شہر کا نام جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا "میلوسس" [illegible] تاریک شہر۔ "میلو" بمعنی تاریک اور "پوسس" بمعنی شہر۔

کنارے سے کوئی پانچسو گز دور مضبوط پتھروں کی بنی ہوئی دو سو فٹ بلند ایک دیوار یا فصیل کھڑی ہوئی تھی کسی زمانے میں یہ دیوار دریا کا پانی روکنے کے لئے بنائی گئی ہوگی۔ رفتہ رفتہ دریا پیچھے کی طرف کھسک گیا اور دیوار اور دریا کے بیچ میں خشکی کا ایک ٹکڑا نمودار ہو گیا۔ خشکی کا یہی ٹکڑا اب ایک قدرتی بندرگاہ کا کام دے رہا تھا۔

اس دیوار کے اوپر پتھروں کی ایک عالی شان عمارت قائم تھی جو تینوں طرف پھیلتی چلی گئی تھی اور سامنے کی طرف یعنی دریا کے رخ کھلا میدان چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس عمارت تک پہونچنے کے لئے دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنا دیا گیا تھا اور اس دروازے کے پاس ایک اور فصیل قائم تھی۔ وہ عمارت شاہی محل تھا اور محل کے پچھواڑے سے ڈھلوان پر میلوسس کا شہر پھیلتا چلا گیا تھا۔ محل کے پچھلے حصہ سے ہی زمین بتدریج بلند ہوتی جا رہی تھی اور جہاں اس کی بلندی ختم ہوئی تھی وہاں

سفید سنگ مرمر کی ایک اور عمارت قائم تھی اس عمارت کا سنہرا گنبد بھی دور سے نظر آتا تھا۔

اس ایک عمارت کے علاوہ شہر کی تمام عمارتیں سرخ پتھروں کی تھیں۔ تمام مکانات ایک ہی ڈھنگ سے بنائے گئے تھے۔ مکانات سڑک کے دونوں کناروں پر ایک ہی قطار میں دور تک چلے گئے تھے۔ نہ کوئی مکان آگے تھا نہ پیچھے تمام مکانات ایک منزلہ تھے اور ہر مکان کے چاروں طرف چھوٹا سا باغ لگا ہوا تھا۔ گلی کے پچھواڑے ہی ایک بے حد فراخ راستہ شروع ہوتا تھا جو تقریباً ڈیڑھ میل کے بعد ڈھلوان کی چوٹی پر بنی ہوئی سفید سنگ مرمر اور سنہری گنبد کی عالیشان عمارت کے احاطے میں پہنچ کر ختم ہو جاتا تھا۔

لیکن ہمارے لئے سب سے زیادہ ملیرسس کے طرۂ امتیاز اور عجوبۂ روزگار محل کا وہ عظیم الشان زینہ تھا جس کے حسن اور عظمت نے ہمیں دم بخود کر دیا تھا۔ قارئین سے میری درخواست ہے کہ وہ اسے اپنے تصور میں لانے کی کوشش کریں۔ میں اس کی تصویر الفاظ سے کھینچنے کی کوشش کروں گا۔

یوں تصور کیجئے۔ ایک بے حد وسیع و عریض زینہ ہے۔ جس کی لمبائی ایک بنگلے کے کھمبے تک پینسٹھ فٹ ہے یعنی ایک سیڑھی کی لمبائی پینسٹھ فٹ ہوگی۔ سیڑھیوں کے دو سلسلے یکے بعد دیگرے چلے گئے ہیں یعنی دو حصوں زینہ کے اور ہر حصہ میں آٹھ انچ موٹی اور تین فٹ چوڑی اکیس بیس سیڑھیاں ہیں۔ زینہ کے ان دونوں حصوں کو ایک طویل و عریض چبوترا جدا کرتا ہے۔ پہلا زینہ اس چبوترے تک جا کر ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا شروع ہوتا ہے۔ یہ چبوترا گویا دم لینے کی جگہ ہے ظاہر ہے کہ آپ جب

ایک سو بیس سیڑھیاں طے کریں گے تو آپ کی سانس پھول جائے گی۔ لہٰذا آپ اس چبوترے پر آرام فرما کر دوسرا زینہ چڑھنا شروع کیجئے۔ یہ عظیم الشان زینہ شاہی محل کی فصیل سے شروع ہو کر نہر تک جاتا ہے۔

یہ زینہ فنِ تعمیر کا ایک ایسا اعلیٰ نمونہ ہے کہ ہیلوسس کا ہر باشندہ اس پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ یہ زینہ ایک تاج ہے جو ہیلوسس کے سر پر دھرا ہوا ہے۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ زمانہ قدیم میں اس زینہ کو چار مرتبہ بنانے کی کوشش کی گئی اور چاروں مرتبہ یہ کام ادھورا ہی رہا۔ ہا رے وہاں پہنچ کے۔ تین سو سال پہلے یہ زینہ نصف کے قریب بن سکا تھا۔ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ آخر کار ایک نوجوان معمار نے جس کا نام "ریدماس" تھا اس کام کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور یہ شرط رکھی کہ اگر وہ مقررہ مدت میں زینہ تکمیل کرنے میں ناکام رہے تو اسے زینہ پر سے نیچے کی طرف پھینک کر ہلاک کر دیا جائے لیکن اگر کامیاب ہو جائے تو اس کی شادی بادشاہ کی لڑکی سے کر دی جائے۔ بادشاہ وقت نے "ریدماس" کی اس شرط کو خوشی منظور کر لیا اور اسے پانچ سال کا وقت دیا گیا۔ ضرورت کے مطابق پتھر اور اوزار فراہم کئے گئے اور ریدماس نے اپنا کام شروع کیا۔ اس نے تین مرتبہ محراب بنائی اور تینوں بار وہ ڈھا گئی۔ ریدماس مایوس ہو گیا اس کی تمام امنگیں اور امیدیں خاک میں مل گئیں جس روز تیسری بار محراب گری ہے۔ اسی رات نوجوان معمار نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ خودکشی کر لے گا۔

کہتے ہیں کہ اسی رات ایک خوبصورت عورت ریدماس کو خواب میں نظر آئی اس عورت نے جھک کر ریدماس کی پیشانی پر اپنا نرم و نازک

ہاتھ رکھ دیا اور نوجوان معمار نے خواب میں ہی زینہ مکمل کر لیا۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ محراب گرنے کی وجہ کیا ہے۔ (میلوسس کے باشندوں کا کہنا ہے کہ زیدماس نے محراب گرنے کی وجہ کسی کو نہیں بتائی) صبح اٹھ کر اس نے از سرِ نو زینہ کا کام شروع کیا اور آخر کار وہ اس خاتون کی دعا سے جو اس کے خواب میں آئی تھی زینہ بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ پانچویں سال کے آخری دن بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی اور زیدماس اپنی بیوی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اس عظیم الشان زینہ کو طے کرتا ہوا محل میں چلا گیا۔

بادشاہ کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی چنانچہ اس کے انتقال کے بعد وہی معمار نوجوان تاج و تخت کا وارث ہوا اور زدبندی خاندان کو اپنی تعداد، قابلیت اور ہمت سے عظیم الشان زینہ کا یادگار تحفہ دے گیا۔ زینہ اس قدر مضبوط ہے کہ صدیوں تک اس کا ایک پتھر بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ ہاں اگر کوئی خوفناک زلزلہ اسے تباہ کر دے تو اور بات ہے۔" اپنے اس لافانی کارنامے کی یادگار کے طور پر زیدماس نے اس فرشتہ خاتون کا مجسمہ تراشا۔ مجسمہ یوں ہے کہ زیدماس سو رہا ہے اور خاتون جھک کر اس کی پیشانی کو چھو رہی ہے۔ اس مجسمے کو اس نے محل کے بڑے کمرے میں نصب کر دیا جو آج تک وہیں موجود ہے۔

تو یہ ہے میلوسس کا یادگار زینہ اور زیبا شہر تھاوہ۔

پتواروں والی کشتی ہمارے بجرے کو کھینچتی ہوئی زینہ کے قدموں میں لے گئی

بوڑھا غرور آمیز شان سے کشتی سے اترا اور زینہ پر جا کھڑا ہوا اور اشارے سے ہمیں بھی اتر آنے کو کہا۔ ہم مارے بھوک کے بے حال ہو رہے تھے اور اگر نہ بھی ہوتے تو بوڑھے کے حکم کی تعمیل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا چنانچہ ہم بھی اپنے ڈونگے میں سے اتر آئے۔ بوڑھے نے اپنے ہونٹوں پہ انگلیاں رکھ کر ہم میں سے ہر ایک کو سلام کیا۔ سب سے آخر میں وہ عورت جسے ہم نے آبی گھوڑے سے بچایا تھا ڈونگے سے اتری۔ اس کا ساتھی ہجوم میں کھڑا اس کا منتظر تھا۔ وہ آگے بڑھا لیکن عورت نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے میرا ہاتھ اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ مطلب یہ کہ وہ ہمارا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ ہمارا خوف اس کے دل سے زائل ہو چکا تھا اور اسے جانے کی کوئی جلدی نہ تھی۔ میرے بعد شاید وہ گنڈ کا ہاتھ چومتی لیکن بیچ میں اس کا ساتھی ٹپک پڑا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ہجوم میں غائب ہو گیا۔ گنڈ کی حالت تو اب یہ تھی وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو اس نالائق دیو کو کچا چبا لیتا۔

ہمارے مختصر سے ساز و سامان کو ان لوگوں نے جو ہمارے ساتھ والی کشتی کھے رہے تھے اٹھایا اور ایک طرف چلے۔ اس دوران بوڑھے رہبر نے اشارے سے ہمیں اطمینان دلایا کہ ہمارا سامان محفوظ رہے گا۔ اب بوڑھے نے ہمیں اپنے پیچھے آنے کے لئے اشارہ کیا اور اس چھوٹے سے مکان کی طرف جو ہمارا مہمان خانہ معلوم ہوتا تھا چل دیا۔ وہ ہمیں لئے لئے ایک وسیع کمرے میں پہنچا جس کے بیچ میں ایک لمبی سی چوبی میز رکھی ہوئی تھی اور اس پہ لکڑی کی رکابیوں میں کھانا چنا ہوا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ انتظام خاص ہمارے لئے ہی کیا گیا ہے۔

بوڑھے نے میز کے سامنے پڑی ہوئی بنچ کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ ہم دونوں اشارے کا انتظار کیے بغیر بیٹھ گئے۔ اسی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ بکری کا بھنا ہوا گوشت کسی درخت کے بڑے بڑے خوشبودار پتوں پر رکھا ہوا تھا۔ ان پتوں کی بھینی بھینی خوشبو گوشت میں بھی بس گئی تھی۔ سبزیوں میں کدو کی قسم کی کوئی چیز تھی۔ روٹیاں بے حد موٹی موٹی لمبوتری تھیں۔ سرخ شراب جو چینی صراحیوں میں بھری ہوئی تھی اور پیالے گلاس کے تھے۔

ہم نے خوب ڈٹ کر کھایا اور جب میز پر سے اٹھے تو اپنے جسم میں نئی قوت محسوس کر رہے تھے۔ جن مشکلات سے گزر کر ہم آ رہے تھے اس کے بعد ہمیں دو چیزوں کی سخت ضرورت تھی۔ کھانا اور آرام۔ جب تک ہم کھانے کی میز پر جمے رہے دو نہایت خوبصورت لڑکیاں ہماری خدمت میں موجود رہیں ان کا لباس بھی ایسا ہی تھا جس کی تفصیل میں پچھلے باب میں بیان کر چکا ہوں ویسا ہی سفید پیٹی کوٹ اور اس پر کسی دوسرے رنگ کا چوغہ یا ساری۔ دایاں بازو اور ایک چھاتی ملک کی رسم کے مطابق بالکل عریاں تھی بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ یہ ان کا قومی لباس تھا۔ لباس کا رنگ پہننے والی کی حیثیت اور اس کی حالت ظاہر کرتا مثلاً اگر پیٹی کوٹ سفید ہوتا تو پہننے والی کنواری ہوتی اگر اس کی کوروں پر سرخ گوٹ لگی ہوئی ہوتی تو پہننے والی شادی شدہ اور پہلی بیوی ہوتی لیکن اگر گوٹ گلابی ہوتی تو وہ دوسری یا تیسری بیوی ہوتی اور اگر پہننے والی بیوہ ہوتی تو گوٹ سیاہ ہوتی وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح سے پیٹی کوٹ کے اوپر جو چوغہ یا ساری پہنی جاتی تھی، جسے میلوس میں "سکارف" کہتے ہیں۔ اس کے بھی مختلف رنگوں سے پہننے والی کا خاندان اور اس کا دولت و ثروت ظاہر ہوتی تھی۔ مردوں کے لباس میں بھی

سے ہی مختلف رنگ مختلف چیزوں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ مرد اپنی حیثیت کے مطابق دائیں بازو میں کہنی سے کچھ اوپر اور بائیں پاؤں میں گھٹنے سے نیچے سونے کے کڑے یا کنگن پہنے تھے۔ اعلیٰ خاندانی لوگ یا پھر سرکاری عہدیدار گردنوں میں سونے کا طوق ڈالے رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی گردنوں میں بھی جو ایک خاص مقام رکھتے تھے طوق پڑا رہتا تھا۔ ہمارے مقدس رہبر کی گردن میں بھی ایسا ہی طوق پڑا ہوا تھا۔

جب ہم کھانے پر جھکے ہوئے تھے مقدس بوڑھا ایک کونے میں کھڑا عقابی نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ بار بار اس کی نظریں ہماری بندوقوں پر جا پڑتیں اور اس کے چہرے سے خوف اور استعجاب ٹپکنے لگتا۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو ہمارے سامنے آیا اور بڑی انکساری سے گڈ کے سامنے جھک گیا۔ گڈ کی فوق البھڑک وردی کے باعث وہ گڈ کو ہماری پارٹی کا افسر سمجھے ہوئے تھا اس نے ہمیں اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا اور کمرے سے نکل کر عظیم الشان زینہ کے قدموں میں جا کھڑا ہوا ہم بھی اس کے ساتھ ہی وہاں پہنچے۔ زینہ کے دائیں بائیں سنگ مرمر کے دو نہایت ہی مہیب شیر کھڑے گویا زینہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ ہم آرٹ کے اس اعلیٰ نمونہ کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھتے رہے بیشروں کے چہروں سے نخوت کے آثار ہویدا تھے اور وہ بپھر کر اپنے پچھلے پیروں پر کھڑے ہوئے تھے۔ عجیب ترباۃ یہ تھی کہ دونوں مجسموں میں سے کسی ایک میں بھی کہیں کوئی جوڑ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ مجسمے بھی عظیم الشان زینہ کے بنانے والے نوجوان معمار ریڈماس نے ہی تراشے تھے بعد میں ہمیں اس فن کے کئی اور نمونے دیکھنے کو ملے اور میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ اس جیسا سنگ تراش اور بت ساز آج تک دنیا کے کسی حصے میں پیدا ہوا نہیں۔

میرے دل میں اس کے لئے احترام کا جذبہ لئے عظیم الشان زینہ پر چڑھنے لگے۔ اسلوب کا ان جو کسی چیز سے مرعوب ہوتا اور اس کی تعریف کرتا جاتا تھا اس زینے کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور اپنے مخصوص انداز میں صرف اتنا کہا کہ یہ کام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ اسلوب نے کہ بے حس دل پر فن تعمیر کے اس شاندار نمونے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

جب ہم زینہ طے کر کے چھت پر پہنچ گئے وہاں کھڑے ہو کر ہم نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو دور دور تک سرسبز و شاداب خطہ پھیلا ہوا نظر آیا۔ سامنے وہ تالاب تھا جس پر ہم ابھی ابھی نکل آئے تھے۔ محل دائیں طرف تین چھوٹے چھوٹے راستے تھے۔ ان میں سے ہر راستہ محل کے گرد بنی ہوئی فصیل کی گلیوں میں جا کر ختم ہوتے تھے۔ یہ گلیاں فصیل کے اندر ہی اندر گھوم کر شہر کے اندر جا نکلتی تھیں۔ یہ راستے عام لوگوں کی آمد و رفت کے لئے تھے۔ جہاں سے شروع ہوتے تھے وہاں لکڑی کے مضبوط کواڑ لگے ہوئے تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ چند خفیہ کلوں کے دبانے سے راستہ اس طرح سے نیچے جھک جاتا ہے کہ پھر کوئی بھی شخص اسے عبور کر کے شہر پر حملہ نہیں کر سکتا۔

جہاں فصیل اور دروازہ تھا اس کے برابر طرف سنگ سیاہ کا ایک چھوٹا سا زینہ تھا جس میں صرف دس سیڑھیاں تھیں یہ زینہ دروازے سے محل کی دیوار تک جاتا تھا جہاں یہ چھوٹا زینہ ختم ہوتا تھا وہاں بھی ایک بڑا سا دروازہ تھا۔ یہ دروازہ خاص محل کا تھا۔ محل کی دیوار بھی انوکھی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں جو فن تعمیر کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہر چیز کو کس طرح سے ہو بہو بیان کروں بس اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ دیوار باہر کی طرف سے سودخور

کی توند کی طرح گول ابھری ہوئی تھی اور کوئی شخص کوشش کے باوجود اس پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔

ہمارا مقدس راہبر ہمیں لیے ہوئے محل کے اس دروازے پر پہنچ گیا۔ چوڑا چکلا دروازہ جس پر کانسے کے پتر چڑھے ہوئے تھے بند تھا۔ لیکن ہمارے پہنچتے ہی وہ کھول دیا گیا اور پہریداروں نے رک کر کچھ پوچھا۔ پہریداروں کے ایک ایک ہاتھ میں ایک ایک نہایت نازک اور خوبصورت نیزہ تھا جس کے پھل نکونے تھے اور پشت پر آبی گھوڑے کی کھال کی ڈھالیں پڑی ہوئی تھیں ان کے دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی جو حلیہ میں ہماری لوہے کی بنی ہوئی تلوار میں اور اس تلوار میں جسے ہم نے مسٹر میکنزی کے پاس دیکھا تھا سرمو فرق نہ تھا یعنی یہ قوم آوارہ گرد یقیناً اس انجان ملک تک آیا تھا۔

ہمارے راہبر نے کچھ کہا اور پہریداروں نے اپنے نیزے الٹے کر کے ان کے نکونے پھل فرش پر کھٹاک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ٹیک دیئے گویا اب ہمیں اندر داخل ہونے کی اجازت تھی ہم دروازے میں سے گزر کر صحن میں داخل ہوئے۔ یہ صحن چالیس مربع گز تھا اور اس میں جگہ جگہ پھولوں کے تختے لگائے گئے تھے جن کی خوشبو سے فضا مہک رہی تھی۔ پھول میرے لئے بالکل نئے تھے۔ آج تک میں نے کسی جگہ اس قسم کے پھول نہیں دیکھے تھے۔ پھولوں کے تختوں کے بیچ میں سے ایک چھوٹا سا راستہ یا پگڈنڈی گزرتی تھی۔ جس پر بجائے بجری کے تالاب سے حاصل کی ہوئی سیپیاں کوٹ کر بچھائی گئی تھیں۔ اس پگڈنڈی سے گزر کر ہم ایک اور محرابی دروازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ اس دروازے پر کواڑوں کی جگہ ریشمی پردے لٹک رہے تھے اس کے بعد بھی ایک اور تنگ دروازے سے گزرنا پڑا اور اب ہم محل کے

سب سے زیادہ وسیع و عریض کمرے میں کھڑے ہوئے تھے۔ یہ کمرہ اپنی وسعت کے ساتھ ہی اپنی شان و شوکت اور آرائش و زیبائش کے اعتبار سے بھی قابلِ دید تھا۔ اس کمرے کا طول ایک سو پچاس فٹ اور عرض اسی فٹ ہوگا۔ اس کی چھت نہایت مضبوط چوبی دروازوں پر ٹکی ہوئی تھی۔ کمرے کے انتہائی سرے پر دیوار سے بیس فٹ دور سیاہ سنگِ مرمر کے ستون اپنے کندھوں پر چھت کی چوبی محرابوں کو اٹھائے تھے۔ اسی کمرے میں ایک طرف وہ مجسمہ تھا جس کا ذکر کسی باب میں ضمناً کیا جا چکا ہے اور جسے عظیم الشان زینہ کے خالق زید ما اس نے تراشا تھا۔ بعد میں ہمیں اس مجسمہ کو اطمینان سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ہم اس کا حسن اور فن کار کی کاریگری دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔

مجسمہ یوں تھا کہ ایک بارعب شخص ایک نفیس کوچ پر لیٹا ہوا ہے اس کا ایک ہاتھ نیچے لٹک رہا ہے اور دوسرا سرہانے دھرا ہے۔ وہ اس ہاتھ پر اپنا سر رکھے سو رہا تھا اور اس کے گھنگریالے بال سرہانے دھرے ہوئے بازو پر بکھرے ہوئے ہیں اور ایک حسین و جمیل عورت اس خوابیدہ شخص پر جھکی اس کی پیشانی کو اپنے دستِ نازک سے چھو رہی ہے۔ اس خاتون کے چہرے سے ایسی ملاحت اور ایسی شان ٹپک رہی ہے کہ اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اس کے نازک ہونٹوں پر ملکوتی تبسم ناچ رہا ہے۔ چہرہ نہایت پُرجلال اور بادام جیسی آنکھیں محوِ خواب شخص کے چہرے پر گڑی ہیں۔ لیکن مجسمہ ساز کا کمال تو یہ تھا کہ اس نے محوِ خواب شخص کے تمام دلی جذبات پتھروں میں سمو دیئے تھے۔ اس کی بے کلی، دماغی خلفشار، تھکن، پریشانی، عزم، بلند نظری یہ اس سنگی بت کے چہرے سے عیاں تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تھوڑی دیر بعد نیند سے چونک کر اٹھے گا اور اس سے گفتگو کرے

لگے گا اور یہی بت ساز کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔
برتنوں کے بیچ میں جو خالی جگہ تھی وہاں بھی مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ کچھ مجسمے محض تخیلی تھے۔ کچھ پرانے بادشاہوں، شہزادوں اور شہزادیوں کے۔ ایک طرف نامور ملکاؤں کے مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ یہ تمام مجسمے ہر چند کہ اپنے طور پر کافی حسین تھے لیکن پھر بھی اس مجسمے کی برابری نہیں کر سکتے تھے جسے ریدماس نے تراشا تھا۔ اس کی تو شان ہی نرالی تھی۔
کمرے کے بیچوں بیچ میں ایک سیاہ چوکور پتھر رکھا ہوا تھا۔ یہ پتھر جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا بے حد مقدس گردانا جاتا تھا۔ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تو وہ اس پتھر کے سامنے دوزانوں ہو کر اپنے دونوں ہاتھ پتھر پر ٹیک دیتا اور پھر سورج دیوتا کو حاضر ناظر جان کر حلف اٹھاتا کہ وہ مرتے دم تک رعایا کا خیال رکھے گا۔ ملک کے رسم و رواج پر کاربند رہے گا اور اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلے گا۔ یہ پتھر بے حد قدیم تھا اور اسکے چاروں پہلوؤں پر کچھ نشانات سے بنے ہوئے تھے۔ ہنری کا کہنا ہے کہ یہ نشانات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ کسی زمانے میں برفانی چٹان کے آہنی جبڑوں میں پھنسا ہوا ہو گا۔ پھر کسی زلزلے نے اسے برفانی چٹانوں سے اکھاڑ کر باہر پھینک دیا۔ ممکن ہے ہنری کا کہنا صحیح ہو لیکن میلوسس کے باشندے اس پتھر کے بارے میں عجیب و غریب روایات رکھتے ہیں۔
ان کا کہنا ہے کہ یہ پتھر دراصل سورج سے گرا ہے یا سورج دیوتا نے انہیں اپنی نشانی کے طور پر عنایت کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک پتھر اسی طرح سے قائم ہے حکومت ان کی ہی رہے گی لیکن جب یہ پتھر ٹوٹ جائے گا یا توڑ دیا جائے گا تو ان کی حکومت پر زوال آجائے گا اور کوئی غیر ملکی بادشاہ

ان پر حکومت کرے گا۔ پھر چونکہ یہ عہد مضبوط تھا اس لیے جب بھی کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تو اس طرف سے تو مطمئن رہتا کہ کم از کم اس کے دور حکومت میں پتھر کے لوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے وہ میلوسس کا آخری تاجدار ہو ہی نہیں سکتا۔ اس اطمینان اور دلجمعی سے [illegible] ہر شہزادہ اجے پال کے تخت پر قدم رکھتا آیا تھا۔

کمرے کے ایک [illegible] میں بہت سے تخت پاس پاس رکھے ہوئے تھے جو شاہی درباریوں کے لیے تھے اور خاص ہوتے تھے۔ ان کی نشست نرم اور [illegible] ہوتی تھی لیکن ان کی پشت کھلی تھی اور ان پر [illegible] جو اپنی سنہری شعاعیں چاروں طرف بکھیر رہا تھا۔ کمرے کی دیواروں میں [illegible] اور چھت کے قریب چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں یا روشن دان کہنا مناسب ہوگا [illegible] تھیں۔ یہ روشن دان شیشوں [illegible] تھے میلوسس میں کوئی شیشے کے نام تک سے بھی واقف نہ تھا ان تنگ روشن دانوں کے سبب کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس نے اس فضا کو نہایت پراسرار بنا دیا تھا۔

میں نے اس کمرے کا سرسری سا خاکہ لیکن اتنا عرض کر دوں کہ یہ تمام تفصیلات میں اسی وقت نہیں جان سکا۔ بعد میں میں نے جب اس کمرے کا غور سے جائزہ لیا تو یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں لیکن انہیں یہاں اس لیے بیان کر دیا گیا ہے کہ آگے کہیں داستان کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

جب ہم اس بوڑھے رہبر کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہو گئے ہیں تو لوگ شہ نشین کے سامنے جمع ہو رہے تھے۔ لیکن جو لوگ کہ عہدیدار یا امرا میں سے تھے وہ تخت شاہی کے دائیں بائیں قطار اندر قطار رکھی ہوئی

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے عہدے یا نسب کے مطابق ان کے پوشاک کی دھاریوں پر مختلف رنگوں کی گوٹ لگی ہوئی تھی۔ ہر امیر کی کرسی کے پیچھے اس کے ملازم اور باڈی گارڈ کھڑے ہوئے تھے۔

تخت کے دائیں بائیں جانب اور سب سے الگ تھلگ مختلف قسم کے چھ اشخاص رونق افروز تھے۔ بجائے چوغے کے انہوں نے سفید عبائیں زیب تن کر رکھی تھیں جو ان کے ٹخنوں تک آتی تھیں۔ ان کے سینوں پر سنہرے سورج بنے ہوئے تھے بالکل ایسے ہی جیسے کہ تختوں کی پشت پر تھے عباؤں میں لوازم نہیں تھے بلکہ کمر کے اردگرد سونے کی نہایت باریک زنجیر لپٹی ہوئی تھی۔ زنجیر کے چاروں طرف سونے کے چھوٹے ٹکڑے لٹک رہے تھے ان ٹکڑوں پر فلس بنے ہوئے تھے۔ جب وہ لوگ چلتے تو یہ ٹکڑے آپس میں ٹکرا کر بج اٹھتے اور ان پر کے فلس یوں چمکتے جیسے ان سے روشنی پھوٹ رہی ہو۔ یہ لوگ پکی ہوئی عمروں کے تھے۔ چہرے بارعب اور کرخت اور گھنی داڑھیوں نے ان کے چہروں کو اور بھی بارعب بنا دیا تھا یہ پروہتوں کا مقدس گروہ تھا۔

اس گروہ کا ایک شخص خاص طور سے ہماری توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا اس کی عمر اسّی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ غیر معمولی طور پر بلند قامت اور برف جیسی سفید داڑھی جو اس کے سینے پر پنکھے کی طرح پھیلی ہوئی تھی اس کے خدوخال نہایت متوازن اور قدرے تیکھے تھے اور اس کی بھوری بھوری آنکھوں میں راکھ تلے دبی ہوئی چنگاریوں کی سی چمک تھی۔ پہلی ہی نظر میں وہ شخص مجھے بیحد ضدی اور شیطان سا معلوم ہوا اس کا چہرہ اس کی سخت دلی اور بد باطنی کی غمازی کر رہا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھیوں کے سر کھلے ہوئے تھے لیکن وہ اپنے

سر پر سکار چوبی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ اس کی اس خصوصیت سے میں نے سمجھ لیا کہ وہ میلیسس میں کوئی خاص درجہ رکھتا ہے۔ میرا یہ اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ وہ اس مملکت کا پیشوائے اعظم تھا جسے میلوسس میں "ریگوانا" کہتے ہیں۔

دفعتہً دائیں طرف سے بگل کی آواز آئی۔ اور پھر فوراً ہی بائیں طرف سے بھی بگل کی آواز نکلی کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ہاتھی دانت کا عصا لئے نمودار ہوا اور دائیں طرف کے تخت کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز میں کچھ کہنے لگا۔ اس نے آخر میں الفاظ "نلیتھا" کہا۔ اس نے تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے جن کے آخر میں "نلیتھا" آتا تھا۔

وہ خاموش ہو گیا تو ایک اور شخص ایسا ہی عصا لئے بالکل بائیں طرف سے نمودار ہوا اور اس طرف کے تخت کے سامنے کھڑے ہو کر وہی الفاظ کہتا رہا جو دائیں طرف کھڑے ہوئے شخص نے کہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کی تقریر بجائے نلیتھا کے لفظ موراکیس پر ختم ہوئی۔

وہ شخص خاموش ہوا تو مسلح سپاہیوں کا ایک گروہ دائیں طرف سے اور ایک بائیں طرف سے نمودار ہوا۔ وہ خاموشی سے دونوں تختوں کے پشت پر مودب کھڑا ہو گیا۔ سپاہیوں نے اپنے نیزوں کو اٹھا کر کے ان کے پھل فرش پر ٹیک دیئے۔ ایک بار پھر دائیں بائیں سے بگل چلا اٹھے اور ابھی ان کی آواز فضا میں تیر ہی رہی تھی کہ کنیزوں کے جھرمٹ دائیں بائیں سے نمودار ہوئے ان کے بیچ میں زود بیندی کی ملکائیں نہایت شان اور تمکنت سے چلی آ رہی تھیں۔

میں نے اپنی اس طویل عمر میں حسین ترین عورتیں دیکھی ہیں اور اب عمر کی اس منزل کو پہونچ چکا ہوں کہ عورت کا حسن میرے دل پر اثرانداز

نہیں ہو سکتا لیکن میں ان دونوں بہنوں کا حسن بیان کرنا چاہتا ہوں تو الفاظ میرا ساتھ نہیں دیتے۔ دونوں جوانی کی امنگیں۔ سے بھرپور تھیں۔ دونوں ایک ساتھ پیدا ہوئی تھیں[1] اور ان کی عمر پچیس سال کی ہوگی طویل القامت، اور نہایت سڈول جسم۔ لیکن یہاں آکر دونوں بہنوں کی شباہت میں فرق آجاتا تھا۔ ایک یعنی "نلیتما" کا حسن آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر دیتا تھا۔ زوبیدی ملک کے رواج کے مطابق اس کا ایک مرمریں بازو اور ایک چھاتی عریاں تھی۔ اس کے عریاں بازو اور چھاتی کی بے داغ سفیدی اس کے سفید لباس کی سفیدی پر غالب آگئی تھی۔ اس کا چہرہ اور اس کے نقوش اتنے پرکشش تھے کہ ممکن نہیں کہ کوئی اسے ایک بار دیکھے اور بھلا دے۔ اس کے بال کیا تھے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے اس کے نازک سر پر سنہری ریشم کا تاج رکھ دیا ہو۔ ان سنہری لٹوں کے نیچے کمان ایسی بھویں اور ان کے نیچے پہاڑی جھیل جیسی نیلی نیلی آنکھیں۔ آنکھوں سے بہ یک وقت جوانی کی تڑپ اور شوخی کے ساتھ ساتھ شاہانہ وقار اور تمکنت کے جذبات ٹپک رہے تھے۔ دہن قدرے تنگ اور ہونٹ عشق کے دیوتا کیوپڈ کی کمان جیسے۔ اس کے چہرے سے نرم گرم شعاعیں سی پھوٹ رہی تھیں اور ان شعاعوں میں رحمدلی اور سادہ لوحی کے جذبات تھے۔

اس کا حسن زیورات سے بے نیاز تھا۔ البتہ اس کی صراحی دار گردن مرمریں بازو اور ایک پیر میں ملک کی رسم کے مطابق سانپ کی شکل کے

---

[1] یعنی توام تھیں (کوائٹر مین)

سونے کے ٹھوس کڑے پڑے ہوئے تھے۔ بگلے کے پروں ایسا سفید لباس اعلیٰ قیمتی کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ جس پر سونے کے باریک باریک تاروں سے بیل بوٹے بنائے گئے تھے اور جگہ جگہ سورج کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔

اس کی توام بہن "سورائیس" حسن و جمال میں قدرے مختلف تھی۔ اس کے بال اپنی بہن کے سنہرے بالوں کے خلاف گھور کالے تھے۔ چہرے کی رنگت بھی ایلتھا ایسی صاف نہ تھی اور ہونٹ بھرے بھرے تھے حساس چہرے سے وہ بے حد حسین اور سفاک معلوم ہوتی تھی۔ اس کے چہرے کے سرد نقوش نے دیکھنے والوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر کسی وجہ سے اس کے پرسکون دل میں ہلچل مچ گئی تو پتہ نہیں کون سے برے نتائج پیدا ہوں گے سورائیس تھی اسی گمبھیر سمندر جیسی حسینہ معلوم ہوتا جو طوفانی موسموں میں بھی پرسکون رہتا ہے لیکن اس کے سینے میں طوفان ابلتے رہتے ہیں۔ ذرا سا اشارہ پا کر یہ طوفان سطح آب پر آجاتے ہیں۔ اور پھر بستیوں اور آبادیوں کو صفحہ ہستی سے یوں مٹا دیتے ہیں کہ ان کا نام و نشان تک کوئی نہیں پا سکتا۔ سورائیس کے دل میں بھی خدا جانے کون سے طوفان پوشیدہ تھے جو پتہ نہیں کب ابھر آئیں۔ اور تباہی مچا دیں اس کے خدوخال اپنی بہن کی سے ہی متناسب اور موزوں تھے اور لباس بھی اپنی بہن ایسا ہی تھا۔

دونوں بہنیں کمرے میں داخل ہوئیں تو ہر شخص ان کے سامنے نہایت ادب سے جھک گیا اور وہ دونوں ایک شان بے نیازی سے گردنیں اٹھائے اور مغرورانہ قدم اٹھاتیں اپنے اپنے تخت کی طرف بڑھیں۔ ان کی شان و شوکت، دلشبانہ سج دھج، آن بان اور شاہانہ عظمت اور ساتھ ہی بے پناہ

حسن دل پہ ایک خاص اثر کرتا تھا۔ ان کے ایک ادنیٰ اشارے پر ہر شخص کٹ مرنے کو تیار ہو جاتا اور ان کا تبسم بوڑھی رگوں میں بھی جوان خون دوڑا سکتا تھا۔

لیکن وہ عورت پہلے تھیں اور ملکہ بعد میں چنانچہ شہزادی نجمہ سے ان کی طبیعت بھی خالی نہ تھی۔ جب وہ اپنے تخت کے قریب پہنچ گئیں، تو میں نے دیکھا کہ بے اختیار ان کی نگاہیں ہماری طرف اٹھ گئیں۔ سب سے پہلے ان کی نگاہیں مجھ پر پڑیں لیکن مجھ بوڑھے میں کوئی خاص بات نہ پا کر دوسری طرف مڑ گئیں۔ میرے قریب ہی اسلوبگاس کھڑا ہوا تھا اس کا ڈیل ڈول اور انوکھا ڈھنگ دیکھ کر ملکہ کی نگاہیں کچھ دیر تک دلچسپی قامت زدہ لو کا جائزہ لیتی رہیں اور ان میں حیرانی کی جھلک پیدا ہو گئی۔ اسلوبگاس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر انہوں کو سلام کیا۔ وہ دوسرے ہی لمحے گرز کی طرف متوجہ تھیں۔ کچھ دیر تک وہ اس کے فوق الفطرت لباس پر نظر ڈالتی رہیں اور پھر اس طرف گھوم گئیں۔ جہاں ہنری اپنے تمام مردانہ حسن کے ساتھ مجسمہ بنا کھڑا تھا۔ روشن دانوں سے آتی ہوئی روشنی ہنری کے سنہرے بالوں اور گھنی داڑھی پر رقص کر رہی تھیں۔ ہنری نے نظریں اٹھا کر ملکہ کی طرف دیکھا۔ لیتھا اور ہنری کی آنکھیں چار ہوئیں اور میں نے دیکھا کہ لیتھا کے چہرے پر رنگ دوڑ گیا۔ اس کے رخسار گلاب سے کھل اٹھے اور اس کی نگاہیں لڑکھڑا کر نیچے جھک گئیں۔ پلٹ کر دیکھا تو ہنری کا چہرہ فق تھا اور اس کے دل میں مچی ہوئی ہلچل کا راز فاش کر رہا تھا۔ لیتھا کی نظریں پھر اٹھیں جیسے وہ اس کے اختیار میں نہ ہوں اس نے پھر ہنری کی طرف دیکھا اور اس کے نازک ہونٹوں کے کنارے کانپنے لگے۔ ہنری کے قدم لڑکھڑا گئے اور اس پر

غشی سی طاری ہونے لگی لیکن اس نے اپنے آپ کو جلد سنبھال لیا۔

"اور شہزادے میں نے سوچا کہ اب یہ دونوں اسٹیج پر آئی ہیں تو پتہ نہیں ڈرامہ کون سا نیا خوفناک منظر پیش کرے گا؟"

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ میں جانتا ہوں کہ عورت کا حسن کیا کچھ طوفان اٹھا سکتا ہے۔ عورت کا حسن ایک بجلی ہے۔ تباہ کن اور ایک لٹیرا ہے۔ غارت گر۔ اور یہ بجلی ہری پر گر چکی تھی اور لٹیرے نے اس کے دل پر ڈاکہ ڈالا تھا

اس عرصہ میں ملکائیں اپنے اپنے تخت پر رونق افروز ہو چکی تھیں۔ بگل پھر بجے اور درباری اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے ملکہ سورائیس نے اشارے سے ہمیں بھی بیٹھ جانے کو کہا۔

ابھی ہم بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ہجوم میں سے ہمارا بوڑھا رہبر اس عورت کے شوہر کا جسے ہم نے آبی گھوڑوں سے بچایا تھا ہاتھ پکڑے نمودار ہوا اور تخت نشینوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سلام کرنے کے بعد اس نے اپنی رپورٹ پیش کی اور نہایت تفصیل سے ہمارے بارے میں بتایا کہ ہم کہاں پائے گئے اور وہ کس طرح سے ہمیں یہاں تک لایا۔ بوڑھا ہاتھ ہلا ہلا کر تقریر کر رہا تھا اور اس کے ایک ایک لفظ پر درباریوں کے منہ حیرت سے کھلے جاتے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ کبھی تو ان کے چہرے سے خوف و ہراس ظاہر ہوتے اور کبھی حیرت و استعجاب۔ یہی حالت دونوں بہنوں کی تھی یہ بات ان کی سمجھ میں کسی طرح سے نہیں آرہی تھی کہ ہم تالاب پر کہاں سے آگئے۔ آسمان سے ٹپک پڑے یا پاتال سے نکل آئے؟ آخر کار وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم ضرور کسی لافانی قوت کے مظہر یا اس کے مالک ہیں۔ ورنہ آج تک

کوئی اجنبی تالاب کی سطح پر یہ دیوں ڈونگے میں تیرتا ہوا نہیں پایا گیا۔

اب بوڑھے کی تقریر کا انداز بدلا۔ بجائے نرم الفاظ کے اس کے منہ سے نہایت بھاری بھر کم الفاظ لڑھکنے لگے اور اس کے جوش و خروش میں اضافہ ہوا۔ ہر منٹ بعد وہ اس عورت سے پوچھتا اور وہ اثبات میں سر ہلا دیتی میں نے انداز سے سمجھ لیا کہ وہ آبی گھوڑوں کا ذکر کر رہا تھا میں نے دیکھا کہ پردہ نشینوں کے چہرے سے خشونت ٹپک رہی تھی بوڑھے کے ایک ایک لفظ پر ان کا غم و غصہ بڑھتا جا رہا تھا اور بار بار ان کے منہ سے خوف و حیرت کے کلمات نکل جاتے تھے پردہ نشینوں کی یہ حالت دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آبی گھوڑوں کا معاملہ بہت سنگین ہے اور انھیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنا کر ہم نے نہایت سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

دونوں بہنیں بھی حیرت سے بوڑھے کی تقریر سن رہی تھیں اور جب بوڑھے نے ہماری گود میں دھری ہوئی بندوقوں کی طرف جوان کے خیال سے تباہی و بربادی کی دیویاں تھیں اشارہ کیا تو دربار میں جتنے بھی لوگ تھے سب کے چہرے فق ہو گئے قارئین کو اور زیادہ الجھاؤ میں نہ ڈالتے ہوئے میں یہاں اتنا کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ زندہ بیدی لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں اور دریائی گھوڑا ان کے نزدیک بے حد مقدس اور متبرک جانور تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ بات نہ تھی کہ وہ اس جانور کو مارتے نہ تھے۔ ایک خاص تہوار پر وہ اس جانور کو سورج دیوتا پر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ اس مقصد کے تحت وہ لاتعداد آبی گھوڑوں کو تالاب میں پالتے اور چونکہ یہ جانور صرف سورج دیوتا کے لئے ہی وقف ہوتا تھا اس لئے نہایت مقدس سمجھا جاتا تھا۔ چند پروہت صرف انکی خدمت پہ معمور تھے کہ وہ ان مقدس جانوروں کو

ہر صبح کھانا کھلاتیں اور ان کی دیکھ بھال کرتے رہتے۔ بدقسمتی سے ہم نے ان مقدس جانوروں کی جان لی تھی۔ جب ہم نے ان پر گولی چلائی تھی تو ان کی انسانوں سے مانوسیت کا ہمیں علم نہ تھا اور یہ بات میرے لیے ایک معمہ بنی ہوئی تھی جو اب حل ہو گئی۔ گولی چلا کر لوسس کے باشندوں پر رعب ڈالنے کے سلسلے میں ہم سے ایک فاش غلطی ہو گئی تھی۔ انگلین بھی ہم سے ناراض ہو گیا تھا اور گاڈ کے مشورے پر عمل کر کے ہم ایک مصیبت میں پھنس گئے تھے۔ میں گاڈ کو الزام نہیں دیتا کیونکہ ہم سب ہی لوسس کے باشندوں کو خوفزدہ کرنا چاہتے تھے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر گاڈ ہماری توجہ آبی گھوڑوں کی طرف مبذول کرا کے ان پر گولی چلانے کی تجویز نہ پیش کرتا تو شاید ہم انہیں بھی شانہ بشانہ اور مقدس خطرات سے بچ جاتے۔

جب ہم مقدس مقامات پر آکر بیٹھے تو پیشوائے اعظم رگیون آگے بڑھا۔ اس کے چہرے سے خباثت ٹپک رہی تھی اور منہ سے کف جاری تھا۔ اس نے ایک ہولناک انگیز تقریر کی۔ تقریر کے درمیان وہ بار بار ہماری طرف دیکھتا اور اس کی آنکھوں سے شعلے سے لپکتے۔ اس کی آنکھوں کی چمک مجھے ذرا بھی نہ بھائی۔ نہایت نفرت انگیز تھی وہ اور اگر اس وقت کہیں میں یہ جان لیتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو میری یہ نفرت انتہا کو پہنچ جاتی۔ وہ مطالبہ کر رہا تھا کہ ہم آبی گھوڑوں کے قاتلوں کو سورج دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے اور اور اس مقصد کے لئے اسی وقت ہم سب کو اس کے سپرد کر دیا جائے۔

رگیون اپنی تقریر ختم کر چکا تو سورانیس نے نہایت شیریں آواز میں اس سے چند سوالات پوچھے۔ جن کے جوابات شاید اس نے نہایت مناسب و موزوں دیے کیونکہ سورانیس خاموش ہو گئی۔ پھر سلیفا نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

پتہ نہیں وہ کیا کچھ کہتی رہی لیکن اتنا اندازہ ضرور معلوم ہوا کہ وہ پیشوائے اعظم سے ہماری جان بخشی کے لئے کہہ رہی تھی لیکن رنگون ٹس سے مس نہ ہوا اس کا چہرہ اور بھی سخت ہوگیا۔ تو نیلمتھا نے ایک خاص اونچے قد کے سیاہ داڑھی والے شخص کو مخاطب کیا وہ ہماری جان بخشی کے لئے اس کی مدد کی طالب ہوئی۔ اس کا نام جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا ناستا تھا اور وہ زرد بہمن کا ایک مقرب شخص اور ہر طرح سے خود مختار نواب تھا۔

ایک بات یہاں اور عرض کر دوں اور وہ یہ کہ جب ہنری اور نیلمتھا کی آنکھیں چار ہوئی تھیں اور ملکہ سرخ ہو گئی تھی تو اس شخص ناستا نے بھی ملکہ کی اس حالت کو دیکھ لیا تھا اس وقت وہ مارے اضطراب اور غصے کے ہونٹ چبا رہا تھا اور بار بار اس کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر جا پڑتا تھا۔ ناستا ملکہ سے شادی کا خواہش مند تھا اور نیلمتھا کے حضور اپنی درخواست بھی پیش کر چکا تھا۔

حالات جب ایسے تھے تو ملکہ کی یہ سخت غلطی تھی کہ وہ ناستا سے مدد کی طالب ہوئی۔ اس کے دل میں تو حسد و رقابت کی آگ سلگ رہی تھی اور یہ تو اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کا رقیب یعنی ہنری اس کے راستے سے ہٹ جائے پھر بھلا وہ ہماری سفارش کرنے کو کیوں رضامند ہوتا۔ اس نے دھیمی مگر گمبھیر آواز میں الفاظ چبا چبا کر رنگون کے مطالبہ کی تائید کی۔

ناستا جب رنگون کی تائید کر رہا تھا تو سوریا نیس اپنی کہنی زانو پر ٹیکے اور ہتھیلی کے کٹورے میں اپنی ٹھوڑی رکھے اس کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کے باطن کا جائزہ لے رہی ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ملکوتی تبسم ناچ رہا تھا لیکن نیلمتھا مارے غصہ کے بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ اس کے رخسار انگاروں کی طرح دہک رہے تھے اور آنکھوں سے شعلے پھوٹ رہے تھے اس نے رنگون کی طرف دیکھ کر کچھ کہا۔

اور وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ملکہ کے سامنے جھک گیا اور پھر نہایت خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب نلیتھا نے کچھ اشارہ کیا اور بگل بج اٹھے۔ بگل کی آواز کے ساتھ ہی ہر شخص سوائے ہمارے اور ان سپاہیوں کے جنہیں ملکہ نے روک لیا تھا جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

جب کمرے میں سوائے ہمارے کوئی نہ رہا تو نلیتھا آگے کی طرف جھک گئی اور مسکراتے ہوئے کچھ اشاروں اور کچھ الفاظ کے ذریعہ ہمیں سمجھایا کہ وہ یہ جاننے کے لئے بے چین ہے کہ ہم کون ہیں اور یہاں کہاں سے آگئے؟ ہم سوچ رہے تھے کہ اسے سمجھایا کیسے جائے۔ یکلخت مجھے ایک تدبیر سوجھی۔ میری جیب میں ایک ڈائری اور ایک پنسل پڑی ہوئی تھی۔ میں نے یہ دونوں چیزیں برآمد کیں اور ڈائری کے ایک صفحہ پر زمین، درخت، ندی اور تالاب کا ایک بے ڈھنگا خاکہ بنایا اور شہ نشین کے قریب جا کر ڈائری نلیتھا کے ہاتھ میں دیدی۔ نلیتھا بڑی زیرک تھی اور میرا مطلب فوراً سمجھ گئی اور خوشی اور حیرت سے اپنے زانو پر ہاتھ مارا اب وہ تخت سے اتر کر سورائیس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اور ڈائری اس کے سامنے پیش کی۔ وہ بھی میرا مطلب بخوبی سمجھ گئی۔

میرے ہاتھ سے پنسل لے کر نلیتھا اسے کچھ دیر تک حیرت سے دیکھتی رہی پھر اس نے ڈائری کے دوسرے صفحہ پر چند خاکے بنائے۔ پہلا خاکہ یوں تھا کہ ایک عورت جو دراصل خود نلیتھا تھی اپنے ہاتھ پھیلائے ہمیں خوش آمدید کہہ رہی تھی اور ایک مرد جو ہنری سے مشابہ تھا اس کے دونوں نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے مسکرا رہا تھا دوسرا خاکہ آبی گھوڑے کا تھا جو نزع کے عالم میں تالاب کی سطح پر لوٹ رہا تھا اور تالاب کے کنارے پر ایک شخص کھڑا اپنے دونوں ہاتھ خوف و دہشت سے آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ شخص ریگون تھا۔

اس مضحکہ خیز خاکہ کے بعد اس نے جو خاکہ بنایا اس نے ہمارا خون منجمد کر دیا خاکہ یوں تھا کہ ایک بھٹی روشن تھی اور رنگیون نے اپنے ہاتھ میں ترشول لئے اس کے سہارے ہمیں بھٹی کی طرف دھکیل رہا تھا۔

تو ہمیں زندہ جلایا جائے گا میں نے سوچا اور مجھے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے لیکن جب اس نے سکرا کر ایک اور خاکہ بنایا تو میرا خوف کچھ کم ہوا۔ خاکہ یوں تھا کہ ایک شخص جو سر ہنری کے علاوہ اور کوئی نہ تھا بھٹی کے کنارے کھڑا ہوا تھا اور دو عورتیں جو یقیناً نلپتھا اور اس کی بہن سورائیس تھیں ہنری کے دائیں بائیں اپنے ہاتھوں میں تلوار لئے کھڑی تھیں مطلب یہ کہ وہ ہمیں بچانے کا وعدہ کرتی تھیں اور ہماری حفاظت پر کمر بستہ تھیں۔ سورائیس نے جو اپنی گہری آنکھوں سے ہم سب کو اور خاص کر ہنری کو دیکھ رہی تھی اپنی نازک گردن ہلا کر نلپتھا کے وعدے کی تائید کی۔

آخر میں اس نے طلوع ہوتے ہوئے سورج کا خاکہ کھینچ کر ظاہر کیا کہ اب اسے جانا چاہئے۔ اس سے کل پھر ملاقات ہو گی اس کا مطلب سمجھ کر ہنری اس قدر آزردہ خاطر ہوا کہ نلپتھا نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیئے۔ ہنری نے آگے بڑھ کر بڑے اشتیاق اور بے تابی سے ان کے ہاتھوں کو چوم لیا۔ اسی وقت سورائیس نے اپنے ہاتھ گڈ کے سامنے جو اسے اپنی یک چشمی عینک کے پیچھے سے بری طرح سے گھور رہا تھا پیش کئے۔ گڈ نے بڑی محبت سے سورائیس کے نازک نازک ہاتھوں کو اپنے بے ڈھنگے ہاتھوں میں لے کر اپنے ہونٹ ان پر رکھ دیئے۔ سورائیس کے ہاتھ تو گڈ کے ہاتھ میں تھے لیکن اس کی نگاہیں ہنری پر گڑی ہوئی تھیں کسی نے مجھے اس رخصتی سلام میں شامل کرنا ضروری نہ سمجھا۔ چنانچہ میں کھڑا ایک ایک کی صورت تک رہا تھا۔

نلیتھا نے اس شخص کو جو محافظ دستے کا افسر معلوم ہوتا تھا کچھ ہدایات دیں جنہیں وہ بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ اُن کو ہدایات دینے کے بعد نلیتھا نے مسکرا کر شوہ کانی کی شان سے اپنے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا اور چند سپاہیوں اور جہاں مور اینیس کو ساتھ لے کر کمرے سے چلی گئی۔

نلیتھا کے رخصت ہونے کے بعد وہ افسر جسے ملکہ نے کچھ ہدایات دی تھیں ہماری طرف گھوم گیا اور بے شمار کورنشوں کے بعد ہمیں لیے ہوئے دربار کے کمرے سے باہر آیا۔ کئی چھوٹے بڑے کمروں سے گذرنے کے بعد ہم ایک نسبتاً بڑے کمرے میں پہونچے جو لاتعداد شمعوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ فرش پر نہایت قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے اور ایک صاف شفاف میز پر کھانا چنا ہوا تھا۔ قابوں میں رکھے ہوئے تازہ پھلوں کی خوشبو نے ہماری بھوک اور بھی بڑھادی۔ کھانے کے ساتھ ہی ساتھ میز پر رکھے گلدستوں میں تازہ تازہ پھول سجے ہوئے تھے جن کی مست کن خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ مٹی کی صراحیوں میں شراب بھی موجود تھی اور ہر صراحی کے پاس چاندی اور ہاتھی دانت کے جام رکھے ہوئے تھے۔ بے داغ کپڑوں میں ملبوس خوبصورت لڑکے اور لڑکیاں ہماری خدمت کے لیے مستعد کھڑے تھے اور جب ہم کھانے کی میز پر بیٹھے تو کہیں سے لیوٹ[1] دھیمے سروں میں بج اٹھا اور جب تک ہم کھاتے رہے وہ برابر بجتا رہا۔

ہمیں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہم فردوس گم گشتہ میں آگئے ہوں لیکن بار بار سگون اور ہمیں آگ کے سپرد کرنے کا اس کا ارادہ یاد آجاتا اور ہمارا مزہ

لہ: ستار کی قسم کا ایک ساز جو قرون وسطیٰ میں مستعمل تھا۔ (مظہر الحق علوی)

کر دیا۔ ویسے ہم اتنے تھکے ہوئے تھے کہ کھانے کے وقت بھی ہماری آنکھیں خود بخود بند ہوئی جا رہی تھیں۔ کھانا کھانے کے فوراً ہی بعد ہم نے آرام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ ہمارے خادم گائیڈ ہمیں لیے ہوئے چلے۔ وہ ہم میں سے ہر ایک کو الگ الگ کمرہ دینا چاہتے تھے لیکن ہم نے صرف دو کمرے لینا مناسب سمجھا اور اشاروں سے ان پر ظاہر کیا کہ ایک ایک کمرے میں ہم دو دو آدمی سونا پسند کرتے ہیں۔

وہ ہمارا مطلب سمجھ گئے۔ ہمیں اپنی جانوں کا خطرہ لاحق تھا چنانچہ مزید احتیاط کے طور پر ملو پوکا سے یہ کہا کہ وہ اپنے کلہاڑے سمیت ایوان عبادت کے قریب اس ڈیوڑھی میں جا کر سوئے جس میں سے ہمارے کمروں تک آنے کا راستہ تھا۔ اس سے یہ بھی کہا کہ وہ ہوشیار رہے اور اگر کچھ گڑبڑ معلوم ہو تو فوراً مطلع کرے۔

ملو پوکا اپنا کلہاڑا اٹھائے بتائی ہوئی جگہ پر رات بسر کرنے چلا گیا۔

پہلے کمرے میں ایلفرنسے اور ہنری جا گھسے اور دوسرے میں گڈ اور میں۔ زرہ پہنے ہی پہنے نرم گرم بستر پر میں لیٹ گیا۔ گڈ سے بھی زرہ پہنے رہنے کو کہا۔

دو ہی منٹ بعد میرے پپوٹے بوجھل ہو کر بند ہو رہے تھے کہ گڈ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

”میں نے کہا کوارٹرمین!“ اس نے کہا: ”یار سچ کہنا تم نے کسی اور کی بھی ایسی خوبصورت آنکھیں دیکھی ہیں؟“

”آنکھیں؟“ میں نے غنودگی کے عالم میں کہا: ”کیسی آنکھیں، کس کی آنکھیں؟ تمہیں نیند میں بکنے کی عادت ہے یہ تو مجھے آج ہی پتہ چلا۔“

”میں نیند میں نہیں بک رہا۔ ملکہ کی آنکھیں اور کس کی۔ میرا مطلب مونڈیس کی آنکھوں سے ہے۔“

”میں نہیں جانتا اس کی آنکھوں کے بارے میں“ میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے خوبصورت آدمی۔"

میری آنکھیں بند ہو گئیں۔

"میں نے کہا کوارٹر مین، کیا سو گئے یار؟"

"کیا مصیبت ہے" میں نے قدرے تلخی سے کہا۔ "کہو کیا کہتے ہو؟"

"تم نے اس کی پنڈلیاں دیکھی تھیں، معاف نہیں، ہائے کیا ساخت۔"

اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ میرے بستر کے قریب لکڑی کا ایک پیالہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے پیالہ گڈ کی طرف کھینچ مارا۔ پیالہ کھٹاک سے موں کی کھوپڑی پر پڑا۔ میری اس حرکت کا ردعمل کیا ہوا۔ یہ میں نہ جان سکا۔ اور فوراً ہی گہری نیند سو گیا۔ اب یا گڈ تو وہ پتہ نہیں رات بھر سوتا رہا یا نہیں کہ حسن کو سراہتا رہا یا پھر مجھے گالیاں دیتا رہا یا خدا جانے وہ بھی سو گیا۔

اور اب چند گھنٹوں کے لیے اس منظر پر پردہ گرتا ہے کیونکہ اس ڈرامے کے کردار پڑے گہری نیند سو رہے ہیں لیکن شاید ایک کردار ہے جس کے لئے نیند کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں اور اس کی آنکھیں تارا سی چمکتی ہیں اور یہ ہے نلیپتھا۔

اگر آپ نے شاعرانہ طبیعت پائی ہے تو آپ اس منظر کو اس طرح سے اپنے تصور میں لا سکتے ہیں۔ نہایت قیمتی قالینوں، نرم گرم بستروں اور پردوں والے تکیوں سے سجی سجائی ایک خواب گاہ ہے جس کی چھت سے لاتعداد جھاڑ فانوس لٹک رہے ہیں اور چاروں طرف خواصیں مؤدب کھڑی ہوئی ہیں اور ان کے

بیچ میں ایک ملائم بستر یا لوپا پر زدو یندری کی ملکہ اپنی تمام فتنہ ساما نیوں کے ساتھ دراز ہے اور سوچ رہی ہے یہ اجنبی لوگ جن میں سے ایک (سرحنری) کو دل دے بیٹھا ہے کون ہیں اور اس کی مملکت میں کہاں سے آ پہنچے ہیں؟ ان کے یہاں آنے کی غرض کیا ہے؟ کیا سچ مچ ان میں کا ایک شخص اس کے دل پر قبضہ جمانے آیا تھا؟ ایسے ہی اور بہت سے خیالات اسے پریشان کر رہے ہیں اور انھیں جتنا سلجھانے کی کوشش کرتی ہے اتنے ہی وہ الجھتے جاتے ہیں۔

لیکن چونکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میری تمام امنگیں مردہ ہو چکی ہیں شاعرانہ پن بھی جو کبھی زمانے میں میرے رگ و ریشہ میں سمایا ہوا تھا اب نہیں رہا اب حسن و عشق کے معاملات سے بھی مجھے کوئی سروکار نہیں چنانچہ اس موقع کو جبکہ ہر کردار خواب خرگوش میں ہے غنیمت جانتے ہوئے میں اپنے قارئین کو "زدو یندری" لوگوں کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ تمام معلومات میں نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں سے جستہ جستہ حاصل کی ہیں۔ ان سب کو یکجا کر کے سلسلہ وار میں آپ کیلئے پیش کرتا ہوں۔

جب سے یہ خطہ آباد ہوا تبھی سے اس کا نام "زدو یندری" چلا آتا ہے۔ زدو کے معنی ہوئے "پیلا" اور "ویندرس" یعنی "خطہ" یا "ملک"۔ اس کو پیلا خطہ کیوں کہتے ہیں؟ یہ وہ سوال ہے جس کا صحیح جواب مجھے نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ یہاں کے باشندے بھی اس کی وجہ تسمیہ سے واقف نہیں البتہ تین وجوہات بیان کی جاتی ہیں جو کم و بیش اطمینان بخش ہے۔

پہلی یہ کہ اس کو "پیلا خطہ" اسی لئے کہتے ہیں کہ یہاں سونا بہ افراط پایا جاتا ہے اور سچ پوچھئے تو اس بارے میں زدو یندری حقیقی ایلڈوریڈو[ف] ہے۔

ف۔ شہر تمنا ایک فرضی ملک یا شہر جہاں سونے کی بڑی افراط ہو۔ (مظہر الحق علوی)

فی الحال اس قیمتی دھات کو سیلابی مٹی کے کھنڈروں سے حاصل کیا جاتا ہے وہ جگہ جہاں یہ کھنڈر ہے میلوسس سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اور ہم اس کا معائنہ کر چکے ہیں۔ سیلاب نے مٹی لا لا کر تہہ در تہہ اس طرح سے بچھا دی ہے کہ ان گنت چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں سی بن گئی ہیں۔ انہی ٹیکریوں کو کھود کر سونا برآمد کیا جاتا ہے۔ ان ٹیکریوں میں سے ایک اونس سے لے کر چھ سات پاؤنڈ تک کے کچے سونے کے ڈلے بہ آسانی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ سونے کی کانوں کی تلاش جاری ہے۔ کئی ایک تلاش کی جا چکی ہیں اور بعض جگہ میں نے سنگ مرمر کی چٹانوں میں سونے کی دھاریاں دیکھی ہیں۔ سونا زوزیندی میں چونکہ عام ہے اس لیے چاندی نہایت قیمتی دھات سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں جو قدر سونے کی ہے وہ یہاں چاندی کو حاصل ہے۔

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ ملک کی ایک قسم کی خودرو گھاس جو بید نیدا اور زنبیلی ہوتی ہے اور جس کی یہاں افراط ہے ایک خاص موسم میں دھان کی بالیوں کی طرح پیلی ہو جاتی ہے اور جہاں تک نظر جاتی ہے بس پیلا ہی پیلا نظر آتا ہے۔ تیسری وجہ روایت پر مبنی ہے۔ کہتے ہیں ابتدا میں جو لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے ان کی رنگت پیلی تھی لیکن صدہا پشتوں کے بعد یہاں کی آب و ہوا کے اثر سے ان کا رنگ سفید ہو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس روایت میں کہاں تک صداقت ہے۔

زوزیندی کا حدود اربعہ فرانس اتنا ہوگا اور شکل انڈے ایسی لمبوتری ہے۔ ملک تین اطراف صنوبر کے گھنے جنگلات سے گھرا ہوا ہے اور ان جنگلات کے بعد کہتے ہیں کہ ہزاروں میل تک بے آب و گیاہ صحرا، خوفناک دلدلیں اور ناقابلِ عبور پہاڑ چلے گئے ہیں۔

مختصر یہ کہ زودیندی تاویک براعظم کے قلب میں ایک خوبصورت سطح مرتفع ہے ۔ صرف میلوسس میرے اندازے کے مطابق سطح سمندر سے نو ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہوگا۔ لیکن ملک کے دوسرے خطے اس سے بھی بلند ہیں۔ اس کا بلند ترین خطہ میرے خیال میں گیارہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے ۔ آب و ہوا جنوبی انگلستان جیسی بے حد سرد۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انگلستان میں بارش اور دھند ہوتی ہے جو یہاں نہیں ہوتی ۔

زمین بے حد زرخیز ہے اور ہر قسم کا غلہ سبزیاں اور پھل بہ افراط پیدا ہوتے ہیں۔ گھنے جنگلات سے عمارتی لکڑی بھی وافر تعداد میں مل جاتی ہے ۔ زودیندا کے اس خطہ میں جو نسبتاً بنجر ہے مختلف اقسام کے گھونگوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ کوئلہ کی بھی کثرت ہے اور معمولی سی کھدائی کے بعد ٹنوں کوئلہ مل جاتا ہے۔ سنگ مرمر بھی دو قسم کا پایا جاتا ہے۔ سفید اور سیاہ دونوں قسم کا سنگ مرمر حسب ضرورت مل جاتا ہے۔ یہی حال سونا چاندی اور دھات کا ہے۔ چاندی یہاں کمیاب ہے اور یہ اس پہاڑی سلسلہ سے جو زودیندی کے شمال میں واقع ہے حاصل کی جاتی ہے ۔

زودیندی اپنے دامن میں لاتعداد خوبصورت مناظر لئے ہوئے ہے۔ ان مناظر میں دو سلسلہ کوہ بھی شامل ہے جن میں سے ایک مغرب کی سمت میں ناقابل عبور خاردار جنگل کے کنارے پر واقع ہے دوسرا سلسلہ ملک میں گھس آیا ہے اور میلوسس سے صرف اسی میل کے فاصلے پر واقع ہے میلوسس میں سے ان پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں بخوبی نظر آتی ہیں۔ تین بڑے تالاب ہیں۔ جن میں سب سے بڑا وہ ہے جہاں ہم زیر زمین ندی سے نکل کر آئے تھے اس تالاب کا نام بھی اس کنارے پر آباد شہر کی وجہ سے میلوسس ہی پڑ گیا ہے

اور یہ دو سو مربع میل کے گھیرے میں پھیلا ہوا ہے۔ چھوٹے چھوٹے تالابوں کا جن میں اکثر کھارے پانی کے ہیں تو کوئی شمار ہی نہیں۔

ملک کی آبادی کافی گھنی ہے اندازے سے دس سے بارہ لاکھ تک۔ پورا ملک زراعتی ہے اور آبادی مہذب دنیا کی طرح طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ امراء، متوسط طبقہ جس میں زیادہ تر تاجر اور فوجی افسر شامل ہیں اور کسانوں کا طبقہ۔ زیادہ تعداد کسانوں کی ہے جو اپنے آقا کی زمین جوتتے بوتے ہیں اور اسی پر ان کی زندگی کا انحصار ہے۔

امراء ملک کے خوشحال ترین لوگ ہیں اور ان کی رنگت بالکل سفید ہے۔ ان کے مقابلے میں متوسط طبقے کے لوگوں اور کسانوں کا رنگ ذرا گہرا ہے۔ جسے گندمی کہنا مناسب ہوگا لیکن وہ افریقہ کے اصلی باشندوں سے بالکل مختلف ہیں۔ نہ تو ان میں افریقہ کے باشندوں کے سے رسم و رواج پائے جاتے ہیں اور نہ ان کے عادات و اطوار۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زرد و بیندی لوگ افریقہ کے اصلی باشندے نہیں تو یہاں کہاں سے آگئے۔ اس سوال کا جواب میں باوجود کوشش کے نہ پا سکا۔ حتیٰ کہ ان صدیوں پرانے ملفوظات سے بھی جو زرد و بیندی میں موجود ہیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ایک پرانے روزنامچہ یا تاریخ میں صرف اس قدر مرقوم ہے کہ کئی ہزار سال پہلے سفید فاموں کا ایک قافلہ اس طرف سے گزر رہا تھا۔ قافلہ کے چند لوگ اسی جگہ بس گئے اور قافلہ آگے بڑھ گیا لیکن یہ روایت بہت ضعیف ہے اور اس پر کسی صورت اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ زرد و بیندی لوگوں کی اصلیت وقت کی دھند میں روپوش ہے اور اسے کوئی نہیں پا سکتا۔ ہاں عمارات میں مصر قدیم کے فن تعمیر کی

جھلک پائی جاتی ہے لیکن اس سے بھی کوئی ظاہر نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے فن تعمیر صرف آٹھ سو سال پرانا ہو اور اس پر مصر قدیم کا اثر ہونا ایک اتفاقی امر ہو۔ پھر زورو بندی لوگوں کے خط و خال اور ان کے عادات و اطوار بہت کچھ یہودیوں سے ملتے جلتے ہیں لیکن اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ لوگ نسلاً یہودی ہیں اگر واقعی یہ لوگ نسلاً یہودی ہیں تو پھر یہ بات قرین قیاس نہیں کہ انہوں نے اتنی جلد اپنے مذہب کو بھلا دیا ہو۔ ان تمام باتوں کے بعد اگر قارئین کسی نتیجہ پر پہنچ سکے ہوں تو خیر ورنہ ان لوگوں کے بارے میں میرا اپنا بھی ایک نظریہ ہے جسے میں یہاں پیش کیے دیتا ہوں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ آپ خواہ مخواہ اسے تسلیم کریں۔

افریقہ کے مشرقی ساحل پر میری ملاقات چند عربوں سے ہوئی تھی انہوں نے مجھ سے ایک روایت بیان کی کہ دو ہزار سال قبل فارس میں کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی اور پارسیوں کا ایک بہت بڑا گروہ اپنے وطن سے چل کر بحیرہ عرب کے ساحل پر آیا اور پھر کسی اور طرف کے ارادے سے وہاں روانہ ہوا لیکن باد مخالف نے انہیں افریقہ پہنچا دیا۔ افریقہ میں بقول عربوں کے "ان لوگوں کی مڈبھیڑ عربوں کے ایک جتھے سے ہو گئی" یہ عرب تاجر تھے اور افریقہ کے ساحل پر نوآبادی قائم کر رہے تھے۔ ایک مدت تک عربوں اور پارسیوں میں جھڑپیں ہوتی رہیں آخرکار آتش پرست تنگ آ کر افریقہ کے قلب کی طرف نکل گئے۔ تب سے لے کر آج تک پھر ان کا کوئی پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے اور ان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ زورو بندی لوگ انہی پارسیوں کی نسل سے ہوں جو عربوں کے خوف سے فرار ہو گئے تھے اور پھر اپنے تمدن کا

رنگ ڈھنگ اور طور طریقے پارسیوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ میرے پاس کوئی ایسی کتاب موجود نہیں کہ میں اپنی اس دلیل کا حوالہ دے سکوں۔ لیکن ریزی کا کہنا ہے کہ اگر ان کا حافظہ دھوکا نہیں دیتا تو انہوں نے کسی کتاب میں یہ ضرور پڑھا تھا کہ فارس کے کسی حصہ میں پانچ سو سال قبل مسیح ایک انقلاب آیا تھا جس کے سبب فارس کے بہت سے لوگ اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر کسی طرف چلے گئے تھے۔ بہرحال یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ماقبل تاریخ سے لے کر گزشتہ سات آٹھ سو سال تک پارسیوں کی ایک بہت بڑی تعداد خلیج فارس سے افریقہ کے ساحل کا رخ کرتی رہی ہے۔ یہ پارسی یا تو تاجر ہوتے تھے یا کسی انقلاب کے ستائے ہوئے۔ ساحل مشرق کے [illegible] نامی ایک مقام پر فارسی معبدوں کے آثار اب تک موجود ہیں چنانچہ میں قدرے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ زرودینڈا کے لوگ پارسی ہی ہیں۔ بہرحال یہ میری اپنی رائے ہے۔ حقیقت کی خبر خدا جانے۔

زرودینڈا کے لوگ زیادہ تر کاشتکار ہیں اس لیے بے حد امن پسند واقع ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ قدرت خود اس خوبصورت ملک کی حفاظت کر رہی ہے۔ زرودینڈا کے چاروں طرف ناقابل عبور پہاڑ اور جنگلات واقع ہیں جن کی وجہ سے نہ تو یہ لوگ اور ممالک کی تلاش میں نکل سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور ان پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ البتہ خانہ جنگی کی وجہ سے یہ ملک بھی محفوظ نہیں بڑی بڑی معرکہ کی خانہ جنگیاں ہوتی ہیں اور زرودینڈی لوگ دیوانی بلیوں کی طرح آپس میں ہی ایک دوسرے کو نوچنے کھسوٹنے لگتے ہیں۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ ملک کی آبادی بڑھنے نہیں پاتی اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ خانہ جنگیوں میں الجھے رہنے کے سبب امراء اور عوام اتنی قوت حاصل نہیں

کہ پانے کہ حکومت کا تختہ الٹنے کا خواب دیکھیں چنانچہ اس ملک میں صدیوں سے شہنشاہیت چلی آ رہی ہے اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن بادشاہ نام ہی کا ہوتا ہے ورنہ حکومت کے تمام شعبوں پر معبد کے پجاری اور امراء چھائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی من مانی کرتے ہیں اور بادشاہ کان تک نہیں ہلا سکتا اگر بادشاہ کو کوئی حکم جاری کرنا ہو یا کوئی نیا قانون رائج کرنا ہو تو اس کا حکم یا قانون معبد کے پجاریوں اور امرا کی مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور وہ اس میں ضروری رد و بدل کرنے کے بعد رائج کرتے ہیں۔ ملک کا نظام جاگیردارانہ ہے غلامی کا ہرچند کہ کہیں نام و نشان نہیں پھر بھی کئی امراء خود مختار ہو چکے ہیں لیکن ان کا تعلق مرکزی حکومت سے بدستور قائم ہے لیکن اپنی جاگیر میں ان کا سکہ رائج ہے۔ وہ مجرموں کو سزا بھی دے سکتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اپنی ہی مرضی سے صلح کر لیتے ہیں حکومت ان کے معاملات میں دخل نہیں دیتی۔

زدوبندی میں بھی بادشاہ گر موجود ہیں اور پچھلے آٹھ ہزار سال کے درمیان آٹھ تک نئے سلسلے کے بادشاہ زدوبندی کے تخت پر بیٹھ چکے ہیں۔ ہر سلسلہ کا پہلا بادشاہ کوئی سرکاری عہدے دار یا امراء میں سے ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے تخت و تاج پر قابض ہو جاتا تھا۔ جب ہم زدوبندی میں آئے ہیں تو ملک میں ہر طرف امن قائم تھا۔ خانہ جنگیاں ختم ہو چکی تھیں۔ شاہ مرحوم یعنی نلیتھا اور سوریتیس کا باپ بڑے جلال اور دبدبے کا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی خداداد قابلیت سے امراء اور پجاریوں کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ ہمارے زدوبندی پہنچنے سے دو ہی سال قبل اس بادشاہ کا انتقال ہوا تھا۔ اصولی طور پر بادشاہ کی موت کے بعد دونوں بہنوں میں سے کسی ایک کو تخت و تاج ملنا چاہیے تھا لیکن اس صورت میں کبھی ختم نہ ہونے والی خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

چنانچہ دو بہنیں بہ یک وقت تخت و تاج کی وارث قرار دی گئیں لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اقدام غیر اطمینان بخش ہے اور جلد یا بدیر اس کے برے نتائج ضرور برآمد ہوں گے جب دونوں بہنیں تخت نشین ہوئیں تو امرا نے دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی زوجیت میں لینے کے لیے سازشوں کے جال پھیلا دیے اور ملک میں اس سرے سے اس سرے تک ایک عام پریشانی اور ابتری کی لہر دوڑ گئی۔ اور لوگ اس خیال سے دہشت زدہ رہنے لگے کہ امرا کی چالبازیاں ایک روز ضرور رنگ لائیں گی اور ملک کے طول و عرض میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔

جب ہم یہاں پہونچے ہیں تو ملک اسی انتشار کے دور سے گزر رہا تھا۔

اب میں زرد رینڈی لوگوں کے مذہب کے بارے میں کچھ کہوں گا جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں وہ لوگ سورج پرست تھے گہوارے سے لے کر قبر کے تاریک گڑھے میں دفن ہونے تک ہر شخص سورج دیوتا کی پوجا کیا کرتا۔ اس ایک مذہب کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں کسی اور مذہب کا پتہ نہیں تھا۔

جب کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے لے کر معبد میں حاضر ہوتا ہے۔ پجاری بچہ کو قربان گاہ پر رکھ دیتے ہیں اور جب سورج کی کرنیں معبد کی چھت میں بنے ہوئے سوراخوں سے گزر کر بچہ پر پڑتی ہیں تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ سورج دیوتا نے اس کی روح کو پاک و صاف کر کے اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ بچہ جب گھٹنیاں چلنے لگتا ہے تو والدین بلا ناغہ دن میں دو بار سورج کے طلوع و غروب کا نظارہ دکھاتے ہیں اور یہ بات اس کے ذہن نشین کر دیتے ہیں کہ یہی اس کا خدا ہے جس کی پرستش کرو اور اسی سے مرادیں مانگو۔ چنانچہ بچہ دن میں دو بار سورج کے سامنے سر جھکاتا ہے اور جب وہ بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو ماں کا دامن پکڑے مقامی معبد میں پوجا

کے لئے جاتا ہے اور جب سورج کی کرنیں معبد میں جلتی ہوئی آگ پر گرتی ہیں تو تمام لوگ سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ بچہ یہ دیکھتا ہے اور پھر وہ بھی سجدے میں گر جاتا ہے۔ پھر وہ پجاریوں کے گیت سنتا ہے جو سورج کی دیوتائی بڑائی اور اس کی لافانی قوتیں بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد جنگل جلا اٹھتے ہیں اور قربان گاہ کے قدموں میں بنی ہوئی بھٹی سے شعلے بلند ہوتے ہیں اور قربانی کے جانوروں کو زندہ اس بھٹی میں جھونک دیا جاتا ہے۔ بچہ یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر ایک دن وہ آتا ہے کہ وہی بچہ اس مندر میں آتا ہے اور پجاری چند رسومات کے بعد فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ "بالغ" ہے۔ پھر وہ اپنی دلہن کا ہاتھ تھامے اسی قربان گاہ کے سامنے آتا ہے اور اسے اپنی زوجیت میں لینا قبول کرتا ہے اور اگر دونوں میں نبھتی نہیں تو وہ اسی قربان گاہ کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے۔

زندگی یونہی منازل طے کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آخری منزل بھی آ پہونچتی ہے اور ایک بار پھر وہ اس معبد میں حاضر ہوتا ہے بلکہ یوں کہئے کہ لایا جاتا ہے۔ وہی بچہ جو اس معبد میں اپنی ماں کا دامن پکڑے داخل ہوا تھا لوگوں کے کندھوں پر چڑھ کر آخری بار معبد میں آتا ہے۔ اس کی کمر خمیدہ ہوتی ہے۔ چہرے پر جھریوں کا جال ہوتا ہے۔ بال برف ایسے سفید ہوتے ہیں اور جسم بے جان۔ پھر کئی ایک مذہبی رسومات ادا ہوتی ہیں اور تب مندر کے پجاری فتویٰ دیتے ہیں کہ واقعی وہ مر چکا۔ پھر اس کے تابوت کو اس قربان گاہ پر رکھ دیا جاتا ہے جس کے قدموں میں بھٹی روشن ہوتی ہے۔ اس بھٹی اور قربان گاہ پر دن کے ایک خاص وقت میں سورج کی شعاعیں ضرور پڑتی ہیں۔ سورج کی شعاعیں چھت کے سوراخوں سے گزر کر قربان گاہ اور اس پر رکھے ہوئے

تابوت کو روشن کر دیتی ہیں۔ پھر مخصوص کلموں کو دہرایا۔ یا [illegible] کھینچا جاتا ہے۔ وہاں ناگاہ پر کا تختہ سرک جاتا ہے اور تابوت نیچے بھٹی میں جا پڑتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے شعلے اسے نگل لیتے ہیں اور یہ اس بچہ کا انجام ہوتا ہے جو کبھی اپنی ماں کا دامن پکڑے اس معبد میں آیا تھا اور اپنی توتلی زبان میں سورج دیوتا کی عظمت کے گیت گاتا رہتا تھا۔

معبد کے پجاری شادی نہیں کرتے بلکہ نوجوانوں کی ایک پوری جماعت ہر وقت ان کی خدمت کے لیے موجود رہتی ہے۔ ان نوجوانوں کو ان کے والدین معبد کے نام وقف کر دیتے ہیں اور ان کی سرپرستی حکومت کرتی ہے۔ پیشوا کی نامزدگی حکومت کرتی ہے لیکن جب کوئی شخص اس عہدے پر پہنچ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے برطرف نہیں کر سکتی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پیشوائے اعظم صحیح معنوں میں تمام ملک پر حکومت کرتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اختیارات بہت وسیع ہوتے ہیں۔ مالی، فوجداری اور معاشرتی مقدمات پر پیشوائے اعظم کا فیصلہ ہی آخر ہوتا ہے۔ ملک میں ہزاروں معبد ہیں اور ہر معبد میں ان گنت پجاری۔ یہ تمام معبد اور اس کے پجاری پیشوائے اعظم کے ماتحت ہوتے ہیں جو "ریگون" کے نام سے پکارا جاتا ہے اور ملیوسس کے سب سے بڑے معبد میں مقیم ہوتا ہے۔

اگر کسی کو فریاد کرنی ہوتی ہے تو وہ مقامی معبد کے اعلیٰ پجاری کو تحریر کر کے دے دیتا ہے۔ پجاری اسے شہر کے گورنر تک پہنچاتا ہے وہاں سے بادشاہ وقت کے حضور آتی ہے اور بادشاہ اسے پیشوائے اعظم کے حضور پیش کر دیتا ہے اور ریگون جیسا مناسب سمجھتا ہے ویسا فیصلہ دیتا ہے۔ کسی کو ذات باہر کر دینا یا کلیسائی حقوق سے محروم کر دینا بھی ریگون کے اختیار میں ہے۔

اور جس ملک میں صرف ایک ہی مذہب ہو۔ وہاں یہ ہتھیار بڑا کارگر ثابت ہوتا ہے۔ سورج دیوتا کے پجاریوں کے اختیارات جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں بہت وسیع ہوتے ہیں لیکن ان پجاریوں کی شرافت کہیے یا ان کا دور اندیشی کہ وہ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ان کو خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عوام ان کے مظالم سے تنگ آ کر ان کے خلاف اٹھ جائیں اور اپنی گردن سے وہ طوق اتار پھینکیں جو انھوں نے مذہب کا نام لے کر ان کی گردن میں ڈال رکھے ہیں۔

لوگوں کے دلوں پر ان کے اثر کا دوسرا سبب ہے۔ ان کا علم اور نجوم میں دسترس۔ اپنے اس علم کا سہارا لیکر وہ عجیب و غریب پیشین گوئیاں کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں پر اپنا سکہ بٹھانے ہیں۔ زرد و بندی میں تعلیم عام نہیں ہوئی ہے بس گنتی کے ہی لوگ پڑھنا جانتے ہیں اس لیے عام لوگوں کے دلوں پر ان کا رعب قائم ہو جاتا ہے اور وہ پجاریوں کے سامنے احترام سے گردنیں جھکا دیتے ہیں کہ یہ لوگ عالم و فاضل ہیں۔

حکومت کے قوانین بڑے معقول اور ایک حد تک بڑے نرم ہیں لیکن کئی ایک ہماری مہذب دنیا کے قوانین سے مختلف ہیں۔ مثلاً ہماری دنیا میں جائیداد وغیرہ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اگر ایک شخص کسی کی جائیداد غصب کرے تو اسے سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے لیکن اگر وہی شخص اپنی بیوی کو مارتے مارتے ادھ موا کر دے یا اپنے بچوں کی طرف خود غرضی کے پیش نظر کوئی دھیان نہ دے تو حکومت اس کی طرف دھیان نہیں دیتی اور اگر دیتی بھی ہے تو بہت کم۔ زرد و بندی میں یہ بات نہیں غلط یا صحیح طور پر یہ لوگ جائیداد کی بہ نسبت انسان اور اس کے مسائب

کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہیں۔ یہاں دولت اور جائداد کی کوئی اہمیت نہیں۔ لوگ اس کی خاطر آپس میں خون خرابہ نہیں کرتے۔

یہاں قاتل اور غدار کی سزا موت ہے۔ یتیموں اور بیواؤں کی حق تلفی، مذہبی شخصیات کی بے حرمتی (اور ملک چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے کہیں جانے کا ارادہ کرنا جو بے حرمتی کے مترادف گنا جاتا ہے) وغیرہ جرموں کی سزا ایک جیسی اور قدرے ظالمانہ ہے۔ مجرم کو مذہبی قربان گاہوں میں سے کسی ایک کے نیچے جلتی ہوئی بھٹی میں پھینک دیا جاتا ہے۔ دوسرے خلاف قانون کاموں کے لئے جس میں سستی اور کاہلی کا جرم بھی شامل ہے بڑی دلچسپ سزا دی جاتی ہے۔ مجرم کو کسی زیر تعمیر سرکاری عمارت پر (سرکاری عمارتیں ملک کے کسی نہ کسی حصے میں ہر وقت بنتی رہتی ہیں) مزدوری کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر اس کا جرم معمولی ہو تو اسے اجرت بھی ملتی ہے۔ ورنہ وہ مفت ہی کڑی سے کڑی محنت کرتا ہے جب تک کہ اس کی معیاد پوری نہیں ہو جاتی ہے یا پھر عمارت تیار ہو جاتی ہے۔

ازدواجی زندگی میں عام طور سے ہر شخص کثیر الازدواج ہوتا ہے لیکن نچلے طبقہ میں زیادہ تر لوگ صرف ایک ہی بیوی پہ قناعت کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کی کئی بیویاں ہوں تو قانونی طور پر اسے ہر بیوی کو ایک علیحدہ مکان دینا پڑتا ہے۔ پہلی بیوی "اصلی بیوی" ہوتی ہے اور اس سے جو اولاد ہوتی ہے باپ سے اور دوسری بیویوں کی اولاد ماں سے منسوب کی جاتی ہے لیکن اس سے بچوں یا ان کی ماؤں کی شرافت اور اعلیٰ نسبی پر کوئی داغ نہیں آتا۔ پہلی بیوی اگر چاہے تو نکاح خوانی کے وقت اپنے شوہر کے سامنے یہ شرط پیش کر سکتی ہے کہ وہ اس کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا۔

لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کیونکہ زوونیدی کی عورتیں خود چاہتی ہیں کہ
انکے شوہر دوسری شادیاں کریں کیونکہ ان سے پہلی بیوی کی اہمیت بڑھ جاتی ہے
اور اسے ایک چھوٹا موٹا راج مل جاتا ہے۔ شوہر کی دوسری بیویوں اور
بچوں پر پہلی بیوی کا حکم چلتا ہے اور وہ تمام کی تمام اس کے اختیار میں
ہوتی ہیں۔ شادی کو ایک اہم ترین سماجی رشتہ تسلیم کیا جاتا ہے اور زیادہ
سے زیادہ بچے پیدا کرنے پر زور دیا جاتا ہے جس کے جتنے زیادہ بچے
ہوں گے اتنی ہی اس کی عزت ہوگی۔

اگر میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں تو وہ باہم متفق ہو کر طلاق
حاصل کر سکتے ہیں۔ طلاق کی تقریب بھی بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے
دونوں کی شادی کی تمام رسومات ایک بار پھر ادا کرنی پڑتی ہیں اور پھر پجاری اعلان
کر دیتا ہے کہ طلاق ہو گئی۔

زوونیدی لوگ سادہ لوح، خوش مزاج، رحم دل اور مہمان نواز ہوتے
ہیں۔ نہ تو یہ لوگ بڑے تاجر ہیں اور نہ ہی انھیں دولت کی ہوس ہے۔
ہر شخص اتنی ہی دولت پر قانع ہوتا ہے جس سے اپنی بیوی بچوں کا
پیٹ پال سکے۔ اس لئے یہاں کوئی کنجوس نہیں اور نہ ہی کوئی دولت جمع
کرتا ہے۔ یہ لوگ بے حد قدامت پسند واقع ہوئے ہیں اور اپنی رسومات
اور لباس وغیرہ میں کوئی تبدیلی گوارا نہیں کر سکتے۔

بڑے سکوں میں چاندی کے مختلف وزن کے مربع ٹکڑے ہوتے ہیں۔
اور چھوٹے سکے سونے کے ہوتے ہیں کیونکہ سونا یہاں بافراط ملتا ہے لیکن
سونے سے ناانصافی نہیں کی جاتی اس سے لاتعداد زیورات بنائے جاتے
ہیں اور سچ پوچھئے تو یہاں کی عورتوں کے حسین اور متناسب جسم پر یہ پیلی دھات

بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے سکوں کا استعمال بہت کم ہے زمانہ قدیم کی طرح یہاں بھی بیوپار چیزوں کے رد و بدل سے ہوتا ہے۔ کاشتکاری کے علاوہ یہاں گائے اور گھوڑے کی اعلیٰ نسل پیدا کرنے کی طرف بھی بہت زیادہ دھیان دیا جاتا ہے۔ زرد وینڈی میں ایسے خوبصورت اور مضبوط گھوڑے میری نظر سے گزرے ہیں کہ شاید ہی دنیا کے کسی اور حصہ میں ایسے گھوڑے ہوں۔

ملک کی تمام زمین کی مالک حکومت ہے۔ حکومت کے ماتحت جاگیردار ہیں یہ بڑے کسان اور کسانوں کے ماتحت چھوٹے کاشتکار جو زمین جوتتے بوتے ہیں فصل میں سے نصف حصہ ان کسانوں اور کاشتکاروں کا ہوتا اور نصف جاگیرداروں کا لیکن ملک کی تمام زمین کا مالک براہ راست شہنشاہ ہی ہوتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے اور جب تک چاہتا ہے زمین دیے رہتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس لے کر کسی اور کو دیدیتا ہے۔

ہر شخص کی آمدنی میں سے تیسرا حصہ حکومت کا ہوتا ہے۔ اس کے ایک حصہ میں سے جو بچتا ہے پانچ فی صد حصہ پجاریوں کا ہوتا ہے۔ یہ بڑا ظالمانہ ٹیکس ہے۔ برخلاف اس کے دوسری طرف یوں بھی ہے کہ اچانک کوئی شخص مفلس قلاش ہو جائے تو حکومت اس وقت تک اس کی مالی مدد کرتی رہتی ہے جب تک کہ وہ کچھ پونجی جمع نہیں کر لیتا یا کہیں ملازم نہیں ہو جاتا ہیں اور پر کہیں کہہ چکا ہوں کہ کاہلوں کو سرکاری عمارت پر مزدوری کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے بیوی بچوں کی نگرانی بھی حکومت کرتی ہے۔ شہر کی سڑکیں اور مکانات بھی حکومت ہی تعمیر کراتی ہے اور جب مکانات تیار ہو جاتے ہیں تو ضرورت مندوں کو نہایت کم کرایے پر دے دیے جاتے ہیں۔

حکومت کے ماتحت بیس ہزار سپاہی اور محافظ ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ بچاری عوام کی آمدنی میں سے جو پانچ فیصدی حصہ لیتے ہیں۔ اس کے عوض مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں۔ عبادت کراتے ہیں اور مقدس جانوروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ مدرسے بھی وہی چلاتے ہیں اور بچوں کو وہی تعلیم دیا جاتا ہے۔ جیسے پیشواؤں کو اعظم مناسب قرار دے کئی معبدوں کی جاگیر بھی ہے لیکن ان کے مالک پیشوا نہیں بلکہ حکومت ہے۔

اب وہ سوال درپیش ہے جس کا جواب دینے کے لئے مجھے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے یعنی زرد رو ہندی لوگ تہذیب یافتہ ہیں یا وحشی؟ کبھی تو میں سوچتا ہوں کہ یہ واقعی تہذیب یافتہ ہیں اور کبھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ نہیں یہ لوگ وحشی ہیں۔ کئی ایک فنون لطیفہ میں انھوں نے کافی سے زیادہ ترقی کر لی ہے مثلاً فن تعمیر اور بت سازی کو ہی لیجئے۔ جو خیال الذکر کا مقابلہ دنیا کا کوئی ملک نہیں کر سکتا البتہ فن تعمیر میں مصر قدیم کی جھلک پائی جاتی ہے۔ دوسری طرف یہ لوگ کانچ اور چینی کے برتنوں کے استعمال سے ناواقف تھے ان کے برتن لکڑی کے ہی ہوتے تھے۔ ہنری کو اس فن میں کچھ دسترس حاصل ہے چنانچہ اس نے انھیں کانچ اور چینی کے برتن بنانے سکھا دیئے۔

دھوپ گھڑی ان کی جدید ایجادوں میں سے ہے چنانچہ ہماری مشینی گھڑیوں کو دیکھ کر انھیں بے حد حیرت ہوئی۔ یہ لوگ بجلی، بھاپ اور بارود سے واقف نہیں اور نہ ہی یہاں چھاپہ خانے اور اخبار ہیں چنانچہ ان کی مشکلات بہت کم ہیں۔ لیکن ہم مہذب انسانوں پر کسی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے "جو شخص اپنے دائرہ علم کو جتنا وسیع کرتا ہے اتنا ہی اس کی مشکلات اور فکریں بڑھتی جاتی ہیں۔"

اب رہا ان کے مذہب کا سوال تو ظاہر ہے کہ ان کے پاس علم کی دولت نہیں کہ ہر چیز کو سچائی کی کسوٹی پر پرکھ سکیں۔ چنانچہ وہ سورج کو سامنے نکلتا گئے جو انہیں دنیا کی چیزوں میں سب سے بڑا اور آتشی گولا ہے۔ وہ اسے تمام دنیا اور مخلوق کا باپ سمجھتے ہیں لیکن کچھ ایک لوگوں کے دلوں میں ایسے شکوک گزرتے ہیں کہ سورج تنہا منبع انسان نہیں ہے۔ لیکن ایسے لوگ بھی جلد ان شکوک سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ جس چیز کی حرمت کے قائل ہیں اور جس کی پرستش کرتے ہیں وہ یہی آتشی گولا سورج ہی ہے۔ کوئی اور خدا یا اس کا خیال ان کے دماغ میں جگہ نہیں پا سکتا۔ چند لوگ حیات بعد الموت کے بھی قائل ہیں۔ خاص طور پر لنھا۔

چنانچہ میں کہہ سکتا ہوں کہ متعدد ان لوگ نہ تو سورج کی پرستش کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہر چیز سے اپنے مذہب کے شگون لے سکتے ہیں ان باتوں کی روشنی میں آپ چاہیں تو انہیں مہذب سمجھیں یا وحشی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

اب صرف دو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں یعنی زبان اور ان کا رسم الخط۔ زبان کے بارے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ وہ بے حد شیریں اور لچکدار ہے جو بقول ہنری کے جدید یونانی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ میں ہنری کے قول سے متفق نہیں یونانی زبان کے برخلاف زرد وینڈی زبان کے طول طویل الفاظ کا ذرا سا مطلب ہوتا ہے۔ بعض لفظوں کا تلفظ عربی الفاظ کی طرح ایسا ہے مثلاً ح۔ ط۔ ع۔ غ وغیرہ۔ جیسے زرد وینڈی لوگ بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں۔

ان کے حروف تہجی بقول ہنری کے کسی نامعلوم زمانے سے وجود میں آئے ہیں اور مصر کے قدیم رسم الخط ہیروگرافی سے قدرے مختلف ہیں۔ کچھ حروف انگریزی کی طرح لکھے جاتے ہیں مثلاً O. E. B وغیرہ ان کا رسم الخط بے حد

الجھا ہوا اور پیچیدہ ہے لیکن چونکہ انہیں ناول افسانے اور تنقید وغیرہ نہیں لکھی تو ان کی حرف کاری زیادہ کا احساب رکھنا ہوتا ہے اس لئے یہ الجھا ہوا رسم الخط چل جاتا ہے۔ اس تہجی کی تعداد بائیس ہے جو ان کے مختصر سے کام کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔

تو یہ ہیں زودو مینڈیوں کے بارے میں وہ معلومات جو میں نے مختلف اوقات میں حاصل کیں۔

جب آنکھ کھلی تو میری کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی صبح کے آٹھ بجا رہی تھی۔ مسلسل آٹھ گھنٹے تک میں گہری نیند سوتا رہا اور اب اپنے آپ کو بالکل تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔ نیند بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔ بے پناہ تھکن اور پریشانیوں کے بعد نیند کتنی بڑی مسیحا ثابت ہوتی ہے۔ جب آپ بستر پر جاتے ہیں تو آپ ایک خستہ اور تھکے ہوئے بیکار اور غیر معروف آدمی ہوتے ہیں لیکن جب بیدار ہوتے ہیں تو گویا جون بدل کر آپ نئے آدمی بن گئے ہیں۔

میں اٹھ کر اپنے کوچ پر بیٹھ گیا۔ آج سے پہلے کبھی اور مجھے ایسے نرم گرم بستر پر رات بسر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ دو چار جمائیوں کے بعد سب سے پہلے میری جس چیز پر نظر پڑی۔ وہ گڈ کی یک چشمی عینک تھی جو مخملی لحاف کی سلوٹوں میں سے میری طرف جھانک رہی تھی۔ گڈ تمام کا تمام کوچ میں غرق تھا اور اس کی عینک ڈوبتے جہاز کے مستولوں کی طرح لحاف کے اوپر نظر آ رہی تھی۔ یک چشمی عینک کا جو رات بھر اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی اندازہ

کہہ دیتا تھا کہ گڈ بھی بیدار ہو چکا ہے اور میرے بیدار ہونے کا بڑی دیر سے منتظر ہے۔

"یار کوارٹر مین" مخملی سلوٹوں میں سے گڈ کی آواز ابھری۔ "اس کی شفاف جلد تم نے دیکھی؟ سچ کہنا یار۔ ہاتھی دانت کے برش کی پشت ایسی بے داغ ہے کہ نہیں؟ آئے ہائے۔ کیا جسم ہے۔ کیا حسن ہے۔ کیا جلد ہے۔ ووں۔ ہائے۔ مار ڈالا ظالم نے!"

"دیکھو گڈ" میں گڈ کو ڈانٹ پلانے ہی والا تھا کہ پردوں کے پیچھے سرسراہٹ ہوئی اور چند ثانیوں بعد ہی وہ افسر جو ہماری خدمت پر معمور تھا، پردہ ہٹا کر داخل ہوا۔ اس نے اشاروں سے ہمیں بتایا کہ وہ ہمیں غسل خانے تک لے جانے کے لئے آیا ہے۔ ہم فوراً اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لئے۔ وہ ہمیں لئے ہوئے خوبصورت کمرے میں پہونچا۔ کمرے کے بیچ میں ایک حوض شفاف پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ میں اور گڈ حوض میں پھاند پڑے۔ دیر تک نہانے کے بعد ہم اپنے کمرے میں آگئے اور کپڑے تبدیل کر کے اس کمرے کی طرف چلے جہاں گذشتہ شام ہم نے کھانا کھایا تھا میز پر ناشتہ چنا ہوا تھا۔ اگر میں ان چیزوں کی جو ہمارے ناشتے میں شامل تھیں تفصیل بیان کرنے لگوں تو شاید الجھ جاؤں گا۔

ناشتے سے فراغت پانے کے بعد ہم محل میں گھومنے چل دیئے۔ لیکن اس تمام عرصہ میں یہ خیال برابر پریشان کرتا رہا کہ خدا جانے اب کیا ہونے والا ہے؟ ہمارے دماغوں کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے ان میں گودڑ بھر دیا گیا ہو۔ ان میں کچھ سوچنے سمجھنے کی قوت ہی باقی نہ رہی تھی۔ اب جب دماغ کی حالت ایسی ہو تو محل کی آرائش اور اس کا حسن دل پر کیا خاک

اشارہ تھا؟ چنانچہ ہم یونہی ماؤف دماغ لیے دربار کے کمرے کی سجاوٹ دیکھتے رہے یہاں تک کہ محافظ دستے کا افسر آیا اور ان گنت کورنشوں کے بعد ہمیں اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ ہم نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ہم سمجھ گئے کہ ہمیں رنگوینا کے راہنمے دریائی گھوڑوں والے معاملے کے سلسلے میں پیش کیا جائے گا اور یہ افسر ہمیں اس کے پاس لے جانے کے لیے آیا ہے۔ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے لیکن میرے دل کو اتنی ڈھارس ضرور تھی کہ بلیتھا اور سوراس نے ہماری امداد کا وعدہ کیا ہے اگر وہ چاہیں تو ہماری جان بچانے کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکال سکتی ہیں۔ چنانچہ ہم افسر کے ساتھ بظاہر بڑی بے پروائی سے چل پڑے۔ پانچ منٹ بعد ہم محل کے صدر دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں سے ایک فراخ راستہ سورج دیوتا کے معبد تک جاتا تھا جو محل سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

دروازے کے کواڑ کافی وزنی تھے اور ان پر سونے کے تاروں سے نہایت نفیس بیل بوٹے بنائے گئے تھے۔ دروازے کے باہر پینتالیس (۴۵) فٹ چوڑی خندق پانی سے بھری ہوئی تھی اور اس پر چوبی پل پڑا ہوا تھا۔ جب ہم صدر دروازے کے سامنے پہنچے تو کئی آدمیوں نے زور لگا کر کواڑ ڈھکیلے اور ہم اس میں سے گزرتے ہوئے خندق پر کا پل پار کر کے سڑک پر پہنچ گئے۔ سڑک سو فٹ چوڑی تھی اور اس کے دونوں کناروں پر خوبصورت یک منزلہ عمارتوں کا سلسلہ معبد تک چلا گیا تھا۔ سامنے ٹیکری پر عظیم معبد قائم تھا جس کے سنہرے گنبد پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔

ابھی ہم پوری طرح سے اس منظر کو دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ محل کے دروازے میں سے یکے بعد چار رتھیں جن میں سے ہر ایک میں دو دو

تنومند گھوڑے جتے ہوئے رتھ نکلیں۔ رتھیں جن کے دو پہیے تھے مضبوط لکڑی سے بنائی گئی تھیں اور ایک چوبی ڈنڈا انھیں سہارا دیئے ہوئے تھا۔ ڈنڈے کے دائیں بائیں گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ رتھوں کے زیریں حصے چرمی تھے پہیوں پر ربڑ کے ٹائروں کی جگہ لوہے کی پٹی چڑھی ہوئی تھی یہ رتھ اسپرنگ سے بے نیاز تھے۔ رتھ کے ڈھانچے کی اگلی طرف اور چوبی ڈنڈے پر ایک چوکی سی بنی ہوئی تھی۔ یہ کوچبان کی نشست تھی۔ چوکی کے چاروں طرف آہنی سلاخوں کا ایک پنجرہ سا بنا ہوا تھا۔ شاید اس لئے تھا کہ کبھی جھٹکوں کے باعث ذرا بھی رتھ جب ڈھلک کر نیچے نہ جا پڑیں۔ رتھ کے اندرونی حصے میں تین نشستیں تھیں ایک ایک دائیں بائیں اور ایک دروازے کے سامنے یعنی کوچبان کی پشت کی طرف۔ رتھ زمانہ قدیم کے رتھوں ایسے ہونے کے باوجود بے ڈول اور بدنما نہیں معلوم ہوتے تھے۔

رتھوں میں جتے ہوئے گھوڑے بڑے خوبصورت تھے نہ اتنے تنگڑے کہ بھاگ نہ سکیں اور نہ اتنے لاغر کہ ان کی پسلیاں گنی جا سکیں۔ ان کے پیر اور کھر بے حد مضبوط تھے جن سے ان کی تیز رفتاری کا اندازہ ہوتا تھا۔ بار بار میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ گھوڑوں کی ایسی اعلیٰ نسل کس طرح پیدا کی جاتی ہے یا یہ آئے کہاں سے؟ لیکن افسوس کہ زوونیڈی لوگوں کی تاریخ کی طرح گھوڑوں کی تاریخ بھی پردہ گمنامی میں پوشیدہ ہے

پہلی اور آخری رتھ میں افسر اور عہدے دار بیٹھے ہوئے تھے۔ بیچ میں دو رتھیں خالی تھیں۔ اگلی رتھ میں تو میں اور الیفو جیسے جا بیٹھے اور پچھلی میں ہنری، آگڈ اور املو پوگاس۔ ہمارے بیٹھتے ہی رتھ ہوا کی سی تیزی سے چل پڑے۔ زوونیڈی میں عام طور سے ہر شخص چاہے وہ گھوڑے پر

سوار ہو جاتے ہیں۔ یہ ہماری عادت ہے اور جب سفر ایک دو میل کا ہو تو
گھوڑے کی لگامیں بالکل ہی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی ہیں۔

جیسے ہی ہم [illegible] ہوئے گاڑی بان نے چلا کر کچھ کہا اور گھوڑے
ذرا سا ٹھٹکا اور [illegible] گھوڑے نے دو چار بار گردن ہلائی اور پھر اس تیزی
سے گھوڑے [illegible] گھسیٹتے ہوئے بھاگے کہ میرے تو ہوش [illegible] گاڑی
الٹ جانے کا خطرہ لگا رہتا۔ ایلیفونسے کی حالت ناقابل دید تھی۔
وہ گاڑی کے ایک کونے میں (جسے [illegible] شیطانی چکر کا نام دیا تھا)
دبک گیا جیسے بچہ کسی چیز سے ڈر کر [illegible] ماں کی آغوش میں دبک جاتا ہے
سمجھ رہا تھا کہ اس کی آخری گھڑی آپہنچی اور پل بھر میں [illegible]
اس کا [illegible] بنا دے گی۔ کچھ دیر تک وہ یوں ہی سہما بیٹھا رہا [illegible]
[illegible] مجھ سے پوچھے کہ ہم آخر جا کہاں رہے ہیں۔ کہیں [illegible]
[illegible] رہے؟ اور جب میں نے اسے بتایا کہ یہ لوگ ہمیں [illegible]
جا رہے ہیں تاکہ ہمیں زندہ آگ میں جلا کر سورج دیوتا کی خوشنودی
حاصل کریں تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ آنکھیں پھیل گئیں اور اس
زور سے چیخا کہ کوچبان بھی پلٹ کر ہماری طرف دیکھنے پر مجبور ہو گیا
میں نے ایلیفونسے کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز
کون سنتا ہے۔ ایلیفونسے ضدی بچے کی طرح مسلسل چلا رہا تھا میں نے گھبرا کر
کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

لیکن کوچبان نے ایلیفونسے کی چیخوں کی پروا نہ کرتے ہوئے گھوڑوں
کو چابک رسید کیا اور اب وہ اس تیز رفتاری سے بھاگے کہ ہوا میرے
کانوں کے قریب سیٹیاں بجانے لگی ایلیفونسے کی چیخیں دفعتہ تھم گئیں اور وہ

مندر کی طرح سلاخیں پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اب ہمارے سامنے وہ عظیم معبد تھا جس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی تھی۔ ملک کی بے پناہ دولت لوگوں کی انتھک محنت اور کئی پشتوں کی کوششوں کے بعد آج سے کوئی پچاس سال پہلے سورج دیوتا کا وہ مندر تیار ہوا تھا اور صحیح معنوں میں زود وینڈا لوگوں کی محنت اور اعتقاد کا نہایت خوبصورت اور پائیدار ثمر تھا۔ ملک میں جتنی چیزیں حاصل کی جاسکتی تھیں وہ تمام کی تمام اس کی تعمیر میں استعمال کی گئی تھیں اور اب یہ مندر تمام چیزوں یعنی سنگِ مرمر، سونا چاندی وغیرہ کو اپنے میں سمیٹے زود وینڈا لوگوں کو اپنی محنتوں پر فخر کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ دنیا میں کئی معبد میلوسس کے معبد سے بڑے ہوں گے لیکن جو شان جو حسن اور جو دلپذیری افریقہ کے دور افتادہ خطے میں بنے ہوئے اس مندر میں تھی وہ دنیا کے کسی اور معبد میں نہیں پائی جاتی۔

معبد کے چاروں طرف آٹھ ایکڑ زمین میں نہایت خوبصورت باغ لگا ہوا تھا۔ معبد سورج مکھی کے پھول کی شکل پہ بنایا گیا تھا۔ درمیانی کمرے پر سنہرا گنبد قائم تھا۔ جو پھول کے اس حصہ ایسا تھا جس میں پنکھڑیاں لگی رہتی ہیں۔ گنبد سے بارہ کمرے پنکھڑیوں جیسے نکلے ہوئے تھے اور ہر کمرہ سال کے ہر ایک مہینہ سے منسوب تھا۔ ان تمام کمروں میں ان پیشواؤں کے مجسمے تھے جو کبھی ریگون کے عہدے پر فائز تھے۔ گنبد کا محیط (نچلے حصہ میں) تین سو فٹ بلندی چار سو فٹ اور اس کی پنکھڑیوں کی لمبائی ڈیڑھ سو اور بلندی تیو سو فٹ تھی۔ کمرے گنبد سے یوں مل جاتے تھے جیسے سورج مکھی کی پنکھڑیاں اس کے درمیانی جگہ سے ملی ہوئی ہوتی ہیں (یہ معبد کی اندرونی پیمائش ہے)

معبد کی عمارت تمام تر سنگ مرمر سے بنائی گئی تھی۔ گنبد اور اس کی پنکھڑیوں کے بیرونی حصہ پر سونے کے نفیس پتر چڑھے ہوئے تھے۔ پنکھڑی نما کمروں کی چھت پر سفید سنگ مرمر کا ایک مجسمہ نصب تھا جو ہاتھ میں بگل لیے کھڑا تھا۔ جب سورج کی شعاعیں گنبدوں اور اس کی پنکھڑیوں پر پڑتی ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سنگ مرمر کے پہاڑ پر آگ لگ گئی ہو۔ گنبد کی یہ چمک دسیوں میل دور سے نظر آتی ہے۔

سحر انگیز نظارہ ہوتا ہے وہ معبد کی مرمریں دیواروں کے چاروں طرف ڈیڑھ سو فٹ کے محیط میں سورج مکھی کے تختے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور تمام باغ میں رنگ برنگے پھول قمقموں ایسے معلوم ہوتے ہیں۔

آئیے اب میں آپ کو معبد میں لے چلوں۔

معبد میں داخل ہونے کے لئے دروازے ہیں۔ ہم شمالی دروازے سے داخل ہوتے ہیں جو پنکھڑی نما کمرے کے سرے پر واقع ہے۔ پہلا دروازہ برنجی ہے اسے پار کرتے ہیں تو سنگ مرمر کا دروازہ آتا ہے جس پر سونے کے تاروں سے نقاشی کی گئی ہے اور وہ دولہا کی طرح سجا بنا کھڑا ہے۔ اس سے گزر گئے اور اب آپ ایک چھبیس فٹ موٹی دیوار کے سامنے کھڑے ہو گئے ہیں۔ اس دیوار میں بغیر کواڑوں کا ایک چوکور دروازہ ہے جس پر مخملیں پردے لٹک رہے ہیں۔ اس دروازے سے گزر کر آپ لمبی تنگ گلی میں جا پہنچتے ہیں اور جب اسے عبور کر لیتے ہیں تو اپنے آپ کو گنبد کے نیچے پاتے ہیں اور یہاں آپ ایسے منظر سے دوچار ہوتے ہیں جس کا تصور میں آنا بھی محال ہے۔

کمرے کے بیچ میں ایک قربان گاہ بنی ہوئی ہے جس پر حسب معمول

سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں۔ اس قربان گاہ کے دائیں بائیں بھی دو قربان
گاہیں ہیں لیکن درمیانی قربان سے نسبتاً چھوٹی۔ آپ کے سر پر سفید گنبد ہے
سفید اس لیے کہ اس کے اندرونی حصہ پر سونے کے پتر چڑھے نہیں ہیں) اور
اس گنبد کے ان دیکھے سوراخوں سے سورج کی شعاعیں گذر کر قربان گاہ کو
روشن کر رہی ہیں گنبد تلے اتنی گہری خاموشی ہے کہ اگر سوئی پھینکی جائے
تو اس کا چھنا کا سنائی دے جائے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی دل پر ایک
ہیبت سی طاری ہو جاتی ہے۔ گہری خاموشی اور ہلکی ہلکی دھیمی کسی کے
رونگٹے بالکل کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔

کمرے کی خاموشی سے خائف ہو کر آپ درمیانی قربان گاہ کی طرف
گھومتے ہیں جس کے بیچ میں آگ جل رہی ہے جسے آپ دیکھ نہیں سکتے
لیکن دودھیا دھواں ہلکے سے بادل کی طرح قربان گاہ پر چھایا ہوا ہے میں
نے ابھی کہا کہ آگ کو آپ دیکھ نہیں سکتے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قربان گاہ کے
بیچ میں سورج مکھی کی شکل کا اور سونے کا ایک ڈھکن لگا ہوا ہے جو لا
میں آٹھ فٹ اور موٹائی میں چار فٹ ہے یہاں بھی سورج مکھی کی چاروں
طرف پنکھڑیاں ہیں جو قربان گاہ کے نیچے جلتی ہوئی بھٹی کو ڈھانکے رہتی
ہیں لیکن جب سورج کی شعاعیں گنبد کے ان دیکھے سوراخوں سے گزر کر
درمیانی قربان گاہ پر پڑتی ہیں تو پنکھڑیاں خود بخود بند ہو جاتی ہیں
بالکل ایسے ہی جیسے کہ خزانی موسم میں کنول اپنی پنکھڑیوں کو سمیٹ لیتا
ہے۔ یہ کس طرح سے ہوتا ہے؟ سورج کی شعاعوں کے ساتھ ان سنہری
پنکھڑیوں کے کھلنے اور بند ہونے کا کیا راز ہے؟ یہ آج تک میں
نہ جان سکا۔

صرف یہی نہیں بلکہ آپ کو حیرت زدہ کر دینے کے لیے اس معبد میں اور بھی کچھ چیزیں ہیں۔ اس متبرک کمرے کے انتہائی سرے پر دو سنہرے فرشتے کھڑے ہوئے ہیں۔ فرشتے کیا ہیں انتہائی خوبصورت دوشیزائیں ہیں جن کے پہلو پر نازک نازک پر لگے ہوئے ہیں۔ وہاں کے لوگ ان دوشیزاؤں کو فرشتے کہتے ہیں لیکن ہم انھیں پریاں کہہ سکتے ہیں۔ ان کا جسم سونے کا ہے۔ دونوں فرشتے نیم دائرہ بنائے کھڑے ہیں۔ ان کے لبوں پر ملکوتی تبسم کھیل رہا ہے اور وہ نہایت ادب سے سر جھکائے گویا سورج دیوتا کی حمد و ثنا میں مصروف ہیں۔

اس کمرے کی اب صرف ایک چیز تشریح طلب رہ گئی ہے یعنی کمرے کا مشرقی فرش۔ یہ فرش خالص پیتل کا ہے اور درمیانی قربان گاہ کے بالکل سامنے ہے۔

مشرق اور مغربی قربان گاہوں پر چین کی شکل بنی ہوئی ہے۔ درمیانی قربان گاہ بھی پُراسرار طور۔ یہ کھلنے اور بند ہونے والی پنکھڑیاں نہیں ہیں لیکن ان پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں اور مقدس آگ ان پر بھی روشن ہے۔ قربان گاہوں کی پشت کی طرف جو دیوار ہے۔ اس پر دو سنہری شعاعیں بنی ہوئی ہیں جو چھت تک چلی گئی ہیں لیکن جہاں تیسری شعاع ہونی چاہیے تھی وہاں دیوار میں ایک روشن دان بنا ہوا ہے۔ اس روشندان سے صبح کی پہلی کرن معبد میں اتر آتی ہے۔ وہ مشرقی قربان گاہ سے گزرتی ہوئی درمیانی قربان گاہ پر پڑتی ہے۔ سنہرا کنول یکلخت کھل اٹھتا ہے۔ اسی طرح سے سورج کی کرنیں بھی اسی روشن دان سے گزر کر مغربی قربان گاہ پر پڑتی ہے۔ پھر وہاں سے درمیانی قربان گاہ پر کے پھول کو

خلاق ہیں اور پھر غائب ہو جاتی ہیں۔

ان تین قربان گاہوں اور دس مجسموں کے علاوہ کمرے میں کوئی اور سامان نہیں تھا اور اتنا بڑا کمرہ یوں خالی خولی ہونے سے دل پر ایک عجیب اثر کرتا ہے۔

تو یہ ہے اس عظیم معبد کا مختصر سا خاکہ کاش کہ میرے پاس اتنے الفاظ ہوتے کہ میں اس معبد کی تصویر ہو بہو آپ کے سامنے پیش کر سکتا چنانچہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس میں بھی مجھے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور بعض جگہ مجھے احساس ہے کہ میں الجھ گیا ہوں مختصر طور پر بس یوں سمجھئے کہ سنگ مرمر اور سونے کا ایک بہت بڑا سورج مکھی میلوسس کی سرزمین پر کھل اٹھا ہے۔ اس معبد کا میرے دل پر یہ اثر ہوا کہ اس میں داخل ہوتے ہی بے اختیار میرے منھ سے نکل گیا: "اگر بلی بھی یہاں داخل ہو تو کچی عابد و زاہد بن جائے گی۔" ممکن ہے یہ جملہ آپ کو مضحکہ خیز معلوم ہو لیکن اس سے میرے خیالات اور اس معبد کی تاثیر کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ:۔

"آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں"

چنانچہ میں نے بھی جو کچھ دیکھا ہے ہو بہو بیان نہیں کر سکتا۔ اس لئے اب میں معبد کی تفصیل کو چھوڑ کر اصل واقعات کی طرف لوٹتا ہوں۔

معبد کے بڑے دروازے پر سپاہیوں کا ایک دستہ جو رگو ان کے ماتحت تھا۔ ہمارا استقبال کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ جیسے ہی ہم رتھ سے اترے ان سپاہیوں نے آگے بڑھ کر ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ اور ہمیں لئے لئے اس شاہی پگڈنڈی میں داخل ہو گئے جس میں سے ہو کر۔

گنبد والے کمرے میں جاتا ہے۔ یہاں آدھ گھنٹے کے لیے ہمیں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اب ہمارے دل و دماغ پر چھایا ہوا استعجاب اور حیرت زائل ہو چکی تھی اور ہمیں صاف نظر آ رہا تھا کہ ہماری زندگیاں خطرے میں ہیں چنانچہ ہم نے طے کیا کہ اگر ہم پر حملہ کیا گیا تو ہم بھی تشدد سے کام لیں گے اور اپنے آپ کو بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔ اصل میں پجاری کا سردار [illegible] ہمارے خلاف نہایت گستاخانہ کلمات استعمال کر رہا تھا۔ [illegible] نے دیوتا [illegible] بادشاہ [illegible] کی قسمیں کھا کھا کر کہہ رہا تھا کہ وہ اس اجنبی لوگوں کی گردن [illegible] الگ کر کے [illegible] سے اڑا کر دم لے گا۔ جلسہ میں پہلے کہہ چکا ہے کہ [illegible] داخل ہونے کے دو دروازے تھے۔ ایک [illegible] تھا اور دوسرا [illegible] دروازہ [illegible] جس کے [illegible] داخل ہوئے۔ ہم نے [illegible] ملبوسات کی سرسراہٹ اور ہتھیاروں کی جھنکار سنی [illegible] ہمارے دل دھڑک رہے تھے اور یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ ہم پانچ آدمی اتنے بہت سے لوگوں کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟

یہاں یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک دوپہر کو جب سورج کی شعاعیں گنبد کے ان دیکھے سوراخوں سے گزر کر قربان گاہ کو روشن کرتی ہیں تو بگل بجائے جاتے ہیں اور ساتھ ہی سورج دیوتا کے حضور قربانی پیش کی جاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک تگڑا مینڈھا یا بیل آگ میں زندہ جھونک دیا جاتا ہے۔ قربانی البتہ روزانہ پیش کی جاتی ہے لیکن چونکہ زوویندی سطح سمندر سے کافی بلندی پر واقع ہے اس لیے سورج کے طلوع و غروب کے اوقات میں اندھیرا چھایا رہتا ہے [illegible] اس کے ساتھ اتنا قربانی کے اوقات میں بھی بس روز ہی [illegible] وہاں [illegible] جایا گیا تھا اس روز قربانی

ٹھیک بارہ بج کر آٹھ منٹ پر دی جانے والی تھی۔

بارہ بجے ایک پجاری نے داخل ہو کر سپاہیوں کے افسر سے کچھ کہا اور افسر نے اشارے سے ہمیں بتایا کہ متبرک کمرے میں ہمارا انتظار کیا جا رہا ہے۔

"ہنری تیار ہو جاؤ یہ بہت سخت مقابلہ ہے" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں" ہنری کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

"بابا پہاڑ ہے۔ اوفیلیا نے کیا اپنا۔" الفونسے کراہا۔

ہم نے حتی الامکان خوف و ہراس کے اثرات اپنے چہروں سے دور کیے اور آگے بڑھے لیکن الفونسے کی دلی کیفیت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

چند ہی منٹوں بعد ہم متبرک کمرے میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے انسانی سمندر کے روبرو کھڑے ہوئے تھے۔ تمام لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر ان اجنبیوں کو دیکھ رہے تھے جن سے نادانستہ طور پر گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا تھا۔

جیسے ہی ہم کمرے میں داخل ہوئے انسانوں کا بے پناہ ہجوم مکھیوں کی طرح بھن بھنا اٹھا۔ وہ حیرت اور دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور اپنے قریب کھڑے ہوئے ساتھی سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ان کے منہ کھلے ہوئے تھے اور ان کے چہروں سے اشتیاق اور تجسس ٹپک رہا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی لوگوں کے چہروں پر ہلکا سا رنگ دوڑ گیا جیسے کمرے میں شفق کھل رہی ہو۔ یہ اشتیاق کی انتہا تھی۔ انہوں نے دائیں بائیں دب کر ہمارے لیے راستہ بنایا۔ طرح طرح کے فقرے اور آوازیں ہمارے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ ہم ان کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے لیکن دلوں کا اللہ ہی حافظ تھا۔ ہجوم کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے چند ہی ثانیوں بعد ہم درمیانی قربان گاہ کی طرف منہ کیے پیتل کے اس چھوٹے سے

فرش پر کھڑے ہوئے تھے جو پتہ نہیں وہاں کیوں بنایا گیا تھا۔
پریوں یا فرشتوں کے مجسموں کے سامنے تین فٹ کی گولائی میں ریشمی
بندھے ہوئے تھے رسیوں کے اس دائرے کے اندر تو ہم تھے اور
باہر مشتاق ہجوم دائیں بائیں ہاتھوں میں بگل لیے سفید سفید عباؤں میں
ملبوس پجاری کھڑے ہوئے تھے اور ہمارے بالکل سامنے ہمارا دوست
رگیون کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے خباثت اور آنکھوں سے شدید لذت
مترشح تھی اور وہ یوں مسکرا مسکرا کر ہماری طرف دیکھ رہا تھا جیسے ہمارا مسخر
اڑا رہا ہو۔

"بیٹا جی۔ تم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہو؟" رگیون کے چہرے پر جیسے
تحریر تھا۔ مارے غصہ اور نفرت کے میری حالت غیر ہو گئی بس نہیں چلتا
تھا کہ اس مردود کی گردن مروڑ دوں۔ املوپوکا سی بار بار رگیون کی
طرف دیکھتا اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا۔
ہم لوگ پیتل کے فرش پر خاموش کھڑے ہوئے تھے اور حیران تھے کہ
کیا ہونے والا ہے؟ اور ہماری قسمت میں کس طرح سے مرنا لکھا ہے؟
فرش کے نیچے سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے بہت سی ارواح خبیثہ
آہیں بھر رہی ہوں۔ بہت کچھ دماغ لڑانے کے باوجود میں سمجھ نہ سکا
کہ یہ آوازیں کیا بلا ہیں؟ میں نے پر امید نظروں سے چاروں طرف
دیکھا کہ کہیں بلیتھا اور سورائیس نظر آتی ہیں لیکن ہر طرف سے میری
نگاہیں مایوس لوٹ آئیں دونوں بہنوں میں سے ایک کا بھی پتہ نہ تھا۔
لیکن ہمارے بائیں طرف تھوڑی سی جگہ خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ میں نے سمجھ لیا
کہ یہ جگہ ملکاؤں کے لیے مخصوص ہے۔

ہم خاموش کھڑے آنے والے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے تدابیر سوچ رہے تھے۔

دفعتاً کہیں دور سے بگل کی آواز آئی اور مجمع ایک بار پھر بھن بھنا اٹھا۔ بائیں طرف کے دروازے سے ملیتھا اور سورا نیس داخل ہوئیں ان کے پیچھے تین تیجے امراء داخل ہوئے جن کے بیچ میں میں نے بڑی کے رقیب ناستا کو فوراً پہچان لیا۔ ان کے بعد پچاس سپاہیوں کا ایک دستہ جو ہتھیاروں سے لیس تھا داخل ہوا۔ دونوں بہنوں اور ملکاؤں کے اس باڈی گارڈ کے دستے کو دیکھ کر میری کچھ ڈھارس بندھی اور امید کی ہلکی سی شعاع میرے دل میں روشن ہو گئی۔

دونوں بہنیں ہمارے دائیں طرف خالی جگہ پر آ کھڑی ہوئیں ان کے دائیں بائیں امراء کھڑے ہو گئے اور پشت کی طرف محافظ رسالہ۔

بھنبھناتا ہجوم دفعتاً خاموش ہو گیا

میری نظریں ملیتھا پر لگی ہوئی تھیں۔ اس نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے کچھ کہا لیکن میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا اور پھر اپنی نظریں ملیتھا کے حسین چہرے پر گاڑ دیں۔ اس نے آنکھوں سے پہلے تو ہماری طرف اشارہ کیا اور پھر اس کی نگاہیں جھک گئیں اور کچھ دیر تک پنڈال کے فرش کو تکتی رہیں پھر میری طرف دیکھا اور پھر فرش کی طرف اور پھر اس نے اپنے نازک سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ میں پھر بھی اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ یہی عمل اس نے پھر دہرایا اور اب میں کچھ کچھ سمجھنے لگا۔ شاید وہ کہہ رہی تھی کہ پنڈال کے فرش پر کھڑے رہنے سے ہمارے لئے

خطرہ ہے۔ اس نے ایک بار پھر اشارہ کیا اور اب اس کی نظریں پینٹل کے فرش کے کنارے پر کافی دیر تک جمی رہیں اور اس کے چہرے سے خوف و ہراس ٹپکنے لگے۔ اب کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہ تھی۔ یقیناً پینٹل کے فرش پر کھڑے رہنے میں ہمارے لئے خطرہ تھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا کہ اس کا مطلب سمجھ چکا ہوں خیال رہا کہ میری اس حرکت کو کسی نے نہ دیکھا۔ ہنری میرے دائیں طرف اور راسلوپوگاس بائیں طرف کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں سامنے رکھے اور بغیر گردن موڑے پہلے زولو اور پھر انگریزی میں ہنری اور راسلوپوگاس کو آگاہ کیا کہ پینٹل کا فرش خطرناک ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ بڑی آہستگی سے جس سے کسی کو شبہ نہ ہو پیچھے کھسکتے جائیں۔ یہاں تک کہ پینٹل کے فرش پر سے ہٹ کر عام سے فرش پر جا کھڑے ہوں۔ ہنری نے میری بات کٹ اور راسلوپوگاس کو سمجھا دی اور اب ہم نے ایک ساتھ بڑی آہستگی سے ایک ایک انچ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ہماری اس کارروائی کو کسی نے نہ دیکھا سوائے نلیتھا او رمیو راسس کے۔ میں نے نلیتھا کی طرف دیکھا اور اس نے گردن ہلا کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

"بس ٹھیک ہے ہنری۔" میں نے کہا۔ "ملکہ یہی چاہتی ہے۔ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاؤ۔"

اس تمام عرصہ میں رنگیون ہماری طرف پشت کئے کھڑا تھا اس کا منہ قربان گاہ کی طرف تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے شاید دھیان گیان میں مگن تھا۔ دفعتہً اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھا دئے۔

اور نہایت گونجدار اور باثر آواز میں ایک گیت شروع کیا اس وقت تو میں گیت کے بول سمجھ نہ سکا لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ سورج دیوتا کی حمد تھی۔ میں اس گیت کا ترجمہ یہاں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گیت کچھ یوں تھا۔

زمین اور زمین پر کے پانی پر خاموشی طاری تھی۔

گہری خاموشی۔ انڈے پر بیٹھے ہوئے پرندے کی طرح زمین اور اس کی ہر چیز پر مسلط تھی۔

اور پھر اتھاہ تاریکی۔

جس نے زمین کی ہر شئے کو اپنے لبادے میں لپیٹ رکھا تھا۔

ہاں البتہ آسمان پر تارے آنکھیں جھپک جھپک کر۔

آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

لیکن زمین تاریکی کے بوجھ تلے کراہ رہی تھی۔

اور اندھیرا گرج رہا تھا۔

اور تارے اپنی دھندلی روشنی کے ذریعہ زمین کی ڈھارس بندھا رہے تھے۔

لیکن وہ اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔

زمین نے اپنے بازو مشرق کی طرف پھیلا دیئے۔

اور دیکھو افق مشرق پر روشنی نمودار ہوئی۔

زمین نے پر امید ہو کر اس روشنی کو دیکھا۔

وہ مسکرا اٹھی۔

اور پھر اے سورج دیوتا۔ تیرے پیغامبر زمین کی طرف چلے۔

انھوں نے اپنے آتشیں نیزے پھینکے۔
اندھیرے کی طرف
اندھیرے کا جگر چاک ہو گیا۔ اور وہ
شکست کھا کر بھاگا۔

اور اب تیرے پیغامبروں نے آسمان کا رُخ کیا۔
انھوں نے ستاروں کو اپنے نورانی تختوں سے
اٹھا کر پھینک دیا۔
ہاں انھوں نے ننھے ننھے ستاروں کو دوبارہ
تاریکی کی کوکھ میں داخل ہونے پر مجبور کر دیا۔
اور پھر اے دیوتا تو نمودار ہوا۔
اے روشنی کو لے آنے والے آتشی دیوتا۔
آسمان تیری راہ گزر ہے
اور زمین تیری دشمن
جسے تو اپنی آغوش میں لیتا ہے
اور وہ بچے پیدا کرتی ہے۔

رنگیون خاموش ہو گیا۔ کمرے میں گہری خاموشی طاری تھی۔ ہر شخص کی نگاہیں قربان گاہ پر لگی ہوئی تھیں۔ رنگیون گردن جھکائے کھڑا تھا۔ دفعتہً رنگیون نے اپنے ہاتھ گنبد کی طرف اٹھائے اور نہایت رعب دار آواز میں کہا
"اے سورج۔ اے دیوتا۔"
"اپنی قربان گاہ پر رونق افروز ہو۔"
جیسے ہی یہ الفاظ رنگیون نے ادا کیے کہ ہمیں ایک عجیب و غریب منظر

دیکھنے کو ملا۔ گنبد کے سوراخ سے صرف ایک لرزاں کرن کرے کی ہلکی روشنی میں شگاف ڈالتی نیچے اتر آئی۔ قربان گاہ پر کی سنہری پنکھڑیاں جگمگا اٹھیں اور یوں کھل گئیں جیسے وہ کرن کی طابع فرمان ہوں۔

پنکھڑیاں کھلیں اور وہ آگ ظاہر ہوئی جو قربان گاہ کے نیچے ہر وقت جلا کرتی تھی۔ دفعتہ پجاریوں نے بگل اٹھا کر اپنے منہ سے لگائے اور تمام معبد ان کی آواز میں گونج اٹھا۔ ساتھ ہی ہجوم سجدے میں گر گیا اور پھر اٹھ کر سورج دیوتا کی بڑائی کے گیت گانے لگا۔ ان آوازوں سے معبد کے در و دیوار گونجنے لگے۔

اب پنکھڑیاں پوری طور پر کھل چکی تھیں اور ننھا کرن لپکتے ہوئے شعلوں پر ناچ رہی تھی۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ جیسے کرن پانی میں تبدیل ہو گئی۔ جیسے اس نے آگ کو شکست دے دی۔ شعلے مدھم ہوتے چلے گئے۔ لرزے کانپے اور قربان گاہ کی تہہ میں بنے ہوئے سوراخوں میں غرق ہو گئے۔ کرن نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ ایک بار پھر بگل بج اٹھے لیکن اس وقت مدھم سروں میں اور رنگون نے ہاتھ اٹھا کر لرزاں کرن سے کہا۔

"اے سورج۔ اے دیوتا۔"

"ہم تیرے حضور قربانی پیش کرتے ہیں
ہمیں سرخرو کرو۔"

میں نے نلیتھا کی طرف دیکھا۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی اور بار بار بینل کے فرش کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"ہوشیار" میں نے قدرے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اور ابھی یہ الفاظ فضا میں گونج رہے تھے کہ رنگون نے جھک کر

قربان گاہ پر کی گئی چیز کو چھوا۔ خدا جانے کیا ہوا کہ اس کے ایسا کرتے ہی ہجوم نے چہرے پر دیکھا اس کا رنگ شعلے جیسا سرخ ہوا اور پھر ایک دم سے سفید ہو گیا اور پھر ایک گہری آہ۔۔۔۔ جیسے زمین نے سانس لیا ہو پتہ نہیں کہاں سے آگ فضا میں پھیل گئی۔

بلیفا کے چہرے کا رنگ اتر گیا اور اس نے گھبرا کر اپنا خوبصورت چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اسی وقت ہجوم کے سامنے ہماری ... کو اس ... پھر کیا اور وہ گردن ہلا کر پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔ میں ... حیرت سے دیکھ رہا تھا اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دفعتاً ایک گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ہمارے قدموں تلے سے چٹان کا فرش پھٹ گیا اور ایک مخروطی ستون نمودار ہوا جس کے قدموں میں دوزخ کی سی آگ روشن تھی اور شعلے اپنی زبانیں لپکا لپکا کر ہر چیز کو نگل لینے کے لئے بے چین تھے۔ آگ اتنی تیز تھی کہ اگر اس میں ... جا پڑتا تو چشم زدن میں پگھل کر پانی ہو جاتا۔

خوف و دہشت کی چیخوں کے ساتھ ہم سب پیچھے کی طرف کود گئے لیکن ایلفونسے پر سارے خوف کے جیسے فالج گر چکا تھا۔ وہ بت بنا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ وہ آہستہ آہستہ مخروطی ستون پر سے نیچے جلتی ہوئی آگ کی طرف پھسلنے لگا اور اگر بروقت ہنری اسے پکڑ کر باہر گھسیٹ نہ لیتا تو وہ نذر اس بھٹی میں جا پڑتا۔

ہجوم سارے خوف اور ہیبت کے چلا اٹھا اور ... حلقہ بنائے اور ایلفونسے کو اپنے بیچ میں لئے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

ایلفونسے کی عجیب حالت ہو رہی تھی وہ شرابیوں کی طرح ڈگمگا رہا تھا

اور ہماری ٹانگوں کے بیچ میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا ہم اپنے ہاتھوں میں پستول لیئے ہوئے تھے اور تیار تھے کہ کوئی بھی آگے بڑھے اور ہم گولی چلادیں (معبد کی طرف لاتے وقت سپاہیوں نے ہماری بندوقوں کو قاتل ہتھیار سمجھ کر اپنے قبضہ میں کر لیا تھا لیکن چونکہ وہ پستول سے واقف نہ تھے اس لئے وہ ہمارے پاس ہی رہنے دیئے گئے)

اسلوپوگاس جنگی نعرے لگا رہا تھا اور اس کا کلہاڑا "زوں. زوں" ہوا میں گھوم رہا تھا پجاریوں نے جب دیکھا کہ ان کی قربانی کے "بکرے" ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں تو انھوں نے اپنی عباؤں تلے سے تلواریں برآمد کیں اور انھیں ہلاتے اور دانت کٹکٹاتے ہماری طرف دوڑے۔ اور اب میں نے سوچا کہ پستول چلائے بغیر کام نہیں چلے گا سب سے آگے ایک تنگڑا پجاری نہایت غصہ کے عالم میں دوڑتا چلا آرہا تھا جیسے وہ ہم سب کو قتل کر کے ہی دم لے گا میں نے لبلبی دبا دی۔ دھائیں... پستول سے گولی نکل کر سنسناتی ہوئی اس تگڑے پجاری کی طرف چلی... اور اس کی پسلیاں توڑ گئی۔ وہ تیورا کر گرا۔ اٹھا۔ پھر گرا۔ اور لڑھکتا ہوا اس دوزخ میں جا پڑا۔ جو ہمارے لئے تیار کی گئی تھی۔

پتہ نہیں یہ میرے پستول کی گولی کا نشانہ بنے ہوئے پجاری کی چیخوں کا اثر تھا یا پستول کے دھماکے کا خوف۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو تلواریں سونتے ہماری طرف بڑھتے ہوئے پجاری ایک جگہ جم کر یوں کھڑے ہو گئے جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر انھیں پتھر کے مجسموں میں تبدیل کر دیا ہو۔

اس سے پہلے کہ پجاری اپنے حواس درست کر کے ہماری طرف بڑھیں سورائیس نے چلا کر کچھ کہا اور شاہی باڈی گارڈ کے دستہ اور دونوں بہنوں نے ہمیں اپنے حلقہ میں لے لیا۔ پجاری اور ہجوم دم بخود کھڑا تھا پستول کی گولی

کھا کر بھٹی میں گرے ہوئے پجاری کی آخری چیخ بھی ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ شعلوں نے اسے راکھ میں تبدیل کر دیا تھا۔ رگیون ہماری طرف گھوم گیا۔ اس کا چہرہ شیطان جیسا ہو گیا تھا۔

"نلیتھا اسورائیس، سورج دیوتا ہر جو چیز قربان ہونے والی ہو اسے اپنی پناہ میں نہ لو۔" رگیون نے کہا "یہ اجنبی مقدسات کی بے حرمتی کرتے ہیں حد سے تجاوز کر گئے ہیں کیا انھوں نے سورج دیوتا کے منظور نظر آپ گھوڑوں کی جان نہیں لی؟"

اور اب سورج کا ایک پجاری بھی ان بدکاروں کے جادو کا شکار ہو گیا۔

پتہ نہیں یہ کون ہیں اور آسمان سے آئی ہوا کی طرح کہاں سے آ گئے؟ مالکا ئیں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں کہ تم سورج دیوتا کی توہین اس کی قربان گاہ کے سامنے ہی کر رہی ہو۔ یاد رکھو تم اور یہ اجنبی اس کے غضب سے بچ نہ سکو گے اور اس کا قہر تمہیں جلا کر خاک سیاہ کر دے گا ایک اور قوت بھی ہے جو دنیا بھر کی قوتوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ سورائیس نلیتھا تم نادانستہ طور پر ایک بہت بڑی غلطی کا شکار ہو رہی ہو سورج دیوتا کے حضور اپنی غلطی کی معافی مانگو اور اجنبی جادوگروں کو ہمارے سپرد کر دو۔

"مقدس رگیون" سورائیس نے چہرے کی سنجیدگی کی تی آواز میں کہا "آپ نے اپنے دل کی بات کہی جو صداقت پر مبنی ہے لیکن اتنا عرض کر دوں کہ سورج دیوتا کی توہین ہم نے نہیں کی۔ اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے کا ارادہ تو آپ کا ہے۔ آج کی قربانی انجام پا چکی۔ سورج دیوتا نے اپنے ہی ایک پجاری کو قربانی کے لئے پسند کیا اور مقدس آتش نے اسے قبول بھی کر لیا۔"

سوراکیس نے اپنی ذہانت سے ایک اچھوتی بات کہی اور تمام عبد تحسین و آفرین کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ "ذرا خیال فرمایئے یہ لوگ کون ہیں ؟ کہاں سے آئے ہیں ؟"

سوراکیس نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ "ظاہر ہے کہ یہ لوگ اجنبی ہیں اور بڑے تالاب کی سطح پر تیرتے ہوئے ڈونگے میں پائے گئے۔ انھیں کون یہاں لایا؟ وہ یہاں کس طرح سے آ گئے؟ صدیوں سے کسی اجنبی نے ہماری مملکت میں قدم نہیں رکھا۔ پھر یہ لوگ کون ہیں؟ کہیں سورج دیوتا کے فرستادہ تو نہیں؟ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ بھلا کوئی کمزور اور فانی پرخطر جنگلات اور صحرا کو عبور کر کے یہاں تک آ سکتا ہے؟ نہیں اور پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ یہ اجنبی بڑے تالاب پر پائے گئے۔ کیا یہی تمہاری شرافت ہے کہ ان مہمانوں کے ساتھ؟ ممکن ہے سورج دیوتا کے فرستادہ ہوں ایسا ظالمانہ برتاؤ کرو؟ تمہاری وہ مہمان نوازی کیا ہوئی؟ کیا ہوئی تمہاری وہ شرافت اور رحمدلی؟ تف ہے تم پر۔ تم نے زورو یندی کی عزت خاک میں ملا دی۔ تم نے اپنی فطرت کے خلاف ان اجنبی مہمانوں کو آگ کے سپرد کرنا چاہا۔ مارے شرم اور خجالت کے تمہیں ڈوب مرنا چاہیئے لیکن تم میں اتنی غیرت ہو تب نا؟ مہمان نوازی کیا ہے؟ اجنبی کو سر آنکھوں پر بٹھانا۔ ان کے زخموں پر پھائے رکھنا۔ دلدہی کرنا اور ان کے آرام کا خیال رکھنا نرم گرم بستر مہیا کرنا لیکن تم نے ہمارے مہمانوں کے لئے جو سیج تیار کی وہ آگ کی تھی۔ انگارے بچھے ہوئے تھے اس پر افسوس تم نے اپنے اجداد کی روایات کو خاک میں ملا دیا۔"

وہ خاموش ہو گیا اور اس نے نظریں اٹھا کر ہجوم کی طرف دیکھا کہ اس کی

اس لمبی چوڑی تقریر کا اثر کیا ہوا؟ تقریر کا خاطر خواہ اثر دیکھ کر اس نے اپنا لہجہ بدلا۔ جانے ناصحانہ لہجے کے اب وہ تحکمانہ انداز سے بولی۔

”راستہ سے ہٹ جاؤ۔“ وہ چلائی۔ ”زور بندی کی ملکہ ہیں اور ان اجنبیوں کے لئے جنھیں ماکائیں پناہ دے چکی ہیں راستہ بناؤ۔ ہٹو اپنی جگہ

اور اگر میں آپ کے حکم کی تعمیل نہ کروں؟“ رنگون نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”تو پھر مقدس باپ اس مقام پر خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور ہم شکاریوں کی لاشوں کو روندتے ہوئے چلے جائیں گے۔“

رنگون سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا ازجم کی طرف گھوم گیا اور ان کی طرف جیسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ”دیکھئے کیا ہے۔ آگے بڑھو اور جادوگروں کی تکہ بوٹی اڑا دو۔“

لیکن جلد ہی اس پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ازجم کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ نہیں۔

زور بندی لوگ بڑے ملنسار اور محبتی واقع ہوئے ہیں۔ بلاشبہ مقدس جانوروں کی جان لینا ان کے نزدیک بھی نہایت سنگین جرم ہے لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان عجیب و غریب اجنبیوں کو جو ان کی سرزمین پر کہیں سے اتفاقاً آنکلے تھے اور ان کے لئے ایک عجوبہ سے کم نہ تھے اتنی جلد آگ میں جھونک دیا جائے، کہ ان کی صحبت سے لطف اندوز ہونے کی آرزو لوگوں کے دلوں میں باقی رہ جائے اور ان کا ذوق و شوق تشنہ رہ جائے۔ چنانچہ رنگون کی تائید میں کسی نے انگلی نہ ہلائی۔ جب رنگون نے دیکھا کہ اس کا ساتھ دینے کے لئے کوئی تیار نہیں تو اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

اور اب نلیتھا پہلی بار گویا ہوئی۔

"مقدس رنگون۔ میری بہن نے جو کچھ کہا ہے اس پر غور کیجئے۔ یہ اجنبی اپنی صفائی میں اگر کچھ کہنا بھی چاہیں تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ لوگ ہماری زبان سے واقف نہیں چنانچہ ہمیں اس وقت تک ان کی قربانی کو ملتوی رکھنا چاہیئے جب تک کہ یہ لوگ ہماری زبان نہیں جان لیتے۔ اسکے بعد انہیں بھی موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی صفائی پیش کریں۔ مجرم کو اپنی صفائی کا موقع دیئے بغیر سزا دینا نہ صرف ناانصافی بلکہ ظلم ہے۔ جب یہ ہماری زبان سے واقف ہو جائیں گے اور اپنی وکالت آپ کر سکیں گے تب ان کے بارے میں کوئی مناسب فیصلہ کیا جا سکے گا۔"

نلیتھا نے اپنی غیر معمولی ذہانت سے ہمارے بچاؤ کی نہایت آسان راہ تلاش کر لی تھی۔ اب رنگون اپنے دل پر جبر کر کے ملکاؤں کا فیصلہ قبول کرنے پر مجبور تھا۔

"بہت اچھا۔ اے معزز ملکہ۔ ایسا ہی ہو گا۔" رنگون نے زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا: "ان اجنبیوں کی اس وقت تک جان بخشی کی جاتی ہے جب تک کہ وہ ہماری زبان نہیں جان لیتے اور اب میں سورج دیوتا کے حضور گڑگڑا کر دست بہ دعا ہوں گا کہ ہمارے ملک میں اس کی جو بے حرمتی ہوئی ہے اسے نظر انداز کرتے ہوئے ہم پر اپنا قہر نہ نازل کرے۔"

رنگون کے آخری الفاظ کو ہجوم نے سراہا اور ہم محافظ دستہ کے حلقہ میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے معبد سے باہر آ گئے۔

ایک مدت کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ کس طرح سے ہماری زندگیاں معبد کے پجاری نے اپنے آہنی پنجوں میں دبوچی ہوئی تھیں اور اگر دونوں بہنوں کی مدد

شامل حال نہ ہوتی تو ہمیں مندر میں لے جانے سے پہلے ہی ختم کر دیا جاتا لیکن نلیتھا اور سومایئس نے رنگون کو مجبور کیا کہ وہ ہمیں سورج دیوتا کی بھینٹ چڑھا دے۔ اس تجویز سے دونوں بہنوں کا مقصد یہ تھا کہ اس عرصہ میں وہ ہمارے بچاؤ کی کوئی راہ تلاش کر لیں گی۔ رنگون کے سامنے مذہبی امور میں بادشاہ وقت کی بیٹی ایک نہ چلتی تھی اور نہ اسے مذہبی امور میں دخل دینے کا حق حاصل تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ دونوں بہنوں نے رنگون کے ارادوں کے خلاف ہماری مدد کی تھی اور اس کی قوتوں سے ٹکر لی تھی

رنگون اور اس کے مقدس گروہ سے بچ نکلنے کے بعد ہم محل میں پہونچے دونوں بہنوں، امراء اور افسروں نے ہماری عزت افزائی کرتے ہوئے تحائف کی بھرمار کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انھوں نے آپس میں شرط بدی ہو کہ ان اجنبیوں کو سب سے زیادہ تحائف کون دیتا ہے؟ اب رہا آبی گھوڑوں والا واقعہ تو لوگوں نے فی الحال اسے فراموش کر دیا اور ہم نے اطمینان کی سانس لی۔ روزانہ لوگ گروہ در گروہ ہماری بندوقوں، لباس زرہ بکتر اور دوسرے ساز و سامان کا معائنہ کرنے آتے لیکن جو چیز انہیں سب سے زیادہ حیرت اور مسرت بخشتی وہ ہماری گھڑیاں تھیں۔ مختصر یہ کہ ہماری ہر چیز زرد ہندی لوگوں کے لیے نمونہ بن چکی تھی۔ حتیٰ کہ نوجوانوں نے ہمارے ملبوسات کی نقل شروع کر دی۔ خاص کر ہنری کے شکاری کوٹ کی۔ ایک روز حسب معمول ایک وفد ہمارا منتظر تھا اور رنگڈا اپنی عادت کے مطابق

نہایت نفیس کپڑوں میں ملبوس تھا لیکن یہ لوگ جو اس وقت ہم سے ملنے آئے ہوئے تھے۔ وضع قطع میں ان لوگوں سے قدرے مختلف تھے جن سے آج تک ہم ملتے رہے تھے۔ قد پستہ، آنکھیں نہایت تیز اور بات بات میں کچھ بناتے تھے۔ انہوں نے ہیرا اسمتھ کی طرف کوئی توجہ نہ دی وہ گڈ کو غور سے دیکھتے اور آپس میں کانا پھوسی کرتے رہے پھر ایک دم سے انھوں نے ان کے گڈ کو دبوچ لیا اور نہایت عجیب ڈھنگ سے اس کے لباس کا ناپ لینے اور ایک نوٹ بک میں درج کرنے لگے۔ یہ بات گڈ کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ ایک دن اس کا واسطہ ان بونے درزیوں سے پڑے گا۔ ان کی حرکتوں سے وہ بہت ہی پریشان اور خفا ہوا۔ وہ گڈ کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینے والی ردی کی طرح الٹ پلٹ کر اس کے لباس کی ناپ لے رہے تھے گڈ چلا رہا تھا خفا ہو رہا تھا گالیاں بک رہا تھا لاتیں چلا رہا تھا لیکن توبہ کیجیے کون سنتا ہے۔

اس واقعہ کے کوئی پندرہ روز بعد جب ہم دربار میں بیٹھے ہوئے تھے گڈ صاحب کو ایک بڑا ہی دلخوش کن منظر دیکھنے کو ملا۔ درباریوں میں سے درجن بھر لوگ گڈ کے سے لباس میں ملبوس تھے۔ ان چھوٹے درزیوں نے گڈ کے لباس کی نہایت بھونڈی مگر اپنے خیال سے نہایت ہی نفیس نقل اتاری تھی۔ ان کا لباس گڈ کے لباس ایسا نفیس سلا ہوا نہ تھا۔ اس پر گڈ کی مسرت ایک دم سے زائل ہو گئی اور وہ زود رنج بونے لوگوں کی بد مزاجی کے بارے میں منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک تو اپنے آپ کو درزیوں کی زیادتیوں سے بچانے کے لئے اور پھر اس لئے بھی کہ ہمارے کپڑے بے حد گندے ہو گئے تھے۔

ہم نے زودبیندی لباس کو اپنا لیا۔ یہ لباس نہایت ہی آرام دہ اور ہلکا پھلکا ثابت ہوا ہمیں۔ اور الیفنو نیز اس لباس میں سرکس کے مسخروں جیسے معلوم ہوتے تھے۔ البتہ ہنری پر یہ لباس بہت زیب دیتا تھا۔ اسلوپوگاس کی لنگوٹی بھی پھٹ پھٹا گئی تھی لیکن اس نے ایک اور لنگوٹی تیار کر لی اور لوگوں کی انگشت نمائی کے باوجود اپنا جنگلی کلہاڑا لیے ننگ دھڑنگ دندناتا گھومتا رہا۔

اس عرصہ میں ہم باقاعدہ زودبیندی زبان کا سبق لینے لگے۔

جس زودبیندر سے ہم جان بچا کر آئے تھے اس کی دوسری صبح کا ذکر ہے کہ ہم ناشتے سے فراغت پا کر بیٹھے گپ شپ لڑا رہے تھے کہ ایک نیم فرشتہ صفت بزرگ کاغذ کتابوں، پروں کے قلم اور سینگوں کی دوات سے مسلح ہمارے کمرے میں گھس آئے اور اعلان کیا کہ وہ ہمارے معلم ہیں اور انہیں مقامی زبان کی تعلیم دینے کے لئے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ ہم سوا اسلوپوگاس کے ان کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور طالب علمی کا زمانہ ایک بار پھر لوٹ آیا۔ دن میں چار گھنٹے ہمیں سبق لینا پڑتا۔ اسلوپوگاس کو زودبیندی زبان سیکھنے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ وہ اس زبان کو "عورتوں کی زبان" کہتا تھا۔ چنانچہ جب ایک معلم صاحب قلم و دوات سے لیس ہو کر اسلوپوگاس کی طرف بڑھے اور مسکراتے ہوئے اس کی نظروں کے سامنے قلم دوات کو یوں ہلایا جیسے کوئی لکھ پتی اپنے مفلس، قلاش، رقیب کے سامنے روپیوں کی تھیلی ہلاتا ہے۔ تو اسلوپوگاس ایک نعرے کے ساتھ اچھل کر دور جا کھڑا ہوا اور اپنا انکوسی کاس اس طرح ہلانے لگا کہ معلم صاحب اپنا علم و فضل بھول کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد کبھی کسی نے اسلوپوگاس کو زودبیندی زبان

سکھانے کی کوشش نہ کی۔

اور یوں ہماری صبح بڑی مصروف گذرتی۔ ہم بڑے ذوق وشوق اور دلچسپی سے مقامی زبان کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ شامیں سیر و تفریح کرتے گذار دیتے۔ کبھی تو سوئے کی کانوں کی طرف چلے دیتے۔ کبھی شام سنگ مرمر کی کانوں کا معائنہ کرتے اور کبھی شکار سے اپنا دل بہلاتے۔ زرد یندی اور خاص طور سے بیلوسیس کے قریب کے جنگلات میں ہرنوں کی بہتات تھی اور ان ہرنوں کے شکار کے لئے بڑے بڑے جنگاری کتے سدھائے گئے تھے جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ زرد یندی کے گھوڑے بڑے تیز رفتار ہوتے ہیں۔ ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال دیجئے اور دس ہی منٹ کے بعد ہرن آپ کے قبضہ میں ہوگا اور پھر ہمیں تو ملیتھا نے اپنے خاص اصطبل سے گھوڑے عنایت کئے تھے۔

زرد یندی لوگوں کا مرغوب مشغلہ پالتو باز سے پرندوں کا شکار کرنا تھا بعض اوقات ہم تنہا یہ تماشہ دیکھنے جاتے۔ آسمان کی نیلاہٹوں میں کوئی پرندہ نظر آتا۔ دوسرے ہی منٹ اس کے پیچھے باز چھوڑ اجاتا۔ باز کو دیکھتے ہی پرندہ اپنے حواس کھو دیتا اور بجائے اس کے کہ غوطہ مار کر نکل جائے۔ وہ اوپر ہی اوپر چڑھتا چلا جاتا۔ باز اس کے پیچھے لگا رہتا۔ یہاں تک کہ دونوں ایک نقطہ میں تبدیل ہو جاتے۔ پھر نظروں سے غائب ہو جاتے اور آدھ گھنٹے بعد باز شکار اپنے پنجوں میں دبوچے اپنے مالک کی کلائی پر آبیٹھتا۔

ہفتہ میں تین چار بار جب ملکاؤں کو ملکی بکھیڑوں سے فرصت ملتی تو وہ ہمیں بلا بھیجتیں اور ہم رات کا کھانا ان کے ساتھ کھاتے۔ یہ دعوتیں بڑے مزے کی ہوتیں۔ انواع و اقسام کے نہایت لذیذ کھانے اس وقت اور بھی مزہ دینے لگتے ہیں۔ جب سامنے حسن کی دیویاں بیٹھی ہوئی ہوں۔

سادگی میں جو حسن اور دلکشی ہے وہ بناوٹ اور تصنع میں نہیں۔ اپنے آپ کو گہنوں سے لاد کر اور غیر متناسب جسم کو ریشمی ملبوسات میں لپیٹ کر یہ سمجھنا کہ ہم ہی دنیا کی حسین ترین مخلوق ہیں۔ ان خوش فہمیوں میں سے ایک ہے جس کا علاج ناممکن ہے۔ لیکن سچ کہنے دیجئے جو چیز پُر اثر ہوتی ہے وہ سادگی ہے۔ نلیتھا بے حد سادہ عورت تھی اور شاید یہی اس کے چکا چوند پیدا کر دینے والے حسن کا راز تھا۔ لباس سادہ، مزاج میں سادگی، نرم طبیعت اور نرم دل، ملیح چہرہ لیکن جب اس کی شاہی رگ پھڑکتی اور اسے غصہ آجاتا تو وہ بالکل بدل جاتی لیکن کبھی اتفاق سے ہی ایسا ہوتا تھا۔

اس کی خفگی کا ایک واقعہ میں کبھی فراموش نہیں کروں گا اور اسی روز مجھے پہلی بار یہ بھی محسوس ہوا کہ وہ ہنرخا کی محبت میں بری طرح سے گرفتار ہے اور یہ سب کچھ ہوا گڈ کی وجہ سے گڈ کی ہمیشہ سے یہ کمزوری رہی ہے کہ وہ عورتوں کے پیچھے دیوانہ ہو جاتا ہے۔

ہوا یوں کہ جب ہمیں زوومیندی زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے دو تین ماہ گزر گئے تو گڈ کو احساس ہوا کہ یہ فرشتہ صفت استاد جو بڑی پدرانہ شفقت سے ہمیں تعلیم دے رہے تھے خواہ مخواہ اسے بور کر رہے ہیں اور اگر کہیں ان کی آمد و رفت جاری رہی تو وہ مارے اکتاہٹ کے پاگل ہو جائے گا چنانچہ اس نے ہمیں اطلاع دیئے بغیر ان بزرگوں کے سامنے اپنی مشکلات یوں پیش کیں۔

یہاں یہ بتا دوں کہ اب تک ہمیں کام چلاؤ زوومیندی زبان آ گئی تھی اور ہم کسی نہ کسی طرح اپنا مطلب سمجھانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ بہرحال گڈ کی درخواست یہ تھی۔

حضرات اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بڑی محنت اور شفقت سے ہمیں تعلیم دے رہے ہیں لیکن افسوس اتنے ہم آپ کی زبان میں اس وقت تک کمال حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمیں عورتیں تعلیم نہ دیں۔ بہرحال عورتیں۔ گڈ نے یہ سوچ کر اطمینان کیا کہ کہیں لوگوں کو منظور معلوم نہیں ہوا کہ نہ مونڈھ دی جائیں اور خواہ مخواہ بکری نکال لیتے ہیں اونٹ نہ گھس پڑے سمجھ گئے آپ۔ بہرحال عورتیں آپ قریب قریب ہوتا ہے گے کہ یہ بعض مردوں کے عورتوں نے نئے الفاظ پیدا کرنے میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔

پھر اس نے ایک لمبا چوڑا لیکچر جھاڑا کہ کس طرح سے اس کے ملک میں تعلیم کا کام کالج صرف عورتوں کے ہی سپرد ہے اور یہ کہ کسی اجنبی کے لئے تو خاص طور پر ایسی لڑکی چنی جاتی ہے جو انتہائی حسن میں یکتا ہوں تاکہ اس کے حسن کے زیر اثر اجنبی جلد از جلد مقامی زبان میں مہارت حاصل کر لے بوڑھے معلموں نے نہایت حیرت سے گڈ کی باتیں سنیں اور آخر کار اس کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ اس کے دلائل واقعی بڑے ٹھوس ہیں اور یہ کہ وہ اس سے متفق ہیں کیونکہ ان کے فلسفہ کے مطابق عورت کا حسن دل و دماغ پر وہی اثر کرتا ہے جو سورج کی روشنی اور تازہ ہوا جسم کی صحت پر کرتی ہے۔ لہذا اگر مناسب استانیاں مل جائیں تو واقعی ہم زود فہمی کی زبان میں بہت جلد ترقی کر سکتے ہیں اور چونکہ عورتیں فطرتاً بے حد باتونی ہوتی ہیں اس لئے ہمیں عام بول چال کا محاورہ بھی آ جائے گا اور ہم جلد ہی "میدان گفتگو" کے "شہسوار" بن جائیں گے۔

گڈ اپنی حسرت دبائے بڑی سنجیدگی سے ان کی ہاں میں ہاں ملاتا چلا گیا۔

آخر کار ہمارے عالم دوست گڈ کو یہ یقین دلا کر رخصت ہوئے کہ اگر ممکن ہوا تو جلد از جلد اس کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے خوبصورت لڑکیاں بھیج دی جائیں گی۔

اب ذرا میری پریشانی اور ہنری کی حالت کا اندازہ کیجئے۔ جب دوسرے روز ہم نے اس کمرے میں جو گویا ہمارا مکتب تھا، بزرگ استادوں کی جگہ تین نہایت خوبصورت لڑکیوں کو بیٹھے دیکھا۔ کچھ دیر تک وہ شرماتی اور مسکراتی رہیں اور پھر ہمیں سمجھایا کہ آج سے وہی ہماری استانیاں ہیں۔ ہمیں حیرت زدہ دیکھ کر گڈ کو مناسب معلوم ہوا کہ وہ معاملہ ہمیں سمجھا دے۔ چنانچہ اس نے اپنی کارستانیوں پر پردہ ڈالتے ہوئے الزام بزرگ معلموں کے سر تھوپ دیا اور کہا کہ ان کے خیال سے یہ بات اشد ضروری ہے کہ ہم صنف نازک سے مقامی زبان کی تعلیم حاصل کریں۔ اس نے کہا کہ معلموں نے اس بات کا اظہار کل اس کے سامنے کیا تھا لیکن وہ ہم سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔ میں نے بوکھلا کر ہنری کی طرف دیکھا۔

"بھئی، اب تو یہ خدا نخواستہ یہاں آ ہی چکی ہیں،" اس نے کہا۔ "تو انہیں واپس بھیجنا کچھ مناسب بات نہ ہوگی۔ عورتوں کے دل بڑے نازک ہوتے ہیں۔ بات بات میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ان کے ساتھ گنواروں کا سا سلوک نہ کریں۔ ہمیں تو تعلیم ہی حاصل کرنا ہے نا؟ مرد نہ سہی عورت ہی سہی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ان کی موجودگی سے ذرا رنگینی ہو جائے گی۔ خاصی خوبصورت ہیں یہ تینوں۔ ہیں نا؟"

اس عرصہ میں گڈ خوبصورت ترین لڑکی کو چن کر اس کے سامنے جا بیٹھا تھا اور محنتی طالب علم کی طرح جھوم جھوم کر بڑے انہماک سے اپنا سبق

دہرا رہا تھا۔ میں نے ہنری کی بات مان لی اور ہم دونوں بھی اپنی اپنی استانی کے سامنے جا بیٹھے جب ہم سے کوئی غلطی ہو جاتی تو ہماری خوبصورت استانیاں مسکرا دیتیں۔ آج سے پہلے میں نے گڈ کو کبھی اتنے ذوق و شوق سے اپنا سبق یاد کرتے نہیں دیکھا تھا اور ہنری جی ایسے صحیح تلفظ ادا کر رہا تھا کہ میں حیران تھا کہ دفعتاً اس کا ذہن ایسا تیز کیسے ہو گیا۔

دوسرے روز ہمارا حجاب اٹھ چکا تھا۔ استانیوں نے بھی شرمانا چھوڑ دیا تھا اور ہم پہلے دن کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی شگفتہ خاطر تھے۔

استانیوں نے ہم سے ہمارے بارے میں سوالات پوچھے مثلاً ہمارے ملک کی عورتیں کیسی ہوتی ہیں؟ ان کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟ کیا پہنتی ہیں؟ کیا کھاتی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ تمام سوالات کے جواب میں نے اور ہنری نے نہایت مناسب و موزوں دیے لیکن گڈ نے موقع مناسب جان کر بالکل ہی مختلف جواب دیا۔

"بس کچھ نہ پوچھو۔ تمہارے سامنے میرے ملک کی عورتیں بالکل ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے سورج کے سامنے چاند۔۔۔ آہ۔ سچ سچ تمہارا تو جواب نہیں۔ ہمارے ملک کی عورتیں تو پھیکی پھیکی ہیں۔ اور تم۔ بس کمال ہو"

گڈ کی استانی نے اپنا نازک سر ہلا کر جواب دیا کہ وہ اس کی استانی ہے چنانچہ وہ اپنی استانی کو "بنائے نہیں"۔ گڈ نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ وہ اسے بنا نہیں رہا بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے حقیقت پر مبنی ہے۔ اس کے بعد ہم سب نے مل کر نہایت ترنم سے ایک گیت گایا۔ زوو ینڈی کے عشقیہ نغمے واقعی بڑے پر اثر ہوتے ہیں۔

تیسرے روز ہم بالکل بے تکلف ہو گئے تھے۔

گڈ نے نہایت درد بھری آواز میں اپنے عشق کے کئی من گھڑت قصے اپنی استانی کو سنا ڈالے۔ ان قصوں سے وہ اتنی متاثر ہوئی کہ گڈ کے ساتھ ساتھ وہ بھی آہیں بھرنے لگی۔ میں اپنی خوش مزاق اور شوخ استانی سے "فنِ لطیفہ" پر بحث کر رہا تھا اور وہ تلوار پر رینگتے ہوئے ایک تل چٹے کی طرف دیکھ رہی تھی کہ کب موقع ملے اور کب اسے مجھ پر گرا دے۔
ادھر ایک کونے میں ہنری "عملی سبق" لینے میں مصروف تھا۔

اس کی استانی نے "ہاتھ" کا فرنچ ہندی لفظ کہا اور ہنری نے جھٹ اپنی استانی کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے کہا "آنکھیں" اور ہنری جھک کر بڑے پیار سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ اس نے کہا "ہونٹ" اور۔ لیکن اس عرصہ میں میری شوخ اور طرار استانی تل چٹا میری پیٹھ پر گرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ کھل کھلا کر ہنستی ہوئی بھاگی ایک طرف۔

مجھے اگر سب سے زیادہ کسی چیز سے گھن آتی ہے تو وہ یہی منحوس تل چٹا ہے لیکن اس وقت میں اپنی نفرت اور غصہ کو بھول کر اپنی استانی کی شرارت میں شامل ہو گیا۔ میں نے ایک تکیہ اٹھا کر اس کی طرف پھینکا اب آپ ذرا میری خجالت اور خوف کا تصور کیجیے کہ ادھر میں نے تکیہ پھینکا اور ادھر دروازہ کھلا اور زلیخا چند سپاہیوں کے ساتھ داخل ہوئی میرا پھینکا ہوا تکیہ واپس نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ "دھپ" سے ایک سپاہی کے سینہ پر جا لگا۔

میں یوں انجان بن کر بیٹھ گیا جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔ گڈ اپنی آہوں کو بھول کر نہایت بلند آواز میں نزدو ہندی زبان کا خون کرنے میں جٹ گیا ہنری اپنی استانی پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے ایک سیٹی کی آواز نکلی

اور وہ سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب رہیں لڑکیاں تو وہ مبہوت تھیں۔

اور بلیقا؟ وہ ایک دم سے دروازے میں تن کر کھڑی ہو گئی۔ پہلے تو اس کا چہرہ لال بھبھوکا اور پھر زرد ہو گیا۔

"سپاہیو!" اس نے گرجدار آواز میں ہنری کی استانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس لڑکی کو اسی وقت اور اسی جگہ قتل کر دو۔"

سپاہی ذرا ہچکچائے۔

"سنا نہیں؟" بلیقا نے چیخ کر کہا۔

سپاہی اپنے خنجر بلند کر کے ہنری کی استانی کی طرف بڑھے۔ اس دوران میں ہنری اپنے حواس میں آ چکا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ یہ ظلم [illegible] ہو رہا تھا تو وہ جلدی سے اٹھ کر سپاہیوں اور لڑکی کے بیچ میں کھڑا ہو گیا۔

"خبردار! اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو تمہارے حق میں برا ہوگا۔" اس نے للکار کر کہا۔ "ملکہ تمہیں ایک بے گناہ اور معصوم لڑکی کو قتل کراتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

"ہوں! اسے بچانے میں تم حق بجانب ہو۔ وفادار جو ہوئے۔ اسے بچا کر تم اپنی وفاداری کا سکہ جمانا چاہتے ہو کیوں۔ خوب بہت خوب۔" بلیقا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "لیکن اس لڑکی کو مرنا ہے اور اسی وقت۔" بلیقا نے اپنا پیر زمین پر پٹخا۔

"بہت اچھا ایسا ہی ہوگا۔" ہنری نے کہا۔ "ملکہ کے حکم کی ضرور تعمیل ہوگی لیکن یہ بھی حکم ہو کہ میں بھی اس لڑکی کے ساتھ قتل کر دیا جاؤں۔ ملکہ میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں میری اتنی درخواست قبول ہو۔ جو حشر

میری استانی کا تو وہ تاج میرا بھی ہے۔"

مہری نے گھٹنے ٹیک کر اپنی گردن بلیتھا کے سامنے جھکا دی۔

"جی تو یہی چاہتا ہے کہ تمہاری گردن بھی اڑا دوں۔" بلیتھا نے کہا "تم نے یہ تاج تو ہمیں کا ہے۔ میری ہنسی اڑاتی ہے۔"

اور اس وقت بلیتھا کو احساس ہوا کہ واقعی یہ اجنبی اس کے دل پر قبضہ جما چکا ہے اور وہ مغلوب ہو چکی ہے۔ پتہ نہیں کیا طوفان اس کے دل میں اٹھا کہ وہ اپنی شان بھول کر سپاہیوں، لڑکیوں اور ہمارے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس حالت میں بھی وہ اتنی حسین معلوم ہو رہی تھی کہ جب مہری نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا تو میں اس بڑھاپے میں بھی اپنے دل میں حسد کی جھلک محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ جو کچھ ہو چکا تھا یعنی مہری کا اپنی استانی پر جھکنا اور بلیتھا کا غصہ اس کے بعد مہری کا بلیتھا کو سہارا دینا اور اس کا اس سہارے کو قبول کرنا کچھ خلاف شان سی بات تھی۔ شاید بلیتھا کو بھی اس بات کا احساس ہوا چنانچہ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو مہری کی آغوش سے جدا کیا اور ہم سب کو حیران و پریشان چھوڑ کر کمرے سے باہر چل دی۔

ایک سپاہی نے دروازے سے پلٹ کر استانیوں کو ملکہ کا یہ حکم سنایا کہ ان کی موت کی سزا ملکہ نے اپنی فطری رحمدلی سے جلاوطنی میں تبدیل کر دی ہے چنانچہ وہ چار روز کے اندر اندر شہر چھوڑ کر چلی جائیں۔ اور مرتے دم تک ہیلوسس کا رخ نہ کریں۔ ہماری استانیاں ہم سے رخصت ہوئیں اوزگڈ کی استانی نے روتے ہوئے نہایت فلسفیانہ انداز میں کہا کہ ایک روز یہ ہونا ہی تھا بہر حال وہ مطمئن تھی کہ ان کی محنت بالکل ای

رائیگاں نہیں گئی بلکہ انھوں نے کچھ نہ کچھ زووبنڈی زبان ہمیں سکھا دی۔ میری استانی بڑی خوبصورت اور خوش مذاق تھی۔ جب وہ رخصت ہونے لگی تو میں نے تل چٹے والی شرارت کو بھول کر اسے اپنا ایک تحفہ عطا کیا۔ یہ تحفہ مجھے ایک نہایت ہی دلچسپ شیر کا شکار کرنے پر ملا تھا۔ اس نے مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اس تحفہ کو قبول کیا۔

اس واقعہ کے بعد ہمارے پرانے استاد بحال کر دیے گئے!

اسی رات جب ہم لوگ نے کا نچے دونوں بہنوں کے ساتھ کھانا کھانے گئے تو میز پر لیتھا کو نہ پایا تو پوچھنے پر پتا چلا کہ اس کے سر میں شدید درد ہے جس کی وجہ سے وہ کھانے میں شریک نہ ہو سکے گی یہ درد مسلسل تین روز تک قائم رہا لیکن چوتھے روز ہم نے اسے کھانے کی میز پر موجود پایا۔ اس نے مسکرا کر ہنری کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ہنری نے اسے لبوں سے لگا لیا۔

استانیوں والے واقعہ کا لیتھا نے کوئی ذکر نہیں کیا صرف اتنا کہا کہ جب وہاں سے رخصت ہو کر محل میں آئی تو دفعتہً اس کے سر میں درد اٹھا اور اسے چکر آ گئے اور یہ کہ اس درد سے اسے آج ہی چھٹکارا ملا ہے اور پھر اس نے ہنستے ہوئے بڑی مہارت سے ہنری پر چوٹ کی اس کے دردِ سر کا سبب وہ محنت اور مشقت تھی جو ہم زووبنڈی زبان حاصل کرنے کے لیے کر رہے تھے کبھی کبھی اس طرح ذہن لڑاتے دیکھ کر اس کی ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب میں ہنری نے بھی چوٹ کی کہ اس روز بھی اس کی طبیعت زیادہ بحال نہیں معلوم ہوتی تھی اور شاید اسی لئے وہ آپے سے باہر ہو گئی تھی۔

نلیتھا نے تیز نظروں سے ہنری کی طرف دیکھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کی نظروں نے ہنری کے دل پر برمے چلا دیے ہوں گے۔ یہاں آکر باتوں کا رخ بدل گیا۔

کھانے کے بعد نلیتھا نے ہمارا امتحان لیا اور زووینڈی زبان میں ہماری ترقی دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا اور پھر خود ہی ہمیں اور خاص طور پر ہنری کو سبق دینے لگی۔ بڑی مزیدار بات تھی یہ کہ زووینڈی کی ملکہ استانی کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ حقیقت ہے محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر لوگ عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔

اس تمام عرصہ میں جبکہ ہم خوش کیا دینے کی کوشش زووینڈی زبان میں گفتگو کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اپنی غلطیوں پر قہقہے لگا رہے تھے سورائیس اپنی ہاتھی دانت کی کرسی پر بیٹھی اپنی گہری نظروں سے ہمیں دیکھتی رہی۔ شاید وہ ہمارے چہروں سے ہمارے دلی جذبات کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر لمحہ بھر کے لیے نہایت زہریلی مسکراہٹ آکر یوں غائب ہو جاتی جیسے اندھیری رات میں بجلی چمک جائے۔ گوڈ جتنا بھی ممکن ہو سکتا اتنی ہی سورائیس کے قریب بیٹھتا اور اپنی یک چشمی عینک سے اسے گھورا کرتا۔ گڈ اس عورت کے عشق میں پھنستا جا رہا تھا جس کی خاموشی اور حسن سے میں پتہ نہیں کیوں خوفزدہ تھا۔ سورائیس مجھے ایک زہریلی ناگن معلوم ہوتی تھی۔ ایسی ناگن جس کے کاٹے کا کوئی منتر نہیں۔

میں نے سورائیس کے باطن کا جائزہ لینے کی کوشش کی اور یہ بات روز روشن کی طرح مجھ پر عیاں ہو گئی کہ اس کے دل میں نلیتھا کے خلاف حسد و رقابت کی آگ جل رہی تھی۔ دوسری بات جو مجھے معلوم ہوئی اس نے مجھے پریشان

کر دیا۔ سونائیس بھی ہنری کی محبت میں پھنسی ہوئی تھی۔ آپ کہیں گے کہ سونائیس جیسی ٹھنڈی اور پرسکون عورت کے دلی جذبات کا اندازہ اس کے چہرے سے لگانا مشکل ہے۔ یہ بات کسی حد تک ٹھیک ہے لیکن ایک دو واقعات نے میرے اس شبہات کو یقین میں تبدیل کر دیا۔ آپ جانتے ہیں ہم انھیں کے ستاروں سے شگن لگا کر اپنے مطلب ... سے ہوا کا رخ پہچان لیتے ہیں اور یوں تین ماہ گزر گئے۔

اس قلیل مدت میں ہم زوونیدی زبان میں خاصی مہارت حاصل کر چکے تھے اور بڑی روانی سے گفتگو کر سکتے تھے۔ ہم عوام و خواص میں بے حد مقبول ہو چکے تھے۔ ہر شخص ہماری عقلمندی اور ہوشیاری کا قائل تھا۔ میں یہ بتا چکا ہوں کہ ہنری نے زوونیدی لوگوں کو آگ جلانے کی ترکیب بتادی تھی۔ ہمارے پاس ایک پرانی جنتری تھی چنانچہ اس کے سہارے ہم نے نجومیوں کی معلومات میں بہت کچھ اضافہ کیا اور انہیں ستاروں کی روشنی کا انسان پر اثر اور خواب کی تعبیر ایسے اہم موضوع سمجھا دیے۔ ایک مجمع کے سامنے ہم نے بھاپ انجن کا کامیاب تجربہ کیا اور لوگوں نے مارے حیرت کے اپنے دانتوں تلے انگلیاں دبا لیں۔

ہماری ان باتوں نے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا اور انھوں نے طے کر لیا کہ اب کبھی وہ ہمیں زوونیدی سے جانے نہیں دیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ لوگ ہمیں جانے کی اجازت دے بھی دیتے تو ہم کہاں جا سکتے تھے؟ راستہ ہمیں معلوم نہ تھا اور نہ ہی زوونیدی میں کوئی ایسا راہبر تھا جو ہمیں زوونیدی سے باہر پہونچا سکتا۔

ہمیں خاص شاہی محافظ دستہ کا افسر بنا کر ہماری عزت افزائی کی گئی۔

محل کے ایک حصہ میں ہمیں مستقل رہائش کے لیے کمرے دے دیئے گئے۔ اس کے علاوہ امراء اور خود دونوں ہمیں سیاسی گتھیاں سلجھانے کے لیے ہمارے پاس دوڑے آتے اور کوئی کام بغیر ہمارے مشورے کے نہ ہوتا۔

آسمان اگر بالکل صاف نظر آ رہا ہو تب بھی اس کے کسی نہ کسی کونے میں بادل کا ذرا سا ٹکڑا ضرور موجود ہوتا ہے اور پھر وہ مٹھی بھر بادل پھیل کر پورے آسمان کو ڈھک لیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آبی گھوڑوں والا واقعہ داستان پارینہ بن چکا تھا اور کوئی اسے یاد نہ کرتا تھا لیکن اگر ہمارا یہ خیال تھا کہ ہماری قربانی کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موقوف کر دیا گیا۔ تو ہم غلطی پر تھے یہ سوچنا بھی حماقت تھی کہ رگیون کی دشمنی بھی ختم ہو چکی ہے اور اس نے اپنی اس ہتک کو بھلا دیا ہے جو بھرے مجمع میں کی گئی تھی اور اس کے وسیع اختیارات پر ہماری وجہ سے جو ضرب پڑی تھی اس کو اس نے نظر انداز کر دیا ہے جی نہیں ایسا نہیں ہوا تھا۔ برخلاف اس کے رگیون کا تعصب انتہا کو پہونچ کر نفرت میں تبدیل ہو چکا تھا اور وہ ہمارا عروج دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ وہ اس بات کا منتظر تھا کہ کب موقع ملے اور کب ہمیں نیست و نابود کر دے۔ وہ طوفان جو رگیون کے سینہ میں موجزن تھا ایک روز پھٹ پڑنے والا تھا۔

پجاری اور خاص کر رگیون زود ینڈی کا عالم ترین شخص گردانا جاتا تھا وہ مقدس تھا اور لوگوں کے دلوں پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ رگیون جس طرف چاہتا پوری آبادی کو پھیر سکتا تھا لیکن ہماری آمد نے اس کے اختیارات کا شیرازہ بکھیر دیا تھا لوگ اسے بھول کر اپنی مشکلات کے لیے ہمارے پاس دوڑے آتے تھے۔ اس کے علاوہ زود ینڈی کے نوجوان

اب پیشواؤں کے جوئے کو اپنے کندھوں پر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ہماری اور ہماری ایجادات کی شہرت پورے زور و یندھا میں پھیل گئی تھی۔ حتیٰ کہ ملکائیں تک ہم سے مشورہ طلب کرتی تھیں۔ یہ باتیں دگیون کو کھائے جا رہی تھیں اور وہ زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ یہی حالت دوسرے پجاریوں کی تھی۔ مختصر یہ کہ ہم اس طاقتور گروہ کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ ان کی طرف سے ہمیں خطرہ لاحق تھا۔

دوسرا خطرہ ان امراء کی طرف سے تھا جنہیں ناستا نے اکسا کر اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا تھا۔ ناستا نلیتھا سے شادی کا خواہشمند تھا اور ہر چند کہ بہت سی رکاوٹیں اس کو درپیش تھیں لیکن اسے یقین تھا ایک نہ ایک دن وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا لیکن ہماری آمد نے اس کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس کے دل میں غم و غصہ کی چنگاریاں روشن ہو چکی تھیں جو کسی روز شعلہ بن کر بھڑکنے والی تھیں۔ پہلے نلیتھا اس کی طرف مائل تھی لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ دربار میں ناستا کی موجودگی نلیتھا کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ ناستا کی طرف دیکھ کر مسکرانا تو ایک طرف رہا۔ نلیتھا اس کی طرف نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالتی تھی۔ اب وہ اتنا احمق بھی نہ تھا کہ اس تبدیلی کا سبب نہ سمجھتا۔ وہ بھنا اٹھا۔ وہ زخمی کتے کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا اور نلیتھا کو حاصل کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز ذریعہ کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ وہ سوراٹیس کی طرف جھکا کہ ممکن ہے اس کے ذریعہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔ لیکن سوراٹیس نے اس کی تلون مزاجی پر سخت فقرے کسے اور اب وہ دروازہ بھی جس کے ذریعہ وہ نلیتھا تک پہونچنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے

بند ہو گیا۔ اس طرف سے مایوس ہو کر اس نے اپنے علاقہ کے تیس ہزار وحشی کوہستانیوں کو تیار کیا جو اس کے ادنیٰ اشارے پر شمالی کوہستانی علاقہ سے چیونٹیوں کی طرح ابل پڑنے کے لیے مستعد بیٹھے تھے۔ ناستا کو یقین تھا کہ اس کے سر کی ایک ہی جنبش میلوسس کو تاخت و تاراج کر سکتی ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے کوہستانی وحشیوں کو ساتھ لے کر ملکاؤں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا۔ اسے مناسب معلوم ہوا ایک بار پھر قسمت آزمائی کرے۔ میلوسس میں برابر ہر سال ایک جشن منایا جاتا ہے اور اسی روز بادشاہ وقت سال بھر کے قانونی مسودات پر دستخط کرتا ہے۔ قوانین میں بھی اسی روز ترمیم ہوتی ہے اور اسی دن سے مملکت میں نئے قوانین رائج ہوتے ہیں۔ ناستا نے ارادہ کیا کہ خاص اسی روز جبکہ دونوں بہنیں مسودات پر دستخط کرنے والی ہوتیں بھرے دربار میں نلیتھا کے حضور اپنی درخواست پیش کرے۔

ناستا کے اس ارادے کی خبر کسی طرح سے نلیتھا کو ہو گئی اور اس رات جب ہم اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے تو اس نے کانپتی آواز میں ہمیں ناستا کے ارادے سے باخبر کیا۔

"کل مسودات پر دستخط ہوں گے اور کل ہی ناستا بھرے دربار میں میرا ہاتھ طلب کرے گا۔" اس نے آخر میں اتنا کہا اور اس کا چہرہ سفید ہو گیا ہنری خاموش رہا لیکن میں نے دیکھا کہ وہ مارے اضطراب اور غصہ کے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

"اچھا۔ تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ملکۂ اعلیٰ حضرت ناستا کو کیا جواب دیں گی؟" میں نے پوچھا۔

"جواب میکو میزن نے دیا: ہم تو زرو ونیدی میں اپنے زرلو نام ہی بتاتے تھے۔)
نلیتھا نے دبیٹے سے داغ کندھوں کو جھٹک کر کہا: "فی الحال میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ میں خود حیران ہوں کہ کیا جواب دوں اور میکو میزن جب عاشق منقبس ہزار کوہستانی سپاہیوں کی مدد سے اپنا عشق کسی عورت پر جبراً ٹھونس رہا ہو تو وہ بے چاری انکار کیسے کر سکتی ہے؟"

اس نے اپنی لانبی پلکوں تلے سے مسکرا کر مہتری کی طرف دیکھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد ہم دوسرے کمرے میں جانے کے لئے اٹھے۔

"کوانٹرمین۔ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اسی وقت مہتری نے کہا۔ "آج تک میں نے تم سے کچھ کہا نہیں لیکن تم نے میرے دل کی بات محسوس کر لی۔ سچ میں نلیتھا سے محبت کرتا ہوں... کوانٹرمین میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا... اب میں کیا کروں؟"

میں مہتری کی پریشانی کے سبب سے واقف تھا اور اسی وقت خوش قسمتی سے ایک تدبیر ذہن میں آ گئی۔

"مہتری آج رات تم کسی طرح سے بھی تنہا نلیتھا سے ملو۔" میں نے کہا۔ "اگر آج تم اپنی محبت کا اظہار نلیتھا پر نہ کر سکے تو یاد رکھو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو دو گے۔ ابھی جب ہم کمرۂ نشست میں جائیں تو نلیتھا کے پاس جا بیٹھنا اور اس طرح سے کہ کوئی سنے نہیں۔ اس سے کہنا کہ تم آج آدھی رات کو دیدماس کے پاس اس سے تنہائی میں ملنا چاہتے ہو۔ اس جگہ ایک سرے پر میں کھڑا پہرہ دیتا رہوں گا اس لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کرے گی۔ اگر تم اتنی سی بات کرنے میں ناکام رہے تو زندگی بھر روتے رہو گے۔"

ہم کمرۂ نشست میں داخل ہوئے۔ نلیتھا اپنے ہاتھ گود میں دھرے خالی الذہن بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے سے فکر و تردد کے آثار ہویدا تھے۔ نلیتھا سے کچھ دور سورائیس میٹھی گڈ سے مصروف گفتگو تھی اور گڈ بھول کر کپا ہوا جارہا تھا جیسے کہہ رہا ہو ..... جو میرے سے وہ راجہ کو نہیں وقت گزرتا گیا۔ پانچ منٹ، دس منٹ اور میں جانتا تھا کہ معمول کے مطابق پندرہ منٹ بعد ہی ملکائیں اپنے اپنے کمروں میں چلی جائیں گی اور اب تک ہنری کو نلیتھا سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہم دونوں بہنوں سے خاصے بے تکلف ہو چکے تھے لیکن ان میں سے ایک کو تنہائی میں ملنے کے لئے کہنا اور وہ بھی محبت کے سلسلے میں کچھ آسان کام نہیں تھا۔ وقت گزرتا جارہا تھا۔ ہنری بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا اور بات کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دیا اور ایک ترکیب سوجھی۔

"ملکہ" میں نے سورائیس کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔ "آج ہمارے دل کچھ بجھے بجھے سے ہیں۔ ملکہ کے گانے کی بہت تعریف سنی ہے۔ کیا آپ اپنے گانے سے ہم خادموں کو محظوظ نہ فرمائیں گی۔ آہ خاتونِ شب (سورائیس زدر میں میں اسی نام سے مشہور تھی) آپ کے غلام آپ کے سامنے دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا گیت سنا دیجئے۔"

"میکومیزن۔ میرے گیتوں سے پژمردہ دل کھل نہیں اٹھتے۔ بڑے غمناک گیت ہوتے ہیں میرے۔ لیکن میں تمہاری درخواست رد نہ کرتے ہوئے گاؤں گی۔"

سورائیس اپنی جگہ سے اٹھ کر اس میز کے قریب جا کھڑی ہوئی جس پر

جھنجھنا نے کی قسم کا ایک ساز رکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی نازک انگلیاں تاروں پر پھیریں اور تار نہایت میٹھی آواز میں جھنجھنا اٹھے۔

بلبل کی سی سریلی آواز میں سوراتیس نے ایک گیت شروع کیا۔ بے حد غمناک، بے حد پر تاثیر۔ سوراتیس کی آواز یوں معلوم ہو رہی تھی جیسے خوابناک وادیوں سے آ رہی ہو۔ پھر وہ بلند ہوتی چلی گئی اور ہمارے ذہن تخیل کی وادیوں میں بھٹکنے لگے۔ بہت ہی خوبصورت گیت تھا وہ۔ لیکن میں معنی کی الجھنیں سلجھانے میں ایسا مگن تھا کہ غور سے نہ سن سکا۔ بہرحال جتنا بھی سنا اور سمجھ سکا۔ اس کا ترجمہ یہاں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

"سوراتیس کا گیت"

زندگی۔

اس تنہا پرندے کی مانند ہے

جو اتھاہ تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے۔

اپنے نازک نازک پروں سے راستہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن صبح ہونے سے پہلے بے دم ہو کر گر جاتا ہے۔

زندگی اس ہاتھ کی مانند ہے

جو عالم سکوت میں بے جانی سے اٹھتا ہے

کہ موت کا مقابلہ کرے

لیکن شکست کھا جاتا ہے

ایسی ہی زندگی

ہاں ایسی ہی ہے زندگی

دکھوں، مسرتوں، غمناک اور طربناک گیتوں کا مجموعہ ہے۔

کیا یہی ہے زندگی
فانی، بے چینی اور غم و اندوہ سے بھرپور ؟
لیکن محبت ......
جیسے بلبل کا سریلا گیت
پپیہے کی تانیں۔ اور کوئل کی کوک۔
لذت آفریں اور پرلطف
محبت
جیسے آسمان کی نیلاہٹوں میں
پرواز کرتی ہوئی مقدس روح
ہاں محبت ایسی ہی ہے۔
بے لوث، پاک وصاف اور شفاف
محبت
فانی زندگی کے مقابلے میں
لافانی ہے وہ کبھی ختم نہ ہوگی۔
محبت
ایک شرارہ ہے۔ ایک نہ بجھنے والی آگ ہے
خدا کے لئے اس دل کو نہ چھیڑنا
جو محبت سے سرشار ہے
ورنہ یہ آگ۔ یہ شرارہ
تمہیں پھونک دے گا۔
اس کا مذاق نہ اڑانا۔ اس کی ہتک نہ کرنا

ورنہ وہ اپنا بدلہ لے گی۔ سخت بدلا۔

ایسی ہوتی ہے محبت "

"ہاں کرسٹس اب وقت ہے" جب سورائیس نے محبت کا نغمہ شروع کیا تو میں نے ہنری کے کان میں کہا اور دونوں کی طرف سے پشت کر کے بیٹھ گیا۔

"نلیتھا" ہنری نے بڑی آہستگی سے کہا لیکن میرے کان اتنے حساس ہو گئے تھے کہ میں اس کا ایک ایک لفظ سن سکتا تھا "نلیتھا۔ میں آج تنہائی میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے انکار نہ کرنا۔"

"لیکن میں تنہائی میں تم سے کیسے مل سکتی ہوں؟" نلیتھا نے کہیں خلا میں گھورتے ہوئے کہا "ملکہ عام عورتوں جیسی نہیں ہوتی۔ وہ کہیں تنہا نہیں جا سکتی اس پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ دشمن کے جاسوس اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں"

"نلیتھا سنو۔ آج آدھی رات گزرے۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔ بڑے کمرے میں ریدماس کے خیمے کے پاس محافظ مجھے جانتے ہیں اس لئے میں بلا روک ٹوک ہر جگہ آ جا سکتا ہوں۔ میکو میزن اور زولو اسلوپوگاس دروازے پر ہوشیار کھڑے رہیں گے۔ اور اگر کوئی خطرہ نظر آئے گا تو ہمیں فوراً آگاہ کر دیں گے۔ میری اچھی ملکہ انکار نہ کرو۔ کہو کہ تم ضرور آؤ گی"

سورائیس نے گیت ختم کیا لیکن ساز کی آواز اب تک فضا میں تھرتھرا رہی تھی "میں آؤں گی" نلیتھا نے جلدی سے کہا "لیکن خیال رہے انکبو۔ مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہ کرنا۔"

—•—

رات خاموش رات۔

خاموشی میلوسس پر گھنے بادلوں کی طرح سایہ فگن تھی۔ میں اسلوپوگاس اور بہزنیا۔ چھپتے ہوئے بدکار مجرموں کی طرح پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے پیچ در پیچ گردوں سے گزر رہے تھے۔ ایک بار پہریداروں نے چلا کر پوچھا۔ کون جا رہا ہے اور میرے جواب دینے پر اس نے اپنا نیزہ ہٹا کر زمین پر ٹیک دیا اور ہمیں گزرنے دیا۔ ہم ملکائوں کے محافظ دستے کے افسر کو جانتے تھے اس لئے ہمیں ہر جگہ آنے جانے کی اجازت تھی۔

بڑا کمرہ اتنا خاموش اور خالی تھا کہ ہم اسے پار کر چکے تھے لیکن اب تک ہمارے قدموں کی چاپ اس میں گونج رہی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھوت کمرے کی دیواروں پر دبے قدموں چل پھر رہے ہوں۔ خاموش اور خالی کمرہ نہایت ہیبت ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ آسمان پر چمکتے ہوئے پورے چاند کی کرنوں نے کمرے کے روشندانوں سے گزر کر مرمریں فرش پر نورانی دھبے ڈال دیئے تھے جیسے کسی جنازے کے تابوت پر سفید سفید پھول چاند کی چند کرنیں۔ دیدیاس اور اس پر جھکی ہوئی مقدس خاتون کو نور میں نہلا رہی تھیں۔

ہم اس مجسمے کے قریب جا کھڑے ہوئے اور نلیتھا کا انتظار کرنے لگے۔

اسلوپوگاس ہم سے چند قدم آگے کھڑا ہوا تھا اس کا سیاہ جسم اندھیرے میں جیسے تحلیل ہو گیا تھا اور اس کے انگوٹھی کا سی کا پھل تاریک رات میں

تنہا مستانے کی طرح چمک رہا تھا۔

ہمیں نلنتھا کا انتظار کرتے ہوئے اتنی دیر ہو گئی کہ میں مجسمے کی چوکی پر بیٹھ گیا اور پھر اونگھ گیا۔ پتہ نہیں کب تک اونگھتا رہا کہ ایک دم سے ہزی نے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا۔ کمرے کے آخری سرے سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے وہاں کھڑے ہوئے مجسمے آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہوں۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا اور غور سے سننے لگا۔ وہ کسی عورت کے ریشمی کپڑوں کی سرسراہٹ تھی۔ یہ سرسراہٹ قریب تر آتی جا رہی تھی۔ قریب۔ اور قریب۔ تاریکی کے پردے میں سے ایک سفید سایہ نمودار ہوا۔ جو ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ طویل القامت زولو نے اپنا کلہاڑا بلند کر کے سفید سائے کو سلام کیا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ سایہ نلنتھا میں تبدیل ہو گیا جو ہمارے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ ایک سکنڈ کے لئے جب وہ روشندان سے آتی ہوئی چاندنی کے دھبے میں کھڑی رہی تو کتنی حسین معلوم ہوتی تھی؟ وہ اپنا ایک ہاتھ سینہ پر دھرے ہوئے تھی اور اس کی بے داغ چھاتی تیزی سے دھڑک رہی تھی۔ وہ سر پر رومال باندھے ہوئے تھی اس طرح سے کہ اس کا سایہ اس کے خوبصورت چہرے کو ڈھانکے ہوئے تھا۔ وہ گھڑی بھر کے لئے رکی اور پھر حسن کی دیوی وینس کی طرح آگے بڑھی۔ شرماتی جھجکتی۔ میں نے اور ہزی نے اسے سلام کیا۔

"انکیو! اپنے وعدہ کے مطابق میں آگئی"۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن تم نہیں جانتے کہ مجھ پر کس طرح سے نظر رکھی جاتی ہے۔ پجاری میری نقل و حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔ سورائیس اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے میرے ہر ہر قدم کو ناپتی تولتی ہے۔ ناستا کے جاسوس بھی میرے پیچھے لگے

ہوئے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی بھی اسے خبر کرتے رہتے ہیں۔ ناستا
سے ہوشیار رہنا چاہئے کہ ....اوہ" اس نے اپنا نازک پیر زمین پر پٹخا
"میں عورت ہوں ناستا اگر سر پٹخ کر مر بھی جائے تو مجھ پہ قابو حاصل نہیں
کر سکتا میں عورت ہونے کے ساتھ ساتھ ملکہ بھی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ
میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے اس کا سر لے لوں"۔

وہ مسکرائی۔ ایک ساحرہ کی طرح۔ اور پھر اس کے منہ سے ایک نقرئی قہقہہ
پھوٹ پڑا۔

"انگلبو۔ تم نے یہاں آنے پر مجھے مجبور کیا ہے۔ یقیناً دشمنوں کی چالوں
کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہوا ہو گا جس سے تم مجھے باخبر کرنا چاہتے ہو
یا پھر شاید کچھ ملکی معاملات ہی سلجھانے ہوں۔ تم واقعی زیرک اور عقلمند
ہو۔ مجھے احساس ہے کہ تم میرے ملک اور رعایا کے خیر خواہ ہو۔ چنانچہ
میں تمہارے بلاوے پر یہاں آ گئی۔ کہو کیا کہنا ہے۔ اس تاریکی میں تو میرا
دم گھٹنے لگا ہے۔ ہنری کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے وہ پھر ہنسی۔
اس وقت مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں وہاں سے ٹل جاؤں لیکن ابھی
میں دو چار ہی قدم چلا ہوں کہ نلیتھا نے یہ کہتے ہوئے مجھے روک لیا کہ اسے
خوف ہے کہ کہیں کوئی غیر متوقع واقعہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں وہیں رک
گیا اور ان کی وہ باتیں الف سے ے تک سنیں جو "محبت کا راز" کے نام
سے مشہور ہیں۔

"نلیتھا تم بخوبی جانتی ہو کہ اس وقت میں نے تمہیں سیاسی گتھیاں
سلجھانے کے لئے نہیں بلایا۔" ہنری نے کہا "کون ایسا احمق ہو گا جو نصف
رات گئے ملکی معاملات میں دماغ کھپائے؟ نلیتھا مذاق میں نہ ٹالو۔ سنو۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں ۔ تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں ۔"

زلیتھا کے چہرے سے بہ یک وقت خوشی اور غم کے جذبات ٹپکنے لگے لیکن چند ثانیوں کے بعد وہاں ان کی جگہ محبت اور پیار کے معصوم جذبات نے لے لی اور وہ لیلیٰ بالیقین ہر جھلکی ہوئی "مقدس خاتون" جیسی معلوم ہونے لگی معصوم، حیران مسرور اور محبت سے پُر۔

"تم کو مجھ سے محبت ہے ؟ تم کہتے ہو ۔ تم کہتے ہو تم مجھے دل و جان سے چاہتے ہو ؟" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "کیسے یقین کر لوں ! اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم سچ کہتے ہو اور مجھ سے کھیلنا نہیں چاہتے ؟"

"میں جانتی ہوں ۔" اس نے اپنا لہجہ بدل کر کہا کہ میں اپنے آقا انکیو کی نظر میں کچھ نہیں ۔ اپنے اس آقا کی نظروں میں بڑا ہی عجیب لوگوں میں سے یہاں آیا ہے اور تیرے ملک کے لوگ جس کے سامنے محض طفل مکتب ہوں ۔ بھلا میرا حسن کیا اہمیت رکھتا ہے ؟

ان کے ملک میں مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت عورتیں ہوں گی !"

وہ کچھ دیر خاموش رہی ۔

" لیکن یہاں ۔ میں اپنے ملک میں حسین ترین عورت تسلیم کی جاتی ہوں ۔ دوسری کوئی میری پاپوش کی برابری نہیں کر سکتی ۔ امرائے میرے لئے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں ۔ میرے لئے بھائی بھائی کا گلا کاٹ سکتا ہے ۔ مجھے حاصل کرنے کیلئے شریف کمینے اور کمینے شریف بن جاتے ہیں ۔ زود بندی میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک لوگ میرے نام کی مالا جپتے ہیں میری ایک جھلک انہیں دیوانہ بنا سکتی ہے ۔ میرے کہنے پر لوگ زہر کو امرت سمجھ کر پی جاتے ہیں اور میرے ایک اشارے پر پہاڑ کو اپنی جگہ سے کھسکا سکتے ہیں ۔

میرے سر کی ایک جنبش زرد بندی میں خون کی ندیاں بہا سکتی ہے اور میری ایک معمولی سی مسکراہٹ ہزاروں کو جلا سکتی ہے۔ خرگوش سے لے کر ایک خونی بھیڑیا تک میرے عشق میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ یہ میرا حسن ہے یہ میرا جادو ہے جو میرے اپنے ملک کے لوگوں پر چلتا ہے۔ اگر میں ان بے سروپا باتوں سے میرے آقا کی سمع خراشی ہوتی ہو تو میں معافی کی طلبگار ہوں۔ میرے آقا کہتے ہیں کہ انہیں مجھ سے محبت ہے۔ مجھ سے۔ زرد بندی کی ملکہ سے جس کے دل اور ہاتھ کو جسے وہ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں شاید انہیں کوئی قدر نہ ہو لیکن میرے لئے یہ دونوں چیزیں بیش بہا سب کچھ ہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

"آہ"۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "میں کیسے یقین کر لوں کہ تم کو مجھ سے اور صرف مجھ ہی سے محبت ہے؟ میں کیسے جان سکتی ہوں کہ تمہاری محبت جھوٹی اور ناپائیدار نہیں؟ یہ کیسے معلوم کروں کہ چند دنوں بعد ہی تم مجھ سے اکتا نہیں جاؤ گے؟ کیسے مان لوں کہ تم ہمیشہ مجھ سے محبت کرتے رہو گے اور مجھے تنہا چھوڑ کر اپنے ملک اور اپنے لوگوں میں واپس نہیں جاؤ گے؟ کیا پتہ کہ ایک اور عورت بھی ہو جو اس وقت تمہاری یاد میں بیٹھی جاگ رہی ہو۔ ممکن ہے وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہو۔ کیا پتہ ایک روز تمہیں اس عورت کی یاد آجائے اور تم مجھے چھوڑ کر چلتے بنو۔ اف۔ مجھے کون یقین دلا سکتا ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے؟ کیسے یقین کر لوں کہ تم آخر دم تک مجھ ہی سے پیار کرو گے؟"

اس نے مارے اضطراب کے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیں اور پر امید مگر بے چین نظروں سے ہنری کی صورت تکنے لگی۔

نابغقا " ہنری نے کہا " میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہیں دیوانہ وار چاہتا ہوں۔ اب یہ میں کیسے بتاؤں کہ تمہیں کتنا چاہتا ہوں؟ آج تک تو محبت ناپنے کا کوئی پیمانہ ایجاد ہوا نہیں۔ نہ تمہارے ملک میں اور نہ میرے ملک میں کہ میں تمہاری اور تم میری محبت ناپ سکو۔ لیکن پھر بھی میں تمہارے ان شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کروں گا۔

" نلپفا میں نہیں کہتا کہ آج سے پہلے میں نے کسی عورت کو پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھا لیکن تم وہ پہلی عورت ہو جسے میں نے دل دیا ہے اور جسے سچا تن من دھن سے چاہتا ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور مرتے دم تک کرتا رہوں گا اور مرنے کے بعد بھی میری روح تمہاری تلاش میں سرگرداں رہے گی۔ کوئی پیاسا ایڑیاں رگڑ رہا ہو تو پانی کے چند قطرے اسکے لئے آب حیات ثابت ہوتے ہیں۔ میں وہ پیاسا ہوں جو ایڑیاں رگڑ رہا ہے تمہاری ایک مسکراہٹ، تمہارا ایک لفظ مجھے زندگی بخش سکتا ہے۔ تمہی سے میری کیا زندگی کی بہار ہے۔ تمہارے بغیر یہ دنیا مجھے قید خانہ معلوم ہوتی ہے اور تمہاری موجودگی مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتی ہے میں تمہاری محبت میں سرشار رہوں اور یہ وہ نشہ ہے جو کبھی نہ اترے گا۔ نلپفا میں تمہیں کبھی دھوکا نہیں دوں گا۔ مرتے دم تک نہیں۔ تمہارے لئے میں اپنے ملک اور اپنے لوگوں کو بھلا دوں گا۔ تمہارے ہی قدموں میں جیوں گا اور تمہارے ہی قدموں میں دم توڑوں گا۔ میری زندگی تمہارے اختیار میں ہے چاہے جلا لو چاہے مار ڈالو؟

ہنری خاموش ہو گیا۔ اور پر امید نظریں نلپفا کے چہرے پر گاڑ دیں جس کا سر نازک ڈنٹھل پر لگے ہوئے کنول کی طرح جھکا ہوا تھا اور وہ خاموش تھی۔

"نلپتھا۔ ادھر دیکھو۔" ہنری نے ریدماس کے مجسمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم دیکھ رہی ہو کہ مقدس خاتون نے اپنے لمس سے ریدماس کی روح کو اس طرح سے روشن کر دیا ہے کہ اس کی مہک سے ریدماس کی بلندیاں دمک اٹھی ہے۔ بس نلپتھا یہی معاملہ میرے ساتھ ہے تم وہ مقدس خاتون ہو جو مجھے زندگی بخش سکتی ہو۔ میرا دل۔ میری زندگی اور میری روح تمہاری نذر ہے اب وہ میری نہیں رہی۔ میں سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا ازل اور مرتے دم تک تمہارا ہی ہوں۔"

ہنری مجسمہ کی چوکی پر جھک گیا جیسے اس کی طاقت جواب دے گئی ہو اس کے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا لیکن آنکھیں محبت کے جذبات سے چھلک رہی تھیں۔

آہستہ آہستہ نلپتھا نے اپنا سر اٹھایا اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا اور آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ اس نے یوں ہنری کی طرف دیکھا جیسے اس کی روح کی گہرائیوں میں جھانک رہا ہو۔

"میں ایک کمزور عورت ہوں انکبو۔" اس نے کہا۔ "اور یہ شاید میری کمزوری ہے کہ تمہاری ہر بات کو سچ سمجھتی ہوں لیکن یاد رکھو انکبو ایک نہ ایک دن اگر تم جھوٹ کہتے ہو تو یہ جھوٹ ظاہر ہوگا اور وہ دن میرا اور ساتھ ہی تمہارا بھی آخری دن ہوگا۔ تم وہ شخص ہو جو پتہ نہیں کہاں سے میرا ہمدرد اور غمگسار بن کر آ گئے۔ میں تمہاری ہوں انکبو۔ آخری سانس تک تمہاری۔ ریدماس کے مجسمے کے سامنے آج وہ عورت اپنا ہاتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہارے ہاتھ میں دے رہی ہے جسے کسی نے نہیں چھوا جو صبح کی ہوا کی طرح پاک و صاف ہے۔ بلکہ ریدماس کی نلپتھا جس کے ہونٹوں کو کسی نے نہیں چھوا

آج تمہیں اپنے اندر نٹ پیش کرتی ہے" اور اس نے ہنری کے پیاسے ہونٹوں پر اپنے لب رکھ دیئے۔

"دانکیو میں اپنے اس پہلے بوسے کی مقدس بانو دون، سورج دیوتا اور اپنے اس تخت کی جو شاید تمہاری خاطر مجھے چھوڑنا پڑے۔ قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں تمہاری ہوں۔ میں نے اپنا ہاتھ آج تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اور اسے کبھی واپس نہیں لوں گی۔ میری موت اور زیست تمہارے اختیار میں ہوگی۔ مرتے دم تک تم سے اور صرف تم سے سچی اور بے لوث محبت کرتی رہوں گی اور اگر تمہارے مذہب کے مطابق موت کے بعد بھی کوئی حیات ہے تو اس زندگی میں بھی تمہاری رہوں گی۔ تمہاری خوشی میری خوشی ہوگی اور تمہارا راستہ میرا راستہ ہوگا"۔

"آہ۔ میرے آقا۔ دیکھو۔ جب ایک عورت کسی سے محبت کرنے لگتی ہے تو وہ کتنی عاجز و حقیر ہو جاتی ہے۔ میں ملکہ ہوں۔ ہزاروں انسان میرے ایک اشارے پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہیں۔ میرے اشارے پر ہواؤں کے رخ بدلے جا سکتے ہیں۔ زمین کا سینہ چاک کیا جا سکتا ہے۔ وہی باوقار اور مغرور ملکہ تمہارے قدموں پر جھکتی ہے۔ میری عزت و آبرو۔ میرے آقا تمہارے قدموں میں ہے"!

اور وہ حسین جاندار اور مرمریں مجسمہ ہنری کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ میں نہ جان سکا۔ کیونکہ اس پیمان محبت کے بعد میرے لئے وہاں کھڑا رہنا مشکل تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے ہٹ کر اسلوپوگاس کے قریب جا پہنچا اور سچ پوچھیئے تو اس وقت میرا وہاں سے ٹل جانا ہی بہتر تھا۔ دو محبت بھرے دل ایک دوسرے

ہوا بند، پوشیدہ خزانے نچھاور کر رہے تھے اور اس میں اگر کوئی خفیہ شریک ہو جائے تو یہ کوئی مناسب بات نہ ہوتی۔ کافی دیر تک ان دونوں میں پتہ نہیں کیا راز و نیاز ہوتے رہے۔

املوپوگاس حسبِ معمول اپنے الاؤ کی گھاس پر جھکا مسکرا مسکرا کر ہنری اور ملیتھا کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے بزرگ معصوم بچوں کی احمقانہ حرکتوں کو دیکھتے ہیں۔

"آہ میکومیزن" املوپوگاس نے کہا "شاید بڑھاپے کے سبب میری عقل زنگ آلود ہو گئی ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں تم سفید فاموں کے طور طریقے سمجھ نہ سکا۔" اب اس طرف دیکھو۔ املوپوگاس نے ہنری اور ملیتھا کی طرف اشارہ کیا۔ "کبوتروں کا بہترین جوڑا ہے یہ لیکن ان کی حرکتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ خواہ مخواہ یہ دونوں بات کا بتنگڑ بنا رہے ہیں۔ ارے بھائی ہمارے انکبو کو ایک بیوی کی ضرورت ہے تو وہ مردوں کی طرح اس گائے کو جو اس کو پسند ہے لا کر تھان پر باندھ نہیں لیتا؟ لیکن وہ دونوں ہیں کہ پاگلوں کی طرح باتیں کیے جا رہے ہیں اور بے تحاشا ایک دوسرے کو چومے جا رہے ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ ملکہ کو بھی ہمارا انکبو پسند ہے اور وہ بذاتِ خود انکبو کے تھان پر بندھنے کو پسند کرتی ہے تو پھر یہ نخرے بگھارنے سے فائدہ؟ آخر یہ چوما چاٹی کا مطلب کیا ہے؟ دونوں راضی ہیں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ پھر یہ آدھی رات کو خواہ مخواہ پریشان ہونے اور ہم دونوں کو پریشان کرنے سے فائدہ؟ یہ فیصلہ تو کبھی کا ہو چکا ہوتا اور ہم مزے سے اپنے بستروں پر پڑے خراٹے لے رہے ہوتے۔ لیکن

یہ دونوں تو جیسے دنیا سے دور گئے ہوں کسی پٹ مار سے جب ایک دوسرے سے اور زمانے سے کھڑے چلے مار لیے ہیں۔

"میرے دوست تم ان دونوں کو نہیں سمجھ سکتے۔" میں نے مسکرا کر کہا

کوئی پون گھنٹہ بعد، کبوتر کا جوڑا آہستہ آہستہ جیسے چہل قدمی کر رہا ہو ہماری طرف بڑھا۔ نلیپتا نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ اپنے نرم و نازک ہاتھ میں لے لیا

"تم میرے آقا کے عزیز ترین دوست ہو۔" اس نے کہا۔ "اسی لیے مجھے بھی دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہو۔"

عورتوں کا یہ مروجہ اخلاق ہو کہ اس نے شکریہ کا ایک لفظ بھی نہ کہا اور فوراً ہی امسلوپوگاس کا کلہاڑا لے کر اسے دلچسپی اور حیرت سے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی اور پھر امسلوپوگاس سے مخاطب ہوئی۔

"دیوتا صفت۔ مجھے یقین ہے کہ جلد ہی وہ وقت آ جائے گا جب تمہیں اپنے اس ہتھیار کو میری حفاظت کے لئے استعمال کرنا پڑے گا۔"

اس نے اپنی گردن کو ہلکا سا جھٹکا دے کر ہمیں رخصتی سلام کیا۔ اپنے پیارے ہنری کو پیار بھری نظروں سے دیکھا، مسکرائی اور تاریکی میں سہانے سپنے کی طرح غائب ہو گئی۔

جب ہم کسی حادثہ سے دوچار ہوئے بغیر اپنے کمرے میں پہنچ گئے تو ہنری نے پوچھا کہ اس وقت میں کس سوچ میں ہوں۔ "میں حیران ہوں" میں نے کہا: "کہ کن اصولوں کی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کچھ لوگوں کو نہایت حسین عورتیں مل جائیں اور کچھ بیچارے بالکل کورے ہی رہیں عورت تو ایک طرف رہی بیچاروں کو ایک چوہیا بھی نہیں ملتی جو ان سے

محبت کرے۔ عجیب اندھا قانون ہے یہ۔ اور ہنری میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات کا معمولی سا واقعہ کون سے غیر معمولی طوفان اٹھائے گا۔

شاید آپ اسے میری کم ظرفی کہیں کہ میں نے ہنری کو ایسا تلخ جواب دیا۔ لیکن جناب کئی انسانی جذبات ایسے ہوتے ہیں جو عمر کا ساتھ نہیں دیتے وہ اپنی جگہ پر ایسے ہی قائم رہتے ہیں۔ نہ تو وہ عمر کے ساتھ گھٹتے ہیں اور نہ ہی بڑھتے ہیں۔ یہ اعتراف کرتے ہوئے میں شرمندگی محسوس کر رہا ہوں کہ ہنری کی قسمت پر مجھے رشک آرہا تھا۔ حسد و رقابت کی ہلکی سی چنگاری مجھ بوڑھے کے اس دل میں جو راکھ ہو چکا تھا چمکی تھی لیکن یہ جذبات محض عارضی تھے۔

صبح اٹھتے ہی گڈ کو رات کا خوشگوار واقعہ سنا دیا گیا۔ گڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ گئی۔ اس کی مسکراہٹ بھی عجیب تھی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ تالاب کے ٹھہرے ہوئے پانی میں چھوٹی سی کنکری پھینک دی جائے تو اس کی سطح پر ہلکی ہلکی لہریں اٹھنے لگتی ہیں جو پھیل کر کنارے تک آجاتی ہیں۔ گڈ کی مسکراہٹ بھی کچھ اس قسم کی تھی۔ وہ اس کے ہونٹوں سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ اس کے چہرے پر پھیل جاتی یہاں تک کہ اس کی یک چشمی عینک بھی مسکراتی معلوم ہوتی اور یہ اس کی مسکراہٹ کی انتہا ہوتی۔ پھر جس تیزی سے یہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلتی تھی اسی تیزی سے غائب ہو جاتی۔

چنانچہ گڈ اسی طرح سے مسکرایا اس کی یہ خوشی اس لئے نہ تھی کہ ہنری کو حسین ترین عورت مل گئی تھی بلکہ اس لئے تھی کہ وہ بھی سوراکیس کو اتنا ہی چاہتا تھا جتنا ہنری نلیپتا کو اور دیری طرح اسے بھی معلوم تھا کہ

...ورا ٹیس کا رجحان بہ نسبت گڈ کے ہنری کی طرف زیادہ ہے چنانچہ یہ جان کر اسے روحانی مسرت حاصل ہوئی کہ اس کا رقیب کسی اور کے دام میں پھنس گیا اور اب اس کا راستہ بالکل صاف ہے لیکن جب اس سے کہا گیا کہ وہ اس بات کا ذکر فی الحال کسی سے نہ کرے۔ سورا ٹیس سے بھی نہیں تو اس کا منھ لٹک گیا۔ ہم نے اسے تاکید کر دی کہ یہ بات اپنے تک رکھے۔ اس راز کے فاش ہونے سے ملک میں بغاوت پھیل جانے کا خدشہ تھا اور شاید نلیتھا کو اپنے تاج و تخت سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں گڈ نے ایک سچے دوست کی طرح اپنے دل پر جبر کر کے ہم سے رازداری کا وعدہ کیا۔

اس صبح جب ہم دربار میں حاضر ہوئے تو میں رات کا واقعہ یاد کر کے مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اگر دیوار دل کے زبان ہوتی تو آپ ان سے عجیب و غریب اور سنسنی خیز کہانیاں سن سکتے۔

عورتیں بھی کتنی کامیاب اداکارہ ہوتی ہیں۔

نلیتھا اپنے تمام شاہی وقار اور تمکنت کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز تھی اور جب ہنری نے داخل ہو کر اسے سلام کیا تو اس نے انتہائی غرور اور بے رخی سے اس کے سلام کا جواب گردن ہلا کر دیا اور دوسری طرف یوں متوجہ ہو گئی جیسے ہنری سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ دربار عام و خاص لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آج قانونی مسودات پر ملکا کے دستخط ہونے والے تھے اور اس روز عام دنوں سے کچھ زیادہ ہی لوگ آتے ہیں لیکن یہ خبر کہ ناستا بھرے دربار میں نلیتھا سے شادی کی درخواست کرے گا۔ آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور ملیوسس

کی قریب قریب پوری آبادی فیصلہ سننے کے لئے امنڈ آئی تھی۔ دربار کا وسیع و عریض کمرہ انسانوں سے اتنا بھرپور تھا کہ اگر سوئی بھی گرتی تو فرش پر گرنے نہ پاتی۔

ہمارے دوست پجاری بھی موجود تھے اور پیشوائے اعظم رگیون اپنے گروہ سے چند قدم آگے کھڑے اپنی مقدس ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ آج کے دربار میں کئی ایک دور دور کے امرا بھی شریک تھے اور انکے بیچ میں ھوڑانا ستا اپنی گھنی سیاہ ڈاڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے شرافت ٹپک رہی تھی۔ پجاری اور امرا ہمیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ بڑا دلچسپ اور مرعوب کن نظارہ تھا وہ۔

مسودات پر دستخط شروع ہوئے ایک افسر دونوں تختوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر مسودہ اونچی آواز میں پڑھ کر لوگوں کو سناتا اور پھر کاغذ ملکاؤں کی طرف دستخط کے لئے بڑھا دیتا۔ دستخط کا سلسلہ بڑی دیر تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری مسودہ افسر نے اٹھا کر بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ اس میں اجنبیوں کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔ ہم تینوں کو امراء میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ہمیں تمام فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا تھا اور ملکاؤں نے ہمیں بڑی بڑی جاگیریں عطا کی تھیں۔ ہم احسان مندی اور شکریہ کے طور پر ملکاؤں کے سامنے جھک گئے لیکن امراء اور پجاریوں کے چہرے پر سیاہی پھر گئی اور وہ آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔ ناستا مارے طیش کے دانت پیسنے لگا۔ رگیون نے جلدی جلدی اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اسے نوچنے لگا۔ ہمارے ساتھ ملکاؤں نے جو سلوک کیا تھا وہ ان کو ناگوار گزرا تھا۔

اب ناستا آگے بڑھا اس نے سر جھکا کر نلینھا کو سلام کیا لیکن اس کی آنکھوں میں بجائے خلوص کے شیطانی چمک تھی۔ اس نے نلینھا سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ ملکہ کے چہرے کا رنگ ایک دم سے اتر گیا اور سرخ ہونٹ ادس ہو گئے لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ پر قابو حاصل کر کے ناستا سے کہا کہ اسے جو کچھ کہنا ہے بلا جھجک کہے۔

ناستا نے بلا جھجک ایک ماہر سیاستدان کی طرح نلینھا سے شادی کی درخواست کی۔ اس سے پہلے کہ نلینھا کچھ کہتی رنگیون نے آگے بڑھ کر ناستا کی تائید میں تقریر شروع کر دی۔ اس نے شادی کے فوائد گنانے شروع کیے۔ اس نے کہا کہ اس شادی سے ملک کی فوجی قوت بڑھ جائے گی اور وحشی کوہستانیوں کو ملک پر حملہ کرنے کی کبھی جرات نہ ہو گی۔ ناستا بھی کوئی کم درجہ یا کم حیثیت شخص نہیں ہے اپنے کوہستانی علاقے کا وہ بھی بادشاہ ہی ہے۔ اس کے علاوہ ناستا ایک قابل جرنیل ہے اور ان کی اولاد ان کے بعد زدوبندی کے تخت کی وارث ہو گی اور یہ کہ سورج دیوتا بھی اس شادی سے خوش ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

رنگیون کے کئی دلائل واقعی بڑے زوردار تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاسی طور پر اس شادی کی بہت بڑی اہمیت تھی اور کئی اچھے نتائج نکل سکتے تھے لیکن بدقسمتی سے نلینھا کسی اور کو دل دے چکی تھی اور آپ جانتے ہیں محبت سیاست سے بالاتر ہے۔ رنگیون کی تقریر سن کر نلینھا مسکرا رہی تھی اور اس مسکراہٹ میں ایک بجلی پوشیدہ تھی جو رنگیون اور ناستا پر گرنے والی تھی۔

آخر کار رنگیون خاموش ہو گیا اور اب نلینھا کے جواب دینے کی باری تھی۔ فوراً ایمیسا نے جھک کر نہایت نیچی آواز میں اپنی بہن کو مشورہ دیا۔ لیکن میں نے اس کا ایک ایک لفظ سن لیا۔

"بہن جلدی میں کوئی الٹا سیدھا فیصلہ نہ کرنا۔" اس نے کہا۔ "سوچ سمجھ کر جواب دینا کیونکہ جہاں تک میں سمجھتی ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری حکومت کا دارو مدار تمہارے جواب پر ہے۔"

نلیتھا نے کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ سوزانیس نے اپنے کندھے جھٹکے اور اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے اپنی بہن کا جواب سننے کے لئے سیدھی ہو بیٹھی۔

"حقیقت میں میں اپنی خوش قسمتی پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔" نلیتھا نے کہا۔ "کہ نہ صرف میرا ہاتھ امیر الامراء نے طلب کیا ہے بلکہ مقدس رنگیوں نے سورج دیوتا کی خوشنودی بھی ظاہر کر دی ہے اور میرا خیال ہے کہ مقدس رنگیوں شادی کی تیاریاں مکمل کر کے ہی یہاں تشریف لائے ہوں گے۔ ناستا میں تمہاری شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے اس عزت کے قابل سمجھا۔ میں تمہاری اس درخواست کو یاد رکھوں گی لیکن مجھے افسوس ہے کہ فی الحال میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس لئے فی الحال میں کوئی جواب نہیں دے سکتی۔

اور نلیتھا نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ اب جانا چاہتی ہے۔ ناستا کا چہرہ اس کی داڑھی ایسا سیاہ ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ملکہ کا یہ گول مول جواب ایک طرح سے صاف انکار ہی ہے۔

"ملکہ نے جن نرم الفاظ میں مجھے جواب دیا ہے اس کے لئے میں ممنون ہوں۔"

کچھ دیر بعد ناستا نے کہا۔ "میں ملکہ کے ان الفاظ کو یاد رکھوں گا۔

اب میں ملکہ سے کہوں گا کہ وہ مجھے اپنے کوہستانی علاقے کی طرف جانے کی اجازت دیں۔ وہاں میں ملکہ کے جواب کا اس وقت تک انتظار کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ کوئی فیصلہ کر کے اقرار یا انکار نہیں کرتیں۔" پھر اس نے ہنس کر کہا۔ "اگر اپنے مہمان اجنبیوں کو لے کر کبھی میرے علاقہ میں قدم رنجہ فرمائیں۔"

تو مجھے بے حد خوشی ہوگی اور آپ کے استقبال کے لیے تیس ہزار کوہستانی تیار رہیں گے۔"

ناستا کی ان باتوں کو جو گویا بغاوت کی دھمکی تھی۔ ہر ایک نے خاموشی سے سنا اور نلیتھا نے ملکوں کی طرف سے [illegible] اسے جواب دیا۔

"شکریہ ناستا۔ میں اجنبیوں کو لے کر ضرور تمہارے پاس آؤں گی اور تمہارے کوہستانی سپاہیوں میں سے جو تمہیں شہزادہ کہتے ہیں ایک ایک کے لیے دو دو ایسے آدمی لاؤں گی جو مجھے ملکہ کہتے ہیں اور تب پتہ چلے گا کہ کون صادق القول اور اپنے وعدہ کا پکا ہے۔ تب تک کے لیے ناستا خدا حافظ۔"

بگل بجائے گئے۔ ملکائیں اٹھ کر رخصت ہوئیں اور درباری بھی اپنی اپنی بانکیں رخصت ہوئے۔ میں بوجھل دل لیے دربار کے باہر آیا۔ مجھے نہایت ہی خوفناک جنگ کے شعلے بھڑکتے نظر آ رہے تھے۔

چند ہفتے نہایت سکون سے گزرے۔

نلیتھا اور ہنری کی ملاقاتیں جاری تھیں لیکن وہ بڑی احتیاط برتتے رہتے تھے کہ کہیں ان کا راز طشت ازبام نہ ہو جائے۔ میلوسس میں عجیب عجیب افواہیں پھیل رہی تھیں۔ تاریک کمرے میں بھنبھناتی ہوئی مکھی کا پتہ لگانا مشکل ہے اس طرح سے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ ان افواہوں کا مرکز کہاں ہے۔ اور ان میں کہاں تک صداقت ہے؟ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ اب ہنری اور نلیتھا کی محبت راز نہ رہی تھی اور مجھے راج سنگھاسن ڈولتا نظر آ رہا تھا۔

مصیبت کا وہ مٹھی برابر بادل جو ہماری طرف افق پر نظر آرہا تھا دفعتاً پھیل گیا اور وہ طوفان جو اندر ہی اندر گرج رہا تھا ایک دم سے پھٹ پڑا۔ میرا مطلب ہے کہ سورائیس کا ہنری کی طرف جھکاؤ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سورائیس جیسی خوبصورت اور بلند رتبہ عورت کی محبت کو کوئی دل والا شخص مصیبت سمجھ ہی نہیں سکتا لیکن یہاں صورت حال کچھ اور تھی۔ ہنری کے لئے اس حالت میں جس سے قارئین بخوبی واقف ہیں سورائیس کی محبت ایک مصیبت ہی تھی اور وہ ایک ایسی دلدل میں پھنس گیا تھا جس میں بجز دھنستے چلے جانے کے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

نلپتھا اس میں کوئی شک نہیں کہ بے حد حسین، خوش مذاق اور سادہ لوح تھی لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اس میں حسد و رقابت کا مادہ بھی موجود تھا۔ چنانچہ وہ اپنے عاشق کی کڑی نگرانی کرتی تھی اور باتوں ہی باتوں میں یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ سورائیس کی محبت کا اثر کہیں ہنری پر ہو تو نہیں رہا ہے؟ بعض اوقات وہ ہنری پر بڑے تیز جملے کس جاتی اور خواہ مخواہ سورائیس کی تعریف کے پل باندھ دیتی۔ ہنری غریب کی حالت قابل رحم تھی۔ نہ تو وہ نلپتھا کو اپنی بے لوث محبت کا یقین دلا سکتا تھا اور نہ ہی سورائیس سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اپنے اس احمقانہ خیال سے باز رہے اور محبت وغیرہ کا سلسلہ ختم کر کے گڈ کی ہو جائے۔

گڈ سورائیس کے عشق میں گلے گلے تک دھنسا ہوا تھا اور ناتوں شب

کہ عشق میں اپنی جسمانی چربی کی مقدار پگھلا چکا تھا اس کی مضحکہ خیز حرکتیں اور اس کی خوش دلی کبھی کا ختم ہو چکی تھی اور اب وہ بے حد سنجیدہ اور متین ہو گیا تھا۔ ہر وقت کڑھتے رہنے سے اس کا چہرہ اس قدر مرجھا گیا تھا۔ ایک شیشی عینک اپنی جگہ پر بمشکل ٹک سکتی تھی۔

عشق بے تاب تھا اور حسن بے پروا۔

اس خیال سے کہ باگون کی مدد اس کے کام آئے گا مور انہیں جھوٹے الفاظ اور محبت سے گڈ کی حوصلہ افزائی کرتی رہتی۔ گڈ غریب ان ملمع کی ہوئی چیزوں کو حقیقی سمجھ کر مارے خوشی کے دیوانہ ہو جاتا۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو گڈ ایک ہی نظر میں مور ائیس کے مکر و فریب کو بھانپ لیتا۔ لیکن آپ جانتے ہیں محبت اندھی تو ہوتی ہی ہے ایک دو مرتبہ میں نے گڈ کو خبردار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بگڑ کر مجھ پر برس پڑا اور میرے وہ تمام عیوب مجھ پر روشن کر دیئے جو مجھ میں نہ تھے۔ چنانچہ اس خوف سے کہ یہ محبت ہماری زندگی میں زہر نہ گھول دے میں خاموش رہا۔

باگون بیچارہ اپنے عشق میں عجیب حرکتیں کرتا۔ صرف اس خیال سے کہ اس طرح سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس وقت زدو بندی میں ایک شاعر صاحب تھے جو محبت کا ایک طویل گیت لکھنے میں مصروف تھے۔ ان کے شاگرد ہمارے یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک دن شاگرد نے اپنے استاد کے ایک "شاہکار" گیت کے چند بند ہمیں بھی سنائے۔ اس گیت میں ایک مصرع کی تکرار تھی یا یوں کہیے کہ ٹیپ کا بند تھا مصرع کچھ یوں تھا: "میں تمہیں چوموں گا۔ ہاں! ہاں! میں تمہیں ضرور چوموں گا۔"

زدو بندی میں "نغمہ و تشبیبہ" کا عام رواج تھا۔ عاشق اپنی معشوقہ کی دیوار تلے

آدھی رات کو عاشقانہ گیت گا کر اپنی محبت کا اظہار کر سکتا تھا اور نہ تو معشوقہ اور نہ ہی اس کے والدین اس پر اعتراض کرتے تھے۔ گڈ نے اس رواج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوچا کہ وہ بھی سورا انیس کے محل کی دیوار تلے "نغمۂ شبینہ" گائے۔

سورا انیس کے کمرے اور اس کی خاص ملازماؤں کے کمرے صحن کے پرلی طرف ہمارے کمروں کے مقابل واقع تھے۔ چنانچہ ایک رات گڈ نے مقامی گٹار جسے وہ تھوڑا سا بجانا سیکھ گیا تھا، اٹھایا اور اپنی پھٹی ہوئی آواز سے رات کو اور بھی بھیانک بنانے چل دیا۔ نصف رات ادھر اور نصف رات ادھر یعنی گہری خاموشی اور چہار طرف سکون طاری تھا۔ میں گہری نیند سو رہا تھا کہ دفعتہً ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی کسی کا گلا کاٹ ڈال رہا ہو۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا اور کھڑکی کی طرف بھاگا کہ دیکھوں معاملہ کیا ہے۔

اور جو کچھ میں نے دیکھا وہ یہ تھا۔

صحن میں سفید چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور سورا انیس کے کمرے کی کھڑکی تلے گڈ صاحب کھڑے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ سورا انیس کی ملازماؤں کے کمروں کی بتیاں جلتی جا رہی تھیں اور وہاں سے دبی دبی ہنسی کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن سورا انیس کا کمرہ قبر کی طرح تاریک تھا۔ گڈ نے اور بھی زور زور سے چلانا شروع کیا۔ کم بخت گیت بھی شیطان کی آنت کی طرح ختم ہونے ہی کو نہیں آتا تھا اور گڈ بار بار نہایت جوش و خروش سے یہ مصرع دہرا رہا تھا "میں تمہیں چوموں گا۔ ہاں ہاں میں تمہیں ضرور چوموں گا"۔

میں نے اس نظارے سے لطف اندوز ہونے کے لئے ہنری کو بھی بیدار

دے دیا اور ہم دونوں کھڑکی میں کھڑے اس نظارے سے محظوظ ہو رہے تھے۔ آخر کار ہم اس گیت کی طوالت اور "میں تمہیں چوموں گا" کی تکرار سے تنگ آ گئے۔ اس کے علاوہ ہمیں احساس ہو رہا تھا کہ گڈ اپنے ہاتھوں اپنی ذلت بنا رہا ہے۔ چنانچہ میں نے خیال کیا کہ اب اس ڈرامے پر پردہ گرنا چاہیے۔ میں کھڑکی سے گردن نکال کر چلایا۔

"گڈ خدا کے لئے یہ کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ اگر واقعی تم اسے چومنا چاہتے ہو تو بڑھ کے چوم لو اور رہو، اور دوسروں کی نیند خراب نہ کرو۔"

اس واقعے میں وہ غم زدہ روح بھی پوشیدہ ہے جس سے صرف اہل دل حضرات ہی واقف ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ باریک بیں ہیں تو یہ بات تو کم از کم آپ پر روشن ہو ہی گئی ہو گی کہ انتہائی سنجیدہ اور المناک واقعات کے کناروں پر بھی ہلکی سی سیاہی لکیر موجود ہوتی ہے۔ جو آپ کو ہنسا سکتی ہے۔

خیر تو کہنے کا مطلب یہ کہ گڈ جتنا سورائیس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا وہ اس سے اتنی ہی دور ہوتی لیکن برخلاف اس کے ہنری سورائیس سے بچنے کی کوشش کرتا۔ اتنی ہی وہ اس کے سامنے آتی جاتی اور یہ تو قاعدہ ہی ہے کہ آپ جس چیز سے بھاگتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح سے آپ کے سامنے آ ہی جاتی ہے۔ سورائیس شاید اپنی خود سری کی بنا پر خاموش تھی اور نلیفا اور ہنری کے بیچ میں جو کچھ ہو رہا تھا جان بوجھ کر اس کی طرف سے چشم پوشی کر رہی تھی لیکن میں اس خیال سے کانپ رہا تھا کہ ایک روز خاتون شب بیدار ہو کر اپنی پسندیدہ چیز کی طرف بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹے گی۔ بڑی خوفناک عورت تھی وہ۔ اوپر سے پرسکون مگر اندر ہزاروں طوفان ابل رہے تھے۔ آخر کار وہ منحوس گھڑی آ گئی جس کے آنے کا مجھے یقین تھا۔

پاس جانے کو تھا کہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ میرا تھا اور میں اور ہنری بیٹھے مسو ڈیمس کے معاملے پر غور کر رہے تھے کہ ملکہ کا قاصد ایک چٹھی لے کر حاضر ہوا۔ اس چٹھی ہنری کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس کا مضمون یہ تھا۔

"ملکہ مسو ڈیمس اسی وقت آپ کو اپنے ذاتی کمرے میں بلانا چاہتی ہے۔ چنانچہ وہ حکم دیتی ہے کہ انکو جس حال میں بیٹھا ہو اسی میں اٹھا کر قاصد کے ساتھ چلا آئے۔ جو اسے ملکہ کے خانگی کمرے تک پہونچا دے گا۔"

"اور خدا!" ہنری کراہا۔ "عزیز دوست میرے بجائے تم نہ چلے جاؤ؟"

"نہیں میں نہیں جا سکتا اور خاص کر اس وقت جبکہ میں بھی سمجھتا ہوں کہ تمہیں کیوں بلایا گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "ہنری معاف کرنا یار مسو ڈیمس کے سامنے جانے سے بغاوت میں زخمی ہاتھی پر سانپ کا نا آسان سمجھتا ہوں۔ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اور یہ تم ہی سنبھالو۔ تم بڑے کوشش ہو بیٹا۔ اس کا پھل تمہیں ہی ملنا چاہئے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"یار" ہنری نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔ "تم نے تو مجھے اپنی طالب علمی کا زمانہ یاد دلا دیا ہے۔ جبکہ استاد پیٹتے تھے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ ملکہ کو مجھے اس طرح سے بلانے کا حق کیا ہے! وہ کیوں مجھ پر حکم چلا رہی ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔"

"تمہیں بہرصورت جانا ہوگا۔ تم اس کے محافظ دستہ کے افسر اور اس کے ملازم ہو اور اس کا حکم بجا لانا تمہارا فرض ہے۔ اس کے پیش نظر مسو ڈیمس نے حکم دیا ہے ورنہ وہ تم سے التجا کرتی لیکن تم گھبراتے کیوں ہو۔ آج سے یہ معاملہ ختم ہوا سمجھو۔"

"اسکول میں طالب علم بھی ایسا ہی کہتے تھے" ہنری نے کہا۔ "وہ بڑی

خوفناک عورت ہے یہ اور اگر اسے ذرا معلوم ہو گیا تو کوئی بعید نہیں وہ میری پیٹھ میں خنجر گھونپ دیتی۔ لیکن نہیں ڈرو گے۔ خدا تمہارا اس سے محفوظ رکھے۔"

میں تلملاتا کڑھتا حسد کے ساتھ چل دیا۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا۔ چالیس منٹ بعد وہ بے حد پریشان اور مضمحل نظر آیا۔

"کچھ نہیں ہوا" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ہوا کیا؟" میں نے شراب کا جام دیتے ہوئے پوچھا۔

"ہوا کیا؟ اب یہ پوچھو کیا نہیں ہوا؟ یقین مانو اب تو مصیبت شروع ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ وہ تمام مناسب تھا جس سے میں زندگی میں دوچار ہوا نہیں۔ تم سے رخصت ہونے کے بعد جانتے ہو کیا ہوا؟ مجھے سیدھا سورائیکس کی خاص خواب گاہ کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ بڑا خوبصورت کمرہ ہے۔ کمرے میں ایک طرف سورائیکس مخملی گدوں پر بیٹھی گٹار کے تار چھیڑ رہی تھی۔ میں سلام کر کے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا لیکن اس نے میرا کوئی نوٹس نہ لیا۔ کچھ دیر بعد اس نے گردن اٹھائی اور روح کو برباد کر دینے والی نظروں سے میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"تو تم آ گئے؟" اس نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ ملکہ نلیتھا نے تمہیں کسی خاص کام کے لیے بھیجا ہو گا۔ تم ہر وقت اسی کی خدمت میں لگے رہتے ہو۔ واقعی بڑے نمک حلال نوکر ہو۔"

میں نے کہا کہ میں نلیتھا کی طرح سورائیکس کا بھی خادم ہوں اور اسی کے بلانے پر حاضر ہوا ہوں۔

"ٹھیک ہے۔ میں نے ہی تمہیں بلایا ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ کوئی یوں میرے سامنے کھڑا رہے تو مجھے بے چینی سی ہوتی ہے اور تم ایسے وجیہ قامت شخص کو

دیکھ کر تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے میرے سینہ پر پہاڑ رکھ دیا ہو۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر اپنے قریب ہی میرے لئے جگہ بنا دی اور ایسے رخ سے بیٹھ گئی کہ مجھے خوب دیکھ سکے۔

"ملکہ" میں نے کہا "یہ مناسب نہیں کہ آپ مجھ جیسے ادنیٰ خادم کو اپنے پہلو میں جگہ دیں۔ یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔"

"بیوقوفی ہو! بیٹھ جاؤ۔" اس نے کڑک کر کہا اور میں بیٹھ گیا اور اس نے اپنی سیاہ آنکھیں مجھ پر گاڑ دیں۔ سورائیس خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھی جیسے حسن کی لافانی روح مجسم ہو گئی ہو۔ اس کی نظریں مجھ پر گڑی ہوئی تھیں اور ہونٹ آپس میں سختی سے چپک گئے تھے۔ اس کے گھنگور کالے بالوں میں ایک سفید پھول اٹکا ہوا تھا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ اپنی نگاہیں اس پھول پر جمائے رکھوں لیکن بار بار بھٹک کر سورائیس کے چہرے پر جا پڑتیں۔ پتہ نہیں یہ پھول کی خوشبو تھی یا سورائیس کی نظریں۔ مجھے دفعتہً ایسا محسوس ہوا جیسے میں اپنے حواس کھو رہا ہوں۔ مجھ پر سورائیس نے جیسے مسمریزم کر دیا اور تب اس نے اپنے لب کھولے۔

"اکلیو۔" اس نے کہا "تم اختیارات حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"میرا خیال ہے ہر شخص کوئی نہ کوئی اختیار حاصل کرنے میں ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔"

"تو تمہیں وسیع اختیارات مل جائیں گے۔" اس نے کہا۔ "دولت چاہتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔"

"دولت بھی تمہیں مل جائے گی اور حسن تو پہلے ہی ہے تمہیں؟"

میں نے کہا ہاں۔ مجھے لطیفہ میں دلچسپی ہے یا خدا جانے ایسا ہی کچھ الٹا

سیدھا جواب دیا۔ در اصل اس وقت میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہوگئی تھیں۔ سوورائیس خاموش ہوگئی تھی۔ اس عرصہ میں میرے اعصاب تن کر جھنجھنا اٹھے تھے اور کوئی غیبی قوت میرے کانوں میں کہہ رہی تھی کہ کوئی خوفناک حادثہ ہونے والا ہے۔ وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا لیکن بھاگ نہیں سکتا تھا۔ سوورائیس نے مجھ پر جادو سا کر دیا تھا اور میں بے بس تھا۔

"انکیو۔" آخر کار اس نے کہا "تم بادشاہ بننا چاہتے ہو؟ دیکھو انکیو تم ایک اجنبی ہو لیکن اگر میں چاہوں تو تمہیں زودینڈی کا بادشاہ بنا سکتی ہوں اور پھر واقون شہر تمہارے لئے اور ہوں زندگی۔ ٹھہرو۔ کچھ کہنے کی کوشش نہ کرو۔ پہلے میری بات سن لو میں نے آج تک کبھی کسی کے سامنے ایسی بات نہیں کہی لیکن آج میں تمہارے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ رہی ہوں۔ انکیو تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کیا نہیں دے سکتی؟ زودینڈی کا تاج تمہارے قدموں میں پڑا ہے۔ زودینڈی کی وہ ملکہ جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تمہاری کنیز بننے کے لئے تیار ہے۔ کہو انکیو کیا کہتے ہو۔ تمہارا صرف ایک لفظ میرے لئے جاودانی مسرتوں کے در کھول سکتا ہے۔ انکیو کہو تاکہ میرے دل کو تسکین نصیب ہو۔"

"یارا بیلا" میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس وقت میں بہت گھبرایا ہوا تھا اور کچھ نہ کہنے والی باتیں بھی کہہ گیا۔ میں نے سوورائیس کو جواب دیا کہ جو وہ چاہتی ہے وہ ناممکن ہے۔ ایسا کبھی نہ ہو سکے گا۔ میں تمہاری بہن پر پہلے ہی اپنا سب کچھ لٹا چکا ہوں۔ میں تمہاری بہن کا منگیتر ہوں اور ٹوٹ کر اس سے محبت کرتا ہوں۔ میرے دل میں اب کسی اور کے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

اور پھر۔ دفعتاً مجھے احساس ہوا کہ میں بہت بڑی حماقت کر گیا ہوں۔ جب میں نے ڈرتے ڈرتے سورائیس کی طرف دیکھا۔ سورائیس کی گردن جھکی ہوئی تھی لیکن جب میں اپنی بات کہہ چکا تو اس نے اپنی گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ میں دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ اوہ کوارٹر مین عجیب حالت ہو رہی تھی اس وقت میری۔ اور اس کا چہرہ راکھ ایسا سفید ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے شعلے سے پھوٹ رہے تھے۔ وہ اٹھی اور میں اس خیال سے کانپ گیا کہ اب میری خیر نہیں لیکن وہ خاموش تھی۔ بالکل خاموش۔ اس نے گردن گھما کر اس میز کی طرف دیکھا جس پر خنجر پڑا ہوا تھا۔ پھر میری طرف، پھر خنجر کی طرف۔ جیسے وہ کوئی فیصلہ نہ کر پاتی ہو کہ مجھے قتل کر دے یا نہیں۔ وہ میز کی طرف بڑھی۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ خنجر کی طرف بڑھا اور وہیں جم کر رہ گیا۔ اس نے غور سے دیکھا اور صرف ایک لفظ کہا۔

"جاؤ۔"

میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتا الٹے پیروں اس کے کمرے سے باہر آ گیا۔ او خدا۔ لاؤ ایک جام اور دو۔ بتاؤ اب کیا کیا جائے؟"

میں نے اپنی گردن ہلائی۔ واقعی معاملہ بڑی سنگین صورت اختیار کر چکا تھا اور وہ کسی شاعر نے کہا ہے نا کہ

"عورت کی نفرت جیسی غضبناکی دوزخ کے شعلوں میں بھی نہیں۔"

اور پھر عورت بھی جب ملکہ ہو اور وہ بھی [illegible] مجھے بدترین نتیجہ کا خوف ہے اور اب تو ہماری جان کا بھی خطرہ تھا۔"

"ہنری اس واقعہ کی اطلاع فوراً لیتھا کو کرنا چاہیئے۔ اس سے چھپانا بہت برے نتائج پیدا کر سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "بہتر ہے کہ میں اسی وقت

جانے پورا واقعہ اسے سنا دوں۔ تمہارا جانا مناسب نہیں۔ ممکن ہے وہ تم سے بدظن رہے! اور معاملہ بجائے سلجھنے کے الجھ جائے۔"

میں چپ چاپ تھوڑی دیر تک اپنے خیالات میں الجھا رہا۔

"ہنری۔ یہ بتاؤ آج رات گشتی دستہ کا افسر کون ہے؟" میں نے پوچھا

"گرین۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ آج رات نلیتھا پر کوئی حملہ نہیں ہوگا۔ حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے سورانیس کے دل میں نہایت برے ارادے پرورش پا رہے ہیں۔ وہ اپنی محبت کو کامیاب کرنے کے لئے کوئی نامناسب بری حرکت کر سکتی ہے۔ گرین کو اس معاملہ سے بے خبر رکھنا غلطی ہوگی۔ اسے بھی ہوشیار کر دینا چاہئے۔"

"اوہ۔ میں نہیں جانتا کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب۔" ہنری نے بے چین ہو کر کہا۔ "لیکن تم جانتے ہو کہ گرین سورانیس سے محبت کرتا ہے اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے کہا۔ "تو پھر اسے اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال بدیر حقیقت اس پر واضح ہو جائے گی۔ ہنری میری یہ بات گرہ میں باندھ لو کہ اب سورانیس ناستا کے ساتھ ساز باز کرے گی۔ جو اپنے کوہستانی علاقے میں چپکے ہی چپکے تیاریوں میں مشغول ہے اور پھر زوویندی کی سرزمین پر ایسی بھیانک جنگ ہوگی جیسی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ دیکھو۔"

میں نے سورانیس کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں سے دو قاصد نکل کر تیزی سے صحن عبور کر رہے تھے۔ "ہنری میرے ساتھ آؤ۔" کہتا ہوا میں زینہ کی

طرف بڑا جو ہمارے کمروں کی چھت پر بنے ہوئے بادبان تک جاتا تھا۔ ہم زینے پر پہنچ کر دوربین نکال کر پہلی بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ ایک قاصد تیزی سے آتش کدہ کی طرف جا رہا تھا۔

"ہنری یہ قاصد ریگیون کی خدمت میں سورائیس کا کوئی اہم پیغام لیے جا رہا ہے۔" میں نے کہا۔

لیکن دوسرا قاصد کہیں نظر نہیں آیا۔ جب میں نے پہاڑ کی طرف نظر اٹھائی تو ایک تیز رفتار سوار میلوسس کے شمالی دروازے سے باہر نکلتا نظر آیا۔ وہ سورائیس کا دوسرا قاصد تھا۔

"سورائیس بڑی ہوشیار عورت ہے۔" میں نے کہا۔ "اس نے اپنے خیالوں کو عملی جامہ پہنانے میں بہت جلدی اور مستعدی دکھائی ہے۔ دراصل تم نے سورائیس کو ٹھکرا دیا ہے اور اس کی ہتک کی ہے اب وہ زو وینڈس میں خون کی ندیاں بہا دے گی اور اگر اس کا بس چلا تو اس خون میں ہمارا خون بھی شامل ہوگا۔ ہنری جو کچھ ہوا بہت برا ہوا مگر اس سے زیادہ برا ہوگا۔ اچھا میں نلیفتا کو خبر کرنے جاتا ہوں۔ تم یہیں رہو اور اپنے حواس درست رکھنے کی کوشش کرو۔"

نلیفتا اپنے کمرے میں بیٹھی ہنری کی منتظر تھی بیچاری اپنے عاشق کی جگہ مجھ بوڑھے کے جھریوں دار چہرے کو دیکھ کر کچھ زیادہ خوش نہ ہوئی۔

"میکومیزن! کیا بات ہے؟ انکوبو کیوں نہیں آئے؟ کہیں وہ علیل تو نہیں؟"

میں نے اسے اطمینان دلایا کہ اس کا انکوبو علیل نہیں اور پھر بغیر کسی تمہید کے پورا واقعہ اسے سنا دیا۔ نلیفتا ایک دم سے غضبناک ہو گئی۔

وہ اپنے ہونٹ چبانے لگی۔ اور نیچے کونے دیکھئے کہ اس حالت میں بھی وہ بے حد حسین معلوم ہو رہی تھی۔
"ایسی بے سر و پا کہانی سنانے کی تمہیں ہمت کیسے ہوئی۔" وہ چلائی "یہ سراسر جھوٹ ہے کہ میرا آقا سوراٹیس سے محبت کرتا ہے۔ بہتان ہے یہ۔ اور تم بکتے ہو۔"
"لیکن ملکہ میں نے یہ کب کہا کہ انابو تمہاری بہن سے محبت کرتا ہے میں نے تو کہا تھا کہ سوراٹیس تمہارے آقا سے محبت کرتی ہے۔"
"میکو میزان۔ مجھے الفاظ کے جال میں پھنسانے کی کوشش نہ کرو۔ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک دیتا ہے اور ایک لیتا ہے۔ دونوں یکساں طور سے قصوروار ہیں۔ جیسے میں اور حامد۔ جب کسی چیز کا تبادلہ تو ہوتا ہی ہے نا۔ میں نے تمہیں ایک چیز دی اور اس کے عوض تم نے مجھے بھی ایک چیز دی۔ بات صاف ہے۔ ہم گنہگار دونوں ہیں۔ پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ دونوں میں سے زیادہ گنہگار کون ہے؟ سوراٹیس اوف مجھے اس سے نفرت ہے۔ میں اس سے واقف ہوں اور میں وثوق سے کہتی ہوں کہ انابو کی ہمت افزائی کے بغیر وہ یہ باتیں نہیں کر سکتی تھی آہ کسی نے سچ کہا ہے کہ مرد ایسے سانپ ہوتے ہیں جنہیں پکڑا نہیں جا سکتا اور اگر پکڑ لیا جائے تو انہیں چھوڑنے سے بھی زہر اثر کرنے لگتا ہے۔"
"کسی نے واقعی بہت خوب کہا ہے۔" میں نے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا "لیکن میں اتنا عرض کروں گا کہ ملکہ نے اس شاعر یا ادیب کا مطلب نہیں سمجھا۔ ملکہ آپ جانتی ہیں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ حرف بحرف سچ ہے اور آپ اپنے کو زوردار الفاظ کے ذریعہ تسلی نہیں

دے سکتیں۔ الفاظ کے جال میں الجھے رہنا حماقت ہو گی۔ بلکہ وقت بہت کم ہے اور کام بہت زیادہ۔"

"کیا بکتے ہو۔" اس نے زمین پر پیر پٹک کر کہا۔ "کیا میرے بے وفا آقا نے تمہیں یہاں میری توہین کرنے کے لئے ہی بھیجا ہے؟ آخر تم ہوتے کون ہو؟ تمہاری حیثیت کیا ہے؟

ایک اجنبی۔ ایک آوارہ کتا۔ جو پتہ نہیں کہاں سے بھٹکتا ہوا یہاں آ گیا اور اب زرد بیندی کی ملکہ سے زبان لڑا رہا ہے؟ میکو میرن اس کا نتیجہ بہت برا ہو گا۔"

"سنو ملکہ اس بے وجہ غصہ کے پیچھے تم کافی وقت ضائع کر چکیں اگر تم اپنے غصہ کے سبب اسی طرح سے اندھی بنی رہیں تو تمہیں اپنے تاج و تخت سے اور یہاں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ سورائیس کا قاصد ناستا کے علاقے کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ تین ہی روز بعد ناستا زخمی شیر کی طرح اپنے کوہستانی علاقے سے نکل آئے گا اور اس کی گرج سے پورا شمالی زرد بیندی کانپ اٹھے گا۔ تمہاری بہن خاتون شب کی آواز بھی بڑی سریلی اور با اثر ہے۔ اس کی پکار پہ ہزاروں نیزے اس کی حمایت میں بلند ہوں گے اس کے تمام قاصد میدانوں اور وادیوں میں دوڑ جائیں گے اور پھر جو کچھ ہو گا وہ ظاہر ہے۔ سورائیس کی آواز ایک بگولا ہے جو اپنے دامن میں لاتعداد سپاہیوں کو لئے سینہ تانے ہر جگہ کاٹتا ہماری طرف بڑھنے لگا ہے۔ ریگون اور اس کے چیلے چاپڑ لوگوں کو ناپاک اجنبیوں کے خلاف ابھاریں گے۔ اور تمہاری نصف فوج تمہارا ساتھ چھوڑ کر سورائیس سے جا ملے گی۔ اور پھر ہمارا اور تمہارا خدا ہی حافظ ہے۔ للہ خدا کیلئے ہوش میں آؤ۔

اس سے پہلے کہ طوفان ہمیں آ لے ہمیں چاہئے کہ اس کے مقابلے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا اب تم جانو اور تمہارا کام۔"

بلتھا کا غصہ فرو ہو چکا تھا اور رقابت کی آگ جو اس کے دل میں جل رہی تھی سرد پڑ چکی تھی۔ اب وہ ایک حاسد معشوقہ کے بجائے باوقار اور دوراندیش ملکہ تھی۔

"میکو میزن تمہارے الفاظ بڑے زوردار ہیں اور تمہاری باتیں صداقت پر مبنی۔ میں اپنے سخت الفاظ واپس لیتی ہوں۔ واقعی غصہ بہت بری چیز ہے اور اس بجلی کی طرح ہے جو آسمان اور زمین میں گھڑی بھر کے لئے تعلق پیدا کر دیتی ہے لیکن اس سے آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں اور جس پر گرتی ہے اسے خاک سیاہ کر دیتی ہے لیکن

"تمہارا یہ خیال کہ سورائیس میرے خلاف اٹھ کھڑی ہو گی بالکل درست ہے لیکن وہ مجھ پر غالب نہیں آ سکتی۔ میرے اپنے بھی خادم اور دوست ہیں زو وینڈی میں ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو بغیر سورائیس کے میرا ساتھ دیں گے۔ آج رات جب میرے قاصد میدانوں اور پہاڑوں کی طرف دوڑ جائیں گے تو ہزاروں تلواریں اور نیزے میری حفاظت کے لئے بلند ہوں گے۔ سورج دیوتا کی قسم میں سورائیس کا غرور توڑ دوں گی اور اس کی فوج کو سنگریزوں کی طرح بکھیر دوں گی اور پھر بدقسمتی اور مسکینیت خاتون شب کے لئے تحفہ ہو گی۔ قلم دوات لاؤ میکو میزن۔ اور دیکھو محافظ دستہ کے افسر کو دوپہر ڈھلے میرے پاس لے کر آنا۔ ایک وہی شخص ہے جس پر مجھے پورا بھروسہ ہے۔"

میں نے ملکہ کے حکم کی تعمیل کی۔ محافظ دستہ کا افسر جس کا نام "کا آرا" تھا

بڑا وفادار اور وعدے کا پکا معلوم ہوتا تھا۔ دوپہر ڈھلے ہیں اسے ساتھ لئے ملکہ کے کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ لو۔" بلیتھا نے چرمی کاغذ کارا کو دیتے ہوئے کہا "یہ تمہارے لئے حکم نامہ ہے اور اسی میں پروانہ گرفتاری بھی لپٹا ہوا ہے۔ اسی وقت جاؤ اور خاتون شب کے کمرے کے چاروں طرف اپنے سپاہی تعینات کردو۔ خیال رہے نہ تو کوئی اندر جانے پائے اور نہ ہی باہر آنے پائے خاتون شب پر کڑی نظر رکھو۔ یاد رکھو تم نے ذرا بھی غفلت کی تو قتل کردیئے جاؤ گے۔"

کارا چونکا لیکن اس نے گردن جھکا کر "جو حکم" کہا اور ملکہ کا حکم بجالانے کو چل دیا۔ کارا کے جانے کے بعد بلیتھا نے ہنری کو بلا بھیجا۔ کچھ ہی دیر بعد مضطرب اور پریشان ہنری داخل ہوا۔ مجھے خوف تھا کہ اب ہنری کو بلیتھا کی کڑوی کسیلی باتیں سننی پڑیں گی۔ لیکن عورتیں بھی گرگٹ ہوتی ہیں۔ اس جوش و خروش کا جس کا اظہار وہ میرے سامنے کر چکی تھی کہیں پتہ نہ تھا۔ اس نے سر کے اشارے سے ہنری کا سلام لیا اور فوراً ہی جو مشکل درپیش تھی اس کے بارے میں مشورہ کرنے لگی۔ لیکن اس کی آنکھوں کی چمک سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ہنری اور سورا ئیس والے واقعہ کو فراموش نہیں کیا۔ البتہ کسی مصلحت کے پیش نظر فی الحال ہنری پر اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتی وہ شاید تنہائی میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتی تھی ابھی بلیتھا ہنری سے باتوں میں مشغول تھی کہ کارا بے حد گھبرایا ہوا داخل ہوا

"خاتونِ شب جا چکیں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"کہاں؟" ہم نے ایک ساتھ کہا۔

افسوس جال ڈالنے سے پہلے ہی ہوشیار پنچھی پرواز کر گیا اب اسے حاصل کرنا مشکل ہے۔

سورا اگیس کی کنیزوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خاتونِ شب بڑے معبد میں گئی ہیں کہ رات بھر سورج دیوتا کی عبادت[1] میں مصروف رہیں۔

ہم نے مایوسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ بات تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ سورا اگیس اتنی جلد خطرے کی بو پا کر فرار ہو جائے گی۔ بہر حال اب کیا ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ اب ہم اپنے بچاؤ کی ترکیب کریں۔

اور ہم بڑی مستعدی سے تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

جن افسروں پر اعتبار تھا انہیں طلب کیا گیا اور انہیں مناسب کام سپرد کر دیئے گئے۔ انہیں تاکید کر دی گئی کہ ہر ایک اپنے دستے کو ہر وقت جنگ کے لئے تیار رکھے۔ جن کے سپاہی بکھرے ہوئے ہوں انہیں فوراً ہی میلوسس میں بلا لیا جائے جن امرا پر بلیتھا کو اعتبار تھا انہیں بھی تاکید کر دی گئی کہ جتنی جلد ممکن ہو اور جتنے بھی ممکن ہوں سپاہی جمع کر کے میلوسس میں حاضر ہو جائیں چند امرا اسی وقت اپنے ماتحت سپاہیوں اور کفیفوں کو لانے کے لئے مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔ دور دور کے شہروں کے گورنروں اور جاگیرداروں کے نام احکام جاری کئے گئے اور رات ڈھلنے سے

---

[1] :۔ زدو بندی میں طبقہ اعلیٰ کی عورتیں سورج دیوتا کی قربانی کے سامنے رات رات بھر مراقبہ کیا کرتی تھیں۔ یہ وہاں کی رسم تھی اور اگر عورت شادی شدہ ہوتی تو شوہر خود جا کر اسے قربان گاہ کے سامنے چھوڑ آتا اور پھر صبح لے آتا۔ (کوارٹرمین)

پہلے ہی بیسیوں قاصد گورنروں اور جاگیرداروں کے نام نلبتھا کا یہ پیغام لئے مختلف سمتوں میں روانہ ہوئے کہ جتنی جلد ممکن ہو وہ اپنے تمام سپاہیوں کو لے کر مراسلے میں درج مقام پہ جمع ہو جائیں اور اگر خود نہ آ سکتے ہوں تو اپنے دستوں کو ان افسروں کے پاس بھیج دیں جن کے نام مراسلے میں درج تھے۔ ادھر قاصد بگولوں کی طرح روانہ ہوئے اور ادھر لاتعداد جاسوس خبریں لانے کے لئے میلوسس کے دروازوں سے یوں نکلے جیسے قفس کا در کھلا دیکھ کر چڑیاں نکل بھاگتی ہیں۔

تمام دوپہر اور سورج غروب ہونے کے بعد تک ہم بڑی سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ قریباً آٹھ بجے ہم تھکے ہارے اپنے کمروں میں واپس آ گئے تو الیلفونسے کو رنجیدہ پایا کیونکہ ہمارے دیر سے آنے کے سبب اس کی تمام محنت پر پانی پھر گیا اور اس کا پکایا ہوا کھانا بگڑ گیا تھا (الیلفونسے پھر باورچی بن گیا تھا اور ہمارے لئے نہایت لذیذ کھانا بنایا کرتا تھا) الیلفونسے نے بتایا کہ گڈ شکار سے آنے کے بعد اپنی ڈیوٹی پر جا چکا ہے۔

سنتریوں کے افسر کو حکم دے دیا تھا کہ وہ آج رات سے سنتریوں کی تعداد دگنی کر دے اس کے علاوہ سورائیس بھی فرار ہو چکی تھی چنانچہ کم از کم آج رات کے لئے تو کوئی خطرہ لاحق نہ تھا اس لئے گڈ کو تمام حالات سے آگاہ کرنا ضروری نہ سمجھا گیا۔ خیال تھا کہ صبح سویرے ہی اسے شروع سے آخر تک واقعات سنا دیں گے اور سچ پوچھئے تو فی الحال ہم میں سے کوئی بھی گڈ کو یہ غمناک خبر سنانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا کہ سورائیس ہنری سے محبت کرتی ہے اور اس وقت فرار ہو چکی ہے۔

ہم اپنے بستروں پر دراز ہو گئے لیکن سونے سے پہلے ہنری کو کچھ خیال آیا۔

اور اسلوپوگاس سے کہا کہ وہ نلیتھا کی خواب گاہ کے آس پاس ہی رہے اور رات بھر اس کی حفاظت کرتا رہے۔ اسلوپوگاس کو ہر محافظ اور ہر شخص جانتا تھا۔ اس کے علاوہ نلیتھا کے حکم کے مطابق وہ بلا روک ٹوک ہر جگہ آ جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس حکم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹھیک دوپہر کو اور رات کو بھی جب سناٹا ہوتا اور اس کے مکیں نرم گرم بستروں میں دبکے ہوئے ہوتے اسلوپوگاس آوارہ روح کی طرح محل کے کمروں میں گھوما کرتا۔

دیو قامت زرلو نے اپنا کلہاڑا اٹھایا اور ہیزی کے کہنے کے مطابق نلیتھا کی حفاظت کرنے چل دیا۔ ہم چونکہ بے حد تھکے ہوئے تھے اس لئے جلد ہی گہری نیند سو گئے۔

اپنے خیال میں تو میں صرف چند منٹ ہی سویا تھا کہ دفعتاً ایک شدید بے چینی سی ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کمرے میں کوئی پراسرار شخص موجود ہے اور میرے بستر کے قریب کھڑا مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور یہ دیکھ کر میری حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ پو پھٹ رہی تھی اور میں چند منٹ نہیں بلکہ کئی گھنٹے بے خبر سوتا رہا۔ اور۔ میرے کوچ کے پائنتی اپنے چہرے پر دہشت لئے اسلوپوگاس کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔

"کب سے کھڑے ہو تم؟" میں نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔ "آپ جانتے اس طرح سے کسی کو خوفزدہ کر کے نیند سے چونکا دینا بڑی نازیبا حرکت ہے۔"

"شاید آدھے گھنٹے سے۔ میکو یزن میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہو" اب میں پورے طور پر بیدار ہو چکا تھا۔

"رات آپ سے رخصت ہونے کے بعد میں ملکہ کی خواب گاہ کے قریب پہونچا اور غلام گردش کے ایک ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ دالان میں

تنہا باگون (گڈ) کھڑے ہوئے تھے اور پردے کے قریب ایک تنہا سنتری کھڑا اونگھ رہا تھا۔ یوں ہی تفریحاً میں نے سوچا کہ ان دونوں کی نظر بچا بچا کر دوسرے کمرے میں چلا جاؤں اور میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوا نہ تو باگون نے ہی مجھے دیکھا اور نہ ہی سنتری نے۔ خیر تو میں وہاں تاریکی میں کئی گھنٹوں تک کھڑا رہا۔ شاید آدھی رات گزر چکی تھی کہ تاریکی کے پردے میں سے ایک سفید سایہ نمودار ہوا جو میری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ کوئی عورت تھی اور اس کے ہاتھ میں کھلا خنجر تھا اس کے پیچھے ایک اور سایہ رینگ رہا تھا لیکن عورت اس کی موجودگی سے بے خبر تھی غور سے دیکھنے پہ پتہ چلا کہ وہ باگون تھا۔ اس کے پیروں میں جوتے نہ تھے اور وہ اتنی خاموشی اور ہوشیاری سے عورت کا پیچھا کر رہا تھا کہ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ اس کے پیچھے پیچھے کوئی آ رہا ہے۔ عورت میرے بالکل قریب سے گزری۔ میں پردے کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور میں نے اسے پہچان لیا۔"

"کون تھی وہ؟" میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"خاتونِ شب۔ میکو میران واقعی اسے بہت مناسب لقب دیا گیا ہے میں اپنی جگہ پر دم سادھے کھڑا رہا اور باگون بھی میرے قریب سے گزر گئے اور اب میں چند قدم کے فاصلے سے باگون کے پیچھے چلا اور ہم تینوں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے بڑے کمرے میں داخل ہو گئے خاتونِ شب باگون کی۔ اور باگون میری موجودگی سے بے خبر تھے۔ آخر کار خاتونِ شب ان پردوں کے قریب پہونچ گئی۔ جس کے اندر ہمارے انکبو کی معشوقہ کی خواب گاہ ہے اس نے اپنے سفید سفید ہاتھوں سے پردے ہٹائے اور اندر داخل ہو گئی۔ اس کے پیچھے باگون اور باگون کے پیچھے میں بھی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

کمرے کے انتہائی سرے پر ملکہ گہری نیند میں سو رہی تھی۔ اس کے تنفس کی آوازیں صاف طور پر سن رہا تھا اور اس کا ایک سفید ہاتھ ہرے لحاف پر پڑا ہوا یوں معلوم ہوتا جیسے گھاس پر برف کا گالا۔ خاتونِ شب کمر سے جھک گئی اور خنجر بلند کئے بستر کی طرف بڑھنے لگی۔ جب وہ بستر کے قریب پہونچ گئی تو باگون نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھدیا۔ وہ پلٹی۔ اس کا خنجر والا ہاتھ بلند ہوا اور ایک دم سے باگون کے سینہ پر پڑا۔ خوش قسمتی سے باگون لوہے کی قمیض پہنے ہوئے تھا۔ خنجر قمیض پر پڑ کر اچٹ گیا اور اب باگون نے دیکھا کہ وہ عورت کون تھی۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ مارے حیرت کے اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ خاتونِ شب بھی باگون کو دیکھ کر بھونچکی رہ گئی اور کچھ کہہ نہ سکی۔ لیکن اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر باگون کو خاموش رہنے کے لئے کہا۔ پھر باگون کو ساتھ لئے ملکہ کی خوابگاہ سے باہر آ گئی۔ وہ میرے اتنے قریب سے گزری کہ اگر میں چاہتا تو اس کی گردن اڑا سکتا تھا۔

خوابگاہ سے باہر آ کر اس نے باگون سے سرگوشی میں کچھ کہا اور ہاتھ جوڑ کر باگون سے کچھ التجا کرنے لگی۔ اس نے کیا کہا یہ میں نہیں جانتا۔ یونہی التجا کرتی ہوئی وہ دوسری غلام گردش میں داخل ہوئی۔ باگون اس کے ساتھ تھا۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی اور باگون نفی میں سر ہلا کر "نہیں نہیں" کہے جا رہے تھے۔ میرے خیال میں باگون محافظوں کو آواز دینے ہی والے تھے کہ خاتونِ شب نے ہاتھ جوڑنا چھوڑ کر گہری نظروں سے باگون کو دیکھنا شروع کیا۔ پتہ نہیں کیا ہوا کہ باگون سحر زدہ سے ہو گئے۔ کچھ دیر تک وہ یوں ہی باگون پر جادو کرتی رہی اور باگون بت سے بن گئے۔ دفعتًہ خاتونِ شب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور باگون نے کل کے پتلے کی طرح جھک کر اسے چوم لیا اور اب میں نے سوچا کہ آگے بڑھ کر اسے

گرفتار کر لیں کیونکہ باگون تو خاتون شب کے جادو سے پتھر بن چکے تھے اور اچھے برے کی انہیں کوئی تمیز نہ تھی لیکن اس سے پہلے کہ میں ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں، خاتون شب میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گئی۔

"غائب ہو گئی؟ کیا کہتے ہو؟" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں مسیکوبیہ! وہ غائب ہو گئی۔ غلام گردش میں تنہا باگون کھڑے تھے اور سامنے کی دیوار کو یوں تک رہے تھے جیسے خواب میں ہوں۔ پھر باگون بھی ڈگمگاتے قدموں سے ایک طرف چل دیئے اور ان کے جانے کے کچھ دیر بعد میں بھی آپ کو اطلاع دینے چلا آیا۔"

"اسلوپوگاس" میں نے کہا "مجھے یقین ہے کہ آج رات تم نے اسی قسم کا کوئی خواب تو نہیں دیکھا ہے۔"

جواب میں اسلوپوگاس نے اپنے بائیں ہاتھ کی مٹھی کھول دی۔ اس کی سیاہ ہتھیلی پر نہایت مضبوط خنجر کا تین انچ لمبا ٹوٹا ہوا پھل چمک رہا تھا۔

"اگر واقعی میں نے خواب دیکھا ہے تو وہ خواب اتنا حقیقی تھا کہ اپنی نشانی بھی چھوڑ گیا۔ دیکھو مسیکوبیہ! یہ خنجر باگون کے سینے پر ٹوٹا تھا اور خوابگاہ سے باہر آتے وقت میں نے یہ ٹوٹا ہوا پھل اٹھا لیا تھا۔"

میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اور اسلوپوگاس کو لے کر ہنری کے کمرے میں پہونچا۔ اسلوپوگاس نے ہنری کے سامنے بھی شروع سے آخر تک پورا واقعہ دہرایا۔ ہنری کی حالت قابل دید تھی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا

اور ایک جاتا۔

"او خدا!" ہنری نے کہا۔ "میں یہاں پڑا خراٹے لے رہا تھا اور زلیخا قریب قریب ماری جا چکی ہوتی اور وہ بھی میری وجہ سے۔ یہ سورائیس بھی بڑی خطرناک عورت ہے۔ املوپوگاس! تم نے اگر اس کا خاتمہ کر دیا ہوتا تو بہت ہی اچھا ہوتا۔"

"انکلو!" املوپوگاس نے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں۔ اب اس نے کوئی شیطانی حرکت کی تو میں اس کا خاتمہ کر دوں گا۔"

میں خاموش رہا لیکن یہ خیال ضرور آیا کہ اگر املوپوگاس نے سورائیس کی گردن اڑا دی ہوتی تو بہت جانیں بچ جاتیں اور ہم بھی خطرات میں نہ پھنستے۔ آگے چل کر قارئین کو معلوم ہوگا کہ میرا یہ اندیشہ کس قدر صحیح ثابت ہوا۔

اپنی داستان ختم کر کے املوپوگاس بڑی بے پروائی سے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ناشتہ کرنے چل دیا اور ہم دونوں گفتگو میں مصروف ہو گئے۔

ہنری گڈ سے بدظن ہو چکا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اب گڈ پر اعتبار نہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ سورائیس کو گرفتار کرتا، نہ کہ اسے بڑی آسانی سے نکل جانے دیا۔ ہنری جو کچھ کہہ رہا تھا وہ اس کے دل کا اشارہ تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ انسان بھی کتنا خود غرض واقع ہوا ہے اسے دوسروں کی غلطیاں تو نظر آجاتی ہیں اور وہ ان پر کڑی تنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتا لیکن وہی شخص اپنے گریبان میں کبھی منہ ڈال کر دیکھتا ہی نہیں۔

"ہنری تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے۔" میں نے کہا۔ "کل ہی تم اس عورت کے زدبرد تھے اور بقول تمہارے اس نے تم پر مسمریزم کر دیا تھا اور دنیا کے حسین ترین عورت کے عاشق ہونے کے باوجود تم سورائیس کے حسن سے مسحور و مرعوب ہو گئے تھے۔

ہے کہ نہیں اب فرض کرو کہ معاملہ الٹا ہوتا یعنی گڈ کی جگہ تم ہوتے اور تب سورائیس تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی التجائیں کرتی۔ کیا تب بھی تم اسے محافظوں کے حوالے کر دیتے؟ ذرا انگلش کہنا، کیا تمہیں یہ منظور ہوتا کہ مارے غیرت کے ڈوب مرے یا زندہ آگ میں جلائی جائے؟ نہیں میرے دوست نہیں تم بھی وہی کرتے جو گڈ نے کیا۔ اس سے پہلے کہ تم اپنے پرانے اور گہرے دوست سے بدظن ہو جاؤ۔ تمہیں چاہئے کہ اس معاملے کو گڈ کی یک چشمی عینک سے دیکھو۔ گڈ سورائیس سے محبت کرتا ہے اور اسی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے اپنی محبوبہ کو صحیح سلامت نکل جانے دیا۔ اس سے ایک غلطی ضرور سرزد ہو گئی لیکن اس میں گڈ کا کوئی قصور نہیں وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا اور اب اسے غداری کا الزام دینا سراسر ناانصافی ہے۔ ہنری محبت بری بلا ہے اس میں جو بھی پھنستا ہے وہ ہر طرف سے اندھا ہو جاتا ہے اور اسی اندھے پن کے سبب تم اپنے نہایت عزیز دوست کو الزام دے رہے ہو۔"

میری باتوں کو ہنری بڑی توجہ سے سنتا رہا اور پھر اس نے اقرار کیا کہ واقعی وہ غلطی پر تھا اور اسے افسوس ہے کہ اس نے گڈ کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کئے یہ ہنری کی بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ اپنی ہر غلطی کو بلا تکلف تسلیم کر لیتا ہے ضدی لوگوں کی طرح اپنی غلط بات منوانے کی اسے عادت نہیں اور نہ ہی وہ ایسے ضدی لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

میں نے گڈ کی صفائی تو پیش کر دی لیکن اس سے تو مجھے بھی انکار نہ تھا کہ گڈ ایک نہایت ہی شرمناک اور بے ڈھب معاملے میں بری طرح پھنس گیا تھا بلکہ بلیتعا پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی گئی اور گڈ نے مجرمہ کو نکل جانے دیا۔ سورائیس اس پر غلبہ حاصل کر چکی تھی اور گڈ حقیقت میں اس کا

آلۂ کار جان بوجھ کر بنے ہی بنا چکا تھا۔ اس شخص کی بدقسمتی انتہا کو پہونچ جا
ہے جو کسی بھی عورت کا آلۂ کار بن کر اس کے اشاروں پر ناچنے لگتا ہے
وہ زندگی بھر رسوا رہتا ہے اور آخر کار نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ وہ
اس بے وفا عورت کے پیچھے اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے اپنے آپ
کو یکسر الگ کر لیتا ہے اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ عورت ی
لڑکی صرف اسی سے محبت کرتی ہے اور اسی کی ہے لیکن ایک وقت وہ آتا
ہے جب اس کی پیاری محبوبہ اپنا مطلب حاصل کرنے کے بعد اسے نچوڑی
ہوئی ہڈی کی طرح بیکار سمجھ کر پھینک دیتی ہے اور تب وہی بادشاہ عاشق
صاحب نہ صرف دنیا بلکہ اپنی نظروں میں بھی ذلیل ہو جاتے ہیں اور مرتے دم
تک اپنی حماقت پر کف افسوس ملتے ہیں۔ دنیا ایسے احمقوں سے بھری پڑی
ہے اور شاید آپ کے دوستوں میں سے بھی ایسے احمق نکل آئیں۔

میں انہی خیالات میں الجھا ہوا تھا اور حیران تھا کہ گڈو جو کھلی آنکھوں
کنوئیں میں گر رہا تھا۔ بچانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ کہ دفعتہً صحن میں
سے چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں املوپوگاس اور
املیفونسے کی تھیں۔ اول الذکر بلند آواز میں گالیاں بک رہا تھا اور موخرالذ
مارے خوف کے چیخوں پر چیخیں مار رہا تھا۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ صحن میں کیا ہو رہا ہے۔ میں دروازے کی طرف دو
اور میں نے ایک نہایت ہی مضحکہ خیز منظر دیکھا۔ پستہ قد فرانسیسی حیرت انگ
تیزی سے صحن میں بھاگ رہا تھا اور املوپوگاس دانت کٹکٹاتا ہوا اس
کا تعاقب کر رہا تھا جیسے ہی میں دروازے پر پہونچا۔ املوپوگاس نے
املیفونسے کو جا پکڑا اور وہ یوں چلایا جیسے سچ مچ موت کے آہنی پنجوں میں گرفتا

د گیا ہو۔ اسلوبوگاس نے پستہ قد فرانسیسی کو بڑی آسانی سے یوں اٹھا لیا
یسے وہ ایک سالہ بچہ ہو۔ الیفونسے زولو کی گرفت میں باز کے پنجوں میں پھنسی
ری چڑیا کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ صحن میں ایک طرف کانٹے دار جھاڑیاں اگی
ہوئی تھیں ان کے کانٹے سوئی ایسے تیز تھے اور کانٹوں کے ساتھ ہی ساتھ
پھول بھی اگ رہے تھے۔ اسلوبوگاس تیلی کی طرح تڑپتے ہوئے الیفونسے
کو اٹھائے ان جھاڑیوں کی طرف چلا۔ جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر اسلوبوگاس
نے الیفونسے کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے الٹا لٹکا لیا اور کچھ دیر تک اسے
ہوا میں جھلانے کے بعد سر کے بل کانٹے دار جھاڑیوں میں ڈال دیا۔ الیفونسے
کا تمام جسم جھاڑیوں میں چھپ گیا صرف اس کی ٹانگوں کا کچھ حصہ جھاڑیوں
کے اوپر نظر آ رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں یوں چل رہی تھیں جیسے وہ ہوا میں بائیسکل
چلانے کی مشق کر رہا ہو۔ اپنی اس حرکت سے مطمئن ہو کر اسلوبوگاس جھاڑیوں
کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور فرانسیسی کی لاتوں کو جو ہوا میں چل
رہی تھیں بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ گھنی جھاڑیوں کی جڑوں سے الیفونسے
کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

”یہ کیا کر رہے ہو بیوقوف۔“ میں جھاڑیوں کی طرف دوڑا۔ ”کیا تو اس
غریب کی جان لے کر ہی دم لے گا؟ نکال اسے۔ ارے میں کہتا ہوں نکال اسے۔“
وحشیانہ غراہٹ کے ساتھ اسلوبوگاس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے
الیفونسے کی ٹانگیں پکڑیں اور ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ جو الیفونسے کا
ٹخنہ توڑنے کے لئے کافی تھا۔ اسے جھاڑیوں سے گھسیٹ میرے سامنے کھڑا
کر دیا۔ ایسا نظارہ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ الیفونسے کی قمیض
تار تار ہو گئی۔ اس کے جسم کو کانٹوں نے بری طرح سے ڈس لیا تھا اور زخموں

سے تازہ تازہ خون رس رہا تھا۔ ایلفونسے ضدی بچے کی طرح چلانے اور زمین پر لوٹنے لگا۔ میں بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر سکا۔ وہ رو رہا تھا۔ وہ چلا رہا تھا۔ وہ دھول میں لوٹ رہا تھا اور باوجود کوشش کے میں اپنے سوالوں کا جواب نہ پا سکا۔

کافی دیر تک وہ لوٹنے کے بعد اٹھا اور میرے پیچھے چھپ کر اس نے املوپوگاس کو ایسی جدید گالی عنایت کی جس سے میرے کان آشنا نہ تھے۔ اب لینہ فدفرانسیسی کے منھ سے گالیوں اور کوسنوں کا سیلاب ابل پڑا اور آخر میں اس نے اپنے "ہیرو" دادا جان کے خون کی قسم کھائی کہ وہ "نالائق حبشی سیاہ کتے کو زہر دے دیگا۔" اور اب مجھے حقیقت معلوم ہوئی۔

ایلفونسے روزانہ صبح املوپوگاس کے لئے جو کا دلیہ بنایا کرتا تھا۔ یہ املوپوگاس کا ناشتہ تھا۔ وہ دلیہ لکڑی کے پیالے میں لے کر ایک کونے میں جا بیٹھتا اور لکڑی کے چمچے سے کھاتا۔ اسے عام زولوؤں کی طرح مچھلی سے نفرت تھی۔ چونکہ ان کے خیال سے مچھلی آبی سانپ ہے۔ اس لئے اسے نہیں کھانا چاہیئے۔ ایلفونسے نے جسے بندروں کی طرح شرارتیں کرنے میں مزا آتا تھا ارادہ کیا کہ وہ کسی طرح سے املوپوگاس کو مچھلی کھلا دے۔ چنانچہ آج صبح مچھلی کی کافی مقدار کو نہایت باریک گھونٹ کر جو کے دلیہ میں ملا دیا۔ املوپوگاس نے مزے لے لے کر اور اس بات سے بے خبر کہ کیا کھا رہا ہے دلیہ کھایا۔ بدقسمتی سے ایلفونسے اپنی کامیابی اور املوپوگاس کی بیوقوفی پر اتنا خوش ہوا کہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ چنانچہ وہ بے اختیار ہنس پڑا اور پھر تالیاں بجا بجا کر املوپوگاس کے چاروں طرف ناچنے اور اس کے پیالے میں پرشوق نظروں سے جھانکنے لگا۔

املوپوگاس جو بے حد ہوشیار تھا ایلفونسے کی اس بے پناہ خوشی کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اس نے بڑی باریک بینی سے نیچے بچھے دلیہ کا معائنہ کیا اور اب اسے "بچھیا" کی شرارت کا پتہ چلا۔ اب املوپوگاس کے غصہ کا پارہ ایک دم سے چڑھ گیا اور اس نے ایلفونسے کو وہ انوکھی سزا دی جیسے میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ ایلفونسے کی گردن ٹوٹنے سے بال بال بچ گئی لیکن اسے سبق ضرور مل گیا کہ "کالے دیو" سے مذاق کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔

یہ واقعہ یہاں غیر ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن میں نے اس لئے تفصیل سے بیان کیا کہ وہ ایک اور نہایت ہی اہم واقعہ کا پیش خیمہ تھا۔ ایلفونسے نے اپنے زخم دھوئے اور املوپوگاس کی شان میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرتا قمیص بدل کے چلا دیا۔ اس کے جا چکنے کے بعد میں نے املوپوگاس کو ایک بسیط لکچر پلایا کہ اسے اپنی حرکتوں پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔

"آہ ڈیکومیزن"! اس نے کہا: "اس ملک میں تم کو چاہیئے کہ مجھ سے نرم دلی سے پیش آؤ۔ یہ میرا وطن نہیں اور نہ ہی میں یہاں خوش ہوں۔ میں اکتا چکا ہوں۔ یہاں ہے کیا سوائے اس کے کہ کھاؤ پیو اور پڑے اینڈا کرو۔ یہاں پتھر کے مکانوں میں بسنے والوں کی مٹی جیسی نرم زندگی مجھے بالکل پسند نہیں۔ ایسی زندگی سے جو انسان کے دلوں کو کچل دیتی ہے اس کی قوتوں کو پانی بنا دیتی ہے اور اس کے جسم پر چربی کی تہیں چڑھا دیتی ہے۔ مجھے سخت نفرت ہے۔ مجھے عورتوں ان کے زرق برق لباسوں اور باز سے شکار کرنے والوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس ٹھنڈے ملک سے کوسوں دور ہم نے مائیوں سے جنگ کی تھی۔ کی تھی نا؟ وہ زندگی تھی۔ بے چین،

پُرشور اور گرم۔ لیکن یہاں ؟ پتہ نہیں یہاں کے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہیں کسی بات پر غصہ آتا ہی نہیں۔ ان کی زندگی کیا ہے تالاب کا ٹھہرا ہوا پانی ہے اور بس۔ اب میں سوچتا ہوں کہ یہاں رہ کر میں بھی عورتوں جیسا نہ بن جاؤں۔"

اور اس نے مایوسی سے اپنے انگوٹھی کا اس کی طرف دیکھا۔

"اچھا تو یہ بات ہے؟" میں نے کہا "تم پر پھر خون کا بھوت سوار ہوا ہے۔ کچھ جھوڑ کو ڈھونڈنے۔ مارنے کے لئے کسی درخت کی تلاش ہے اور وہ بھی اس بڑھاپے میں۔"

دیکھو میکو میزن میں بیوپاری ہوں، خون کا بیوپار کرتا ہوں لیکن یہ بیوپار دنیا کے اور بہت سے بیوپاروں سے زیادہ اچھا اور ایماندارانہ ہے۔ کسی کو دست بدست جنگ میں قتل کرنا اس سے بہتر ہے کہ تمہاری نام نہاد تہذیب کا سہارا لے کر کسی غریب کا خون جونک کی طرح چوسا جائے۔ میں ایک ہی وار میں اپنے مقابل کا خاتمہ کر دیتا ہوں لیکن تہذیب یافتہ اسے تڑپا تڑپا کر مارتے ہیں۔ آج تک میرے ہاتھوں بہت سے جوانمرد مارے جا چکے ہیں اور اس بڑھاپے میں بھی میں کسی نامی پہلوان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دنیا کی کوئی ماں آج تک وہ بچہ پیدا نہیں کر سکی جو مجھے خائف کر سکے۔ اپنا اپنا طریقہ ہے۔ معاف کرنا تم سفید لوگوں کے طریقے ہم سیاہ فاموں سے جدا اور ظالمانہ ہیں۔ پہاڑوں میں رہنے والے طاقتور بیل کو گھاس کے میدان میں چھوڑ دو تو اس کی طاقت زائل ہو جائے گی۔ وہ مر جائے گا۔ میکو میزن میں جانتا ہوں کہ میں تند خو، گنوار اور اکھڑ ہوں۔ جب میرا خون گرما جاتا ہے تو مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا کہ میں کیا کر رہا ہوں لیکن جب موت مجھے اپنی آغوش میں لے کر جدا کر دے گی۔ اس وقت میں تمہیں یاد آؤنگا

تم میری یاد میں آنسو بہاؤ گے میکومیزن تم مجھ سے چاہے جو کچھ کہو لیکن تمہارے دل میں ایک خاص جگہ حاصل کر چکا ہوں تم مجھے چاہتے ہو تمہیں مجھ سے بے لوث محبت ہے۔ حالانکہ میری حیثیت کوئی نہیں۔ میں ایک زولو کتا ہوں جس کا کوئی گاؤں نہیں کوئی گھر نہیں، کوئی رشتہ دار نہیں۔ میں انجانی راہوں، بھیانک جنگلوں اور لق و دق میدانوں کا چہیتا ہوں۔ میں اچھوت ہوں، بے سہارا ہوں لیکن انجانی راہیں مجھے پیار کرتی ہیں۔ گھنے جنگلات میری دلدہی کرتے ہیں۔ میدان میرے قدم چومتے ہیں اور بلند پہاڑ مجھے پچکارتے ہیں۔ مجھے حوصلہ دلاتے ہیں۔ یہی بے جان قدرت کے کارخانے میرے ساتھی ہیں۔ میں آوارہ گرد ہوں، میں وحشی ہوں لیکن میکومیزن میں تمہاری عزت کرتا ہوں، تمہیں چاہتا ہوں، تمہارا مخلص دوست ہوں۔ اور یہی حال تمہارا بھی ہے کیونکہ ہم دونوں کے بال ایک مدت سے سفید ہو گئے ہیں میکومیزن ہم دونوں ایک نظر نہ آنے والے دھاگے سے آپس میں بندھے ہوئے ہیں اور یہ دھاگا بہت مضبوط ہے جو حادثات اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور تیز طوفان اسے نہیں توڑ سکتے۔ میکومیزن مجھ میں اور تم میں جو رشتہ قائم ہو چکا ہے وہ خون کے رشتہ سے بھی بڑا اور قوی ہے۔"

اور اس نے اپنے چھدے ہوئے کان کے بڑے سے سوراخ میں اٹکا ہوا پرانا خالی کارتوس نکالا جو اس کے لئے نسوار کی ڈبیہ کا کام دیتا تھا۔ اس نے ڈبیہ میری طرف بڑھا دی کہ میں اس میں سے نسوار لے کر اپنی دوستی کا ثبوت دوں۔

اپنے سینہ میں جذبات کا تلاطم لئے میں نے چٹکی بھر نسوار لے لی۔ اس حقیقت سے مجھے بھی انکار نہیں کہ میں اس خونی "کٹھ بھوڑ" سے بڑے خلوص سے محبت کرتا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے کردار میں ایسی کیا چیز تھی جو

نیچے بھاگ گئی تھی۔ شاید کوئی اس کی بے پناہ قوت کا گرویدہ ہو جائے یا اس کا اونچا اخلاق کسی کے دل پر اثر انداز ہو لیکن ان ظاہری چیزوں کے سبب میں اس سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہتا ہوں کہ آج تک افریقہ کے جن وحشیوں سے میں مل چکا ہوں۔ امسلوپوگاس ان سے مختلف تھا۔ عقل مند اور ہوشیار ہونے کے باوجود وہ بچہ جیسا تھا۔ بچوں کی سی حرکتیں کرتا۔ بچوں کی سی ضد کرتا لیکن جب وقت آتا تو یہی بچہ نہایت الجھی ہوئی گتھی کو انگلی کے ایک ادنیٰ اشارے سے سلجھا دیتا۔ وہ افسانوی ہیرو کی طرح نرم دل تھا لیکن میدان جنگ میں شیر ببر۔ جو کچھ اس کے دل میں آتا بلا جھجک منہ پر کہہ دیتا۔ صاف گو اور صاف دل۔ بغض اور کینہ کے تو نام سے بھی واقف نہ تھا۔

بہر حال وہ مجھے بہت عزیز تھا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ میں نے آج تک اپنے ان جذبات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ "آہ بوڑھے بھیڑیے" میں نے کہا۔ "تیری محبت اور دوستی بھی عجیب ہے۔ آج تو میری دوستی کا دم بھر رہا ہے لیکن اگر کل میں تیرے راستے میں کھڑا ہو جاؤں تو۔ تو بلا تکلف میری کھوپڑی کو ٹھوڑی تک چیر کر رکھ دے گا۔"

"تم نے ٹھیک کہا میکومیزن۔ سچ ہے اگر تم میرے فرائض میں حائل ہونے کی کوشش کرو تو میں تمہاری گردن اڑا دوں لیکن جب انکوسی کاس اپنا کام کر چکے اور تم موت کی اتھاہ تاریکی میں روپوش ہو جاؤ تب میں زندگی بھر تمہاری موت پر آنسو بہاتا رہوں گا اور آخری سانس تک تمہاری یاد میرے دل میں چٹکیاں لیتی رہے گی جو بھی میرے سامنے دیوار بننے کی کوشش کرتا ہے میرے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔ پھر وہ میرا بھائی باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو لیکن اس سے میری محبت میں کوئی فرق نہیں آتا میکومیزن

سچ کہنا کیا اس تالاب کے ٹھہرے ہوئے پانی میں بھی تلاطم پیدا ہونے کا امکان ہے؟ کیا واقعی اس سرد ملک میں جنگ کے شعلے بھڑکیں گے؟" اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "رات میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس سے تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خاتون شب خنجر لے کر اپنی بہن کی خوابگاہ میں کیوں داخل ہوتی؟

میں نے املوپوگاس کو تمام واقعہ سنا کر کہا کہ دونوں بہنیں واقعی ایک دوسرے سے خفا ہیں اور یہ کہ وہ انکیو کے لئے جھگڑ رہی ہیں۔

"اوہ یہ بات ہے" اس نے مارے خوشی کے قریب قریب ناچتے ہوئے کہا "تب تو جنگ اتنی ہی یقینی ہے جتنا کہ موسم باراں میں دریاؤں کا پانی چڑھنا یقینی امر ہوتا ہے۔ جنگ، فیصلہ کن جنگ۔ عورتوں کو آخری الفاظ اور آخری ضرب بے حد پسند ہوتی ہے اور جب وہ محبت کے لئے لڑتی ہیں تو زخمی بھینسے کی طرح خونخوار ہو جاتی ہیں۔ جانتے ہو میکومیزن عورت محبت کی خاطر خون کے دریا میں بھی پھاند سکتی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کئی ایک ایسے واقعات دیکھے ہیں۔ آہ میکومیزن اب میری آنکھیں ان پتھروں کے مکانات کو جلتے دیکھیں گی اور میرے کان ایک بار پھر جنگی نعرے سنیں گے۔ اس خوبصورت شہر کی نالیوں میں انسانی خون بہے گا۔ واہ۔ میکومیزن۔ میرا یہ سفر بیکار نہیں گیا لیکن میں حیران ہوں کہ یہاں کے لوگ کیا واقعی جنگ کر سکیں گے؟ تمہارا کیا خیال ہے؟"

اسی وقت ہنری آ کر ہم میں شامل ہو گیا اور فوراً ہی گڈ بھی آ گیا۔ اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ چہرہ پھیکا پھیکا معلوم ہو رہا تھا اور آنکھیں بے نور سی تھیں جیسے ہی املوپوگاس نے گڈ کو دیکھا اس نے اپنی خونی باتیں بند کر دیں

اور مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

"آہا۔ باگون۔ آؤ آؤ۔" اس نے کہا۔ "بہت تھکے ہو۔ معلوم ہوتے ہو کل بہت زوروں سے شکار کیا شاید؟" اور پھر گیڈ کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے کہا: "سنو باگون میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں ایک عورت بھی ہے اس کہانی میں اس لئے یقین ہے کہ تم دلچسپی سے سنو گے۔"

اور اس نے اپنی کہانی یوں شروع کی۔

"کسی جگہ ایک مرد رہتا تھا جس کا ایک بھائی تھا۔ پھر ایک عورت تھی جو اس مرد کے بھائی کو چاہتی تھی لیکن بھائی کی ایک خوبصورت بیوی تھی اس لئے وہ اس عورت کو نہیں چاہتا تھا بلکہ الٹا اس کا مذاق اڑاتا تھا۔ اب ہوا یوں کہ اس عورت نے جو لومڑی ایسی ہوشیار اور چالاک تھی ایک چال چلی اس نے مرد سے کہا: "میں تمہیں چاہتی ہوں تم اپنے بھائی سے جنگ چھیڑ دو۔ اور اگر تم کامیاب ہوئے تو میں تم سے شادی کر لوں گی۔" مرد بخوبی جانتا تھا کہ عورت جو کچھ کہہ رہی ہے وہ سب جھوٹ ہے لیکن وہ اس خوبصورت عورت کی محبت میں اندھا ہو رہا تھا اس لئے اس نے اس مکار عورت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائی سے جنگ چھیڑ دی۔ جب بہت سے آدمی مارے گئے تو بھائی نے بھائی سے کہا: "تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ کیا بچپن میں ہم دونوں ساتھ نہیں کھیلے؟ کیا اس وقت سے لے کر آج تک میں نے تم سے محبت نہیں کی؟ جب تم مصائب میں گھر جاتے تھے تو کیا میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا تھا؟ کیا ہم نے دوش بدوش کھڑے ہو کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا؟ باپ کے مرنے کے بعد ہم نے مویشی اور زمین آپس میں برابر تقسیم نہیں کیں؟ پھر سمجھ میں نہیں آتا

کرمیرا وہ بھائی جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے مجھے کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟"

مرد کی آنکھیں کھل گئیں اور اسے صاف نظر آ گیا کہ وہ جو کچھ کرنے چلا تھا وہ سراسر حماقت اور شیطانی کام تھا۔ اس نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور بھائی سے بغل گیر ہو گیا اور پھر دونوں ایک ہی گاؤں میں مل جل کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد وہی خوبصورت عورت مرد کے پاس آئی اور کہا "جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا ہے میں تمہاری بیوی بننے آئی ہوں۔" مرد جانتا تھا کہ عورت جھوٹی ہے وہ پھر کوئی چال چلے گی۔ لیکن جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں وہ اندھا ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اس سے شادی کر لی۔

شادی کی پہلی رات تھی اور مرد گہری نیند سو رہا تھا۔ عورت جو اب اس کی بیوی تھی۔ بڑی آہستگی سے اس کے پہلو سے اٹھی۔ اس نے مرد کی کلہاڑی اٹھائی اور چپکے سے بھائی کی جھونپڑی میں رینگ گئی اور بڑی بے دردی سے اسے قتل کر دیا۔ پھر وہ شکم سیر شیرنی کی طرح واپس مرد کی جھونپڑی میں آ گئی۔ بیوقوف مرد اب تک گہری نیند سو رہا تھا اور اس کا بھائی ایک فریب کار عورت کے ہاتھوں نیند میں قتل ہو چکا تھا۔ عورت نے خون آلود کلہاڑی مرد کے پہلو میں رکھ دی اور راتوں رات گاؤں سے باہر نکل گئی۔"

صبح ہوئی تو گاؤں کے لوگ چیخ پکار کرنے لگے کہ "سومتا کو قتل کر دیا گیا۔ سومتا کو قتل کر دیا گیا"۔ اسی طرح سے چلاتے ہوئے وہ مرد کی جھونپڑی میں گھس آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ اب تک سو رہا تھا اور خون آلود کلہاڑی اس کے پہلو میں پڑی ہوئی تھی۔ لوگوں کو پہلی جنگ یاد آ گئی اور انہوں نے کہا "دیکھا۔ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا"۔ گڑبڑ

سن کر مرد کی آنکھ کھل گئی اور اس سے پہلے کہ مشتعل ہجوم اس کی تکہ بوٹی اڑا دیتا وہ اٹھا اور بھیڑ کو چیرتا ہوا جھونپڑی سے نکل کر ایک طرف بھاگا۔۔۔۔
اتفاقاً اسے راستے میں وہی مکار عورت مل گئی جو اس کی بیوی تھی۔ مرد نے کلہاڑی اٹھا کر اس پر وار کیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔
لیکن موت اس مکارہ کے شیطانی کارناموں پر پردہ نہیں ڈال سکتی اور یا گویا اپنے بھائی کے قتل کا الزام اس مرد پر بھی اتنا ہی آتا ہے جتنا کہ اس عورت پر۔ وہ اپنی نظروں میں بھی مجرم اور گناہ گار ہے کیونکہ اس نے سب کچھ جانتے ہوئے اس عورت سے شادی کی اور اسے موقع دیا کہ وہ اس کے بھائی کو قتل کر دے۔ اپنے اندھے پن کی سزا اس مرد کو یہ ملی کہ اب وہ بے وطن ہے اور اس کے اپنے گاؤں کے لوگ اس کو بھلا چکے ہیں اور اگر کوئی اسے یاد بھی کرتا ہے تو اس کے وجود پر لعنت بھیجنے کے لئے۔ وہ مرد اب جنگل جنگل اور صحرا صحرا آوارہ کتے کی طرح بھٹک رہا ہے اور آخر کار وہ کسی ویران گوشے میں زخمی ہرن کی طرح گمنامی کی حالت میں سسک سسک کر مر جائے گا اور پشتوں کے بعد نسلیں اس پر لعنت بھیجتی رہیں گی۔
لوگ کہیں گے کہ وہ نمک حرام اور احسان فراموش تھا کہ اس نے اپنے بھائی کو سوتے میں قتل کر دیا۔ لعنت ہو اس پر۔ دوست نہ یا چلنز اور راج بہت مشہور ہے۔ عورتوں کے مکر و فریب سے ہر وقت ہوشیار رہو عورتوں کو حسن کی دولت عطا ہوئی ہے جس کے ذریعہ وہ ہر ایک کو بیوقوف بنا سکتی ہے
بوڑھے زدلو نے اپنی کہانی ختم کی اور میں نے دیکھا کہ وہ خود بھی اپنی کہانی سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا اور آنسو کے چند قطرے اس کے رخساروں پر لڑھک آئے کچھ دیر بعد اس نے آہستہ آہستہ اپنا جھکا

ہوا سر اٹھایا اور کہا: "باگون وہ بدنصیب اور بیوقوف مرد میں ہی ہوں میں جو کچھ کہتا ہوں۔ اسے غور سے سنو۔ مجھے نظر آ رہا ہے باگون کہ جو حالت میری ہوئی وہی تمہاری ہونے والی ہے۔ ایک آلہ کار کی سی۔ اس خچر کی سی جو بے گناہ ہے مگر اپنی حماقتوں کے سبب اس نے اپنی پشت پر دوسرے کے گناہوں کا بھی بوجھ لاد لیا ہو۔ باگون گذشتہ رات جب تم خاتون شب کا تعاقب کر رہے تھے میں تمہارے پیچھے تھا اور جب اس نے تلیقا کی خوابگاہ میں تم پر حملہ کیا اس وقت بھی میں وہیں موجود تھا اور جب تم نے اسے پتھر کی دیوار میں ناگن کی طرح رینگ جانے دیا اس وقت بھی میں سب کچھ دیکھ رہا تھا اور میں نے سمجھ لیا کہ تم مسحور ہو گئے تھے۔ خاتون شب نے تم پر جادو کر دیا تھا۔ تعجب تو یہ ہے باگون کہ ایک حق پرست نے باطل کا ساتھ دیا اور وہ شخص جو ہمیشہ صحیح راستے پر چلا کرتا تھا غلط راستے پر جا چڑھا۔ میرے دیپھے سردار، اگر میری یہ باتیں تمہیں تلخ معلوم ہو رہی ہوں تو مجھے معاف کرنا لیکن یہ آواز میرے دل کی گہرائیوں سے نکل رہی ہے اب تم عہد کرو کہ خاتون شب سے نہیں ملو گے۔ تاکہ جب تم قبر کے تاریک گڑھے میں جا سوؤ تب لوگ عزت و احترام سے تمہارا نام لیں۔ تمہارا نام لعنتیوں کی فہرست میں درج نہ ہو جائے اور پھر تمہاری بھی مجھ جیسی یا پھر مجھ سے بھی بری حالت نہ ہو جائے۔ بس میں کہہ چکا۔"

اسلوپوگاس کی یہ لمبی چوڑی تقریر گڈ خاموشی سے سنتا رہا لیکن کہانی کے آخر میں بوڑھے لڈلو نے گڈ کو براہ راست مخاطب کیا اور کہانی کا رخ ایک دم سے اس کی طرف مڑ گیا تو گڈ کا چہرہ شاید شرم اور خجالت سے سرخ ہو گیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ گذشتہ رات کا واقعہ اب راز نہ

نہیں رہا تو وہ مغموم ہو گیا۔ آخر کار جب اس نے زبان کھولی تو اتنی عاجزی اور انکساری سے کہ جو اس کی شان کے خلاف تھی۔

"یہ بات تو میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔" اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا: "کہ مجھے اپنے فرائض کی تعلیم ایک دمشقی زدلو سے لینی پڑے گی لیکن جو بات ہم سوچ بھی نہیں سکتے وہ اچانک ہو جاتی ہے۔ دوستو، تم نہیں جانتے کہ میں کتنی شرمندگی اور پریشانی محسوس کر رہا ہوں اور میں اس کا سزاوار بھی ہوں۔ واقعی میں چاہتا تو سورائیس کو سپاہیوں کے حوالے کر سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا یا نہ کر سکا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے نہ صرف اسے نکل جانے دیا بلکہ اس معاملے میں خاموش رہنے کا وعدہ کیا۔ اس نے مجھ کو لالچ دیا تھا کہ اگر میں اس کے شیطانی ہتھکنڈوں میں شریک ہو جاؤں تو وہ مجھ سے شادی کر کے زودیندی کا بادشاہ بنا دے گی لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اتنا کہنے کی جرأت عنایت کی کہ اس کے لیے میں اپنے دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ دوستو، میں واقعی گناہگار ہوں اور ہر سزا کا مستحق۔ تم جو چاہے مجھے سزا دے لو میں اف نہ کروں گا۔ ہم سے میں کہتا ہوں کہ خدا کیلئے کبھی کسی عورت کی محبت میں اتنے نہ پھنس جانا کہ باہر نکلنا ناممکن ہو جائے اور پھر تمہیں اس عورت کی اور اپنے دل کی طرف سے دکھ پہونچے۔"

وہ جانے کے لئے پلٹا۔

"گڈ،" ہنری نے کہا: "ایک منٹ رک کر مجھ سے بھی ایک کہانی سنتے جاؤ۔"

اور ہنری نے اپنا اور سورائیس کا وہ تمام واقعہ بیان کر دیا جو میں پچھلے باب میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ گڈ ایک تو ویسے ہی ملول تھا

لیکن اسے اتنا یقین تو ضرور تھا کہ سوڈانیس کو اس سے محبت نہ سہی انسیت ضرور ہے لیکن سنہری کا داغ اونٹ کی پشت پر آخری تنکا ثابت ہوا۔ اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی اور رنگ زرد ہو گیا۔

"بہت بہت شکریہ دوستو کہ تم نے مجھے اندھے کنوئیں میں گرنے سے بچا لیا" اس نے کہا "یہ تو مجھے آج پتا معلوم ہوا کہ تم لوگ کامیاب ناصح بھی ہو"۔

وہ پلٹ کر چل دیا اور میں نے اپنے دل میں اس کے لئے بے پناہ ہمدردی کا جذبہ محسوس کیا۔ مجھے اس کی حالت پر رحم آ رہا تھا۔ آہ اگر پروانے احتیاط برتتے ہوئے شمع سے دور دور رہنے کی کوشش کریں تو اس کے گرد کتنے پر نظر آئیں۔

وہ دن عام دربار کا تھا۔ مندرجہ بالا گفتگو کے کچھ ہی دیر بعد ہم دربار میں جا رہے تھے کہ راستے میں گلڈ مل گیا۔ اس کی حالت واقعی قابل رحم تھی بے اختیار میرا دل بھر آیا۔

جب ہم دربار میں پہونچے تو پجاری اور امراء آ چکے تھے اور نلیتھا اپنے تخت پر بیٹھی حسب معمول سیاسی معاملات پر بحث کر رہی تھی۔ درباریوں کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں فی الحال عام معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ خانہ جنگی کی افواہ میلوسس میں پھیل چکی تھی اور ہر شخص اپنے طور پر پیشن گوئی کرنے کے لئے بے تاب تھا۔ سوڈانیس کا تخت خالی تھا۔ ہم نلیتھا کو سلام کر کے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک حسب معمول کام ہوتا رہا۔ دفعتہً کمرے کے باہر سے بگل چلا اٹھے۔ اس طرف ایک بے پناہ ہجوم کسی غیر معمولی حادثہ کی پیش بندی کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ بگل کی آواز کے ساتھ ہی محل کے باہر ہزاروں آوازیں بلند ہوئیں "سوڈانیس سوڈانیس"

محل سے باہر رتھ کے پہیوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔ کمرے کے انتہائی سرے پر کے حریری پردے ہٹائے گئے اور خاتون شب دربار میں داخل ہوئی۔ وہ تنہا نہ تھی۔ اس کے ساتھ نہایت قیمتی لباس میں ملبوس پیشوائے اعظم ریگون تھا اور ان دونوں کے پیچھے معبد کے دوسرے پجاری۔ ان سب کی آمد کا مقصد واضح تھا۔ پجاریوں کی موجودگی میں اور پورے دربار میں سورائیس کو حراست میں لینا ناممکن تھا۔ پجاریوں کے پیچھے امراء اور پھر ان کے پیچھے مسلح سپاہی تھے۔ سورائیس کے چہرے پر ایک ہی نظر ڈالنے سے پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اس وقت شرارت پر تلی ہوئی ہے۔ شاہی لباس کے بجائے وہ پجاریوں کا سا فلس دار جبہ پہنے ہوئے تھی اور سر پر سونے کی ٹوپی سی رکھے ہوئے تھی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کا نہایت خوبصورت کھلونے جیسا چھوٹا سا نیزہ تھا۔ وہ اپنے حسن پر ناز اں مغرورانہ شان سے آگے بڑھی لوگوں نے دائیں بائیں دب کر اس کے لئے راستہ بنایا۔ مقدس پتھر کے سامنے آکر وہ رک گئی اس نے اپنے دونوں ہاتھ پتھر پر ٹیک دیئے اور بلند آواز میں تخت نشین نلیتھا کو مخاطب کیا۔

"سلام اے ملکہ" اس نے کہا۔

"سلام میری عزیز بہن۔ آؤ قریب آؤ۔"

"ملکہ میں کچھ کہنے آئی ہوں۔ تم سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔"

"کہو کیا کہتی ہو، مانگو سورائیس کیا مانگتی ہو؟ دنیا میں ایسی کیا چیز ہے جو میں اپنی پیاری بہن کو جو میری مملکت میں برابر کی شریک ہے نہیں دے سکتی۔"

"ملکہ میں سورائیس اس نے کہا میں چاہتی کہ میں جو کچھ دریافت کروں۔ وہ تم ان درباریوں کو سچ سچ بتا دو۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تم اس اجنبی بھیڑیئے کو

اپنا شوہر بنانا چاہتی ہو؟" اس نے ہنری کی طرف اشارہ کیا۔ "کیا یہی وہ شخص نہیں ہے جو تمہاری مملکت اور تمہارے بستر میں برابر کا شریک ہوگا؟"

"بھیڑیے" کا لفظ سن کر ہنری بہت جز بز ہوا۔ اس نے سورائیس کی طرف تکتے ہوئے نیچی آواز میں کہا: "ملکہ کل تو آپ نے بجائے بھیڑیئے کے مجھے نہایت ہی پیارے بھرے ناموں سے مخاطب کیا تھا۔ پھر آج یکا یک اتنی نفرت کا اظہار کیوں؟"

سورائیس اپنے ہونٹ چبانے لگی اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ لیکن اس نے ہنری کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اب رہی نلپتھا تو جب اس نے دیکھا کہ اس کی اور ہنری کی محبت کا راز فاش ہو ہی چکا ہے اور جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں تو اس نے سورائیس کے سوال کا جواب ایک نرالے طریقے اور بڑی دلیری سے دیا۔ اور اس یقین کے ساتھ کہ یہ اس کی پہلی فتح ہوگی وہ تخت سے نیچے اتر کر ہنری کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ پر لپٹا ہوا سونے کا سانپ کی شکل کا کڑا کھول کر ہنری سے جھک جانے کو کہا۔ ہنری نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے نلپتھا کے سامنے اپنے گھٹنے فرش پر ٹیک دیئے۔ نلپتھا نے سونے کا سانپ اپنے عاشق کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ "میرے پیارے آقا"

"تم نے دیکھ لیا سورائیس"۔ جب درباریوں کی بھنبھناہٹ کم ہوئی اور ہنری کھڑا ہو گیا تو نلپتھا نے کہا: "میں نے اپنی زنجیر اجنبی بھیڑیئے کی گردن میں ڈال دی ہے اور اب یہی بھیڑیا میرا جیون ساتھی اور میری جان کا محافظ ہے اپنی بہن ملکہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو میرا یہی جواب ہے۔" پھر اس نے مسکرا کر ہنری کی طرف دیکھا اور اس کی گردن میں پڑے ہوئے سانپ کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا "گھبراؤ نہیں انکبو۔ شاید یہ طوق تمہیں اس وقت وزنی معلوم ہو لیکن وہ خالص سونے کا ہے اور تمہاری گردن کو زخمی نہیں کرے گا۔"

وہ مجمع کی طرف گھوم گئی۔

"خاتونِ شب۔ رگیون۔ پجاریوں اور امراء تم سب گواہ رہنا کہ میں تمہارے سامنے اس اجنبی کو بطور اپنے شوہر کے قبول کرتی ہوں اب وہ میرا ہے اور میں اس کی۔ کیا میں ملکہ نہیں؟ تم سب جانتے ہو کہ میں زدوینڈیا کی ملکہ ہوں تو کیا مجھے اتنا بھی اختیار نہیں کہ اپنی پسند کا شوہر انتخاب کروں؟ کیا میں اس کمزور، غریب اور ذلیل لڑکی سے بھی گئی گزری ہوئی جو اپنی پسند کا مرد چنتی ہے؟ نہیں میں ملکہ ہوں اور میں جو چاہوں کر سکتی ہوں۔ اس اجنبی کو میں نے پسند کر لیا اور اب میرا جسم، میرا تخت، میرا ملک اور میری جان اس کی ہے اگر یہ اجنبی ایک بیوقوف بھکاری ہوتا اور میرے دل پر قبضہ جما لیتا تو میں اس کی خاطر تاج و تخت کو ٹھکرا دیتی۔"

نیلتھا نے ہنری کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور وہ یوں سینہ تان کر کھڑی ہو گئی جیسے ہنری کے ساتھ مل کر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ اس منظر سے کئی درباری اتنے متاثر ہوئے کہ خوشی کے نعرے بلند کرنے لگے اور تمام دربار ان نعروں سے گونج اٹھا لیکن ہماری دنیا کی طرح زدوینڈیا میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جنہیں ان لوگوں پر حسد آتا تھا جو پرانے قوانین توڑنے کی ہمت کرتے تھے اور بہرصورت اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے تھے۔ ایسے بہادروں کے سامنے آ کر بزدل لوگ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اس بہادر کا

ساتھ دیں۔ مار دیں بلکہ اس کے مخالف مدمقابل کرا دینے تنہا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ کئی لوگ تالیاں پیٹ رہے تھے، چلا رہے تھے اور کئی منہ لٹکائے کھڑے تھے۔ سورائیس اپنی جگہ پر دیوار کی طرح کھڑی ہوئی تھی اور اس کی نظریں فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنے محبوب کو کسی اور کی بغل میں دیکھ سکے۔ زلیخا کی کامیابی پر وہ پیچ و تاب کھا رہی تھی اور حسد و غصہ سے ہوا کے تھپیڑے سہتے ہوئے سفیدے کے درخت کی طرح تھرتھرا رہی تھی۔ شاید میں کسی جگہ کہہ چکا ہوں کہ سورائیس اس سمندر کے مانند تھی جو اوپر سے تو پرسکون ہو مگر اس کی تہوں میں تباہ کن طوفان کروٹیں لے رہا ہو اور اب وہ طوفان گویا کہ سطح پر آچکا تھا۔ وہ تباہ کن طوفان بیدار ہو چکا تھا۔

برافروختہ حسن ایک تو ویسے ہی دل نشین ہوتا ہے لیکن ایسا آتشیں حسن اور شاہانہ غم و غصہ کا نظارہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ خاتون شب کا حسن اور غصہ بہ یک وقت دل پر ایک عجیب اثر کرتے تھے۔

سورائیس نے اپنی نظریں اٹھائیں۔ اس کا رنگ بالکل سفید ہو گیا تھا اور آنکھیں جن کے گرد ارغوانی حلقے نمودار ہو گئے تھے۔ شعلے برسا رہی تھیں۔ اس کے نازک لبوں کے کونے کانپ رہے تھے۔ اس نے بولنے کے لئے اپنے لب کھولے لیکن اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ اس نے تین مرتبہ بولنے کی کوشش کی لیکن تینوں مرتبہ ناکام رہی۔ آخر کار اس کی قوت گویائی لوٹ کر آئی۔ اس نے اپنا کھلونے ایسا چھوٹا سا چاندی کا نیزہ

بلند کیا اور اس کے لباس پر کے فلس جھلملا اٹھے۔

"نلپنھا" سوراٹیس نے کہا "تم سمجھتی ہو کہ میں اس بات کو برداشت کرلوں گی ایک آوارہ اجنبی میرے اجداد کے تخت کو اپنے قدموں سے ناپاک کرے؟ کیا اس بات کو کوئی بھی برداشت کرسکتا ہے کہ ان کے ملک پر ایک ناپاک شخص کی مخلوط نسل حکومت کرے؟ اگر تم نے اس اجنبی سے شادی کرلی، تو کیا مخلوط نسل زرد بیٹی پر حکومت نہیں کرے گی؟ کیا وہ عظیم الشان زینہ اور محل کی مالک نہیں ہوگی؟ یعنی میں اس بات کو برداشت نہیں کرسکتی اور جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس مقدس ہال میں کون کون میرا ساتھ دینے کیلئے اور سورج دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تیار ہے؟"

دربار میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"نلپنھا" سوراٹیس نے کہا "میں چاہتی ہوں کہ تم اجنبیوں کو رنگیوں کے حوالے کردو تاکہ وہ انھیں سورج دیوتا پر بھینٹ چڑھا کر اس توہین کا بدلا لیں جو انھوں نے مقدس جانوروں کو مار کر کی ہے۔ نلپنھا حماقت نہ کرو تم اپنے پالتو بھیڑیئے اور اس کے ساتھیوں کو معبد کے سپرد کردو اور اگر نہیں تو میں تمہارے خلاف اعلان جنگ کرتی ہوں۔ آخری فیصلہ تک جنگ۔ شہروں میں آگ کے شعلے بھڑکیں گے اور میدانوں میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور اس کی ذمہ دار تم ہوگی کیونکہ تمہاری ہی وجہ سے یہ جنگ ہوگی اور پھر تمہارا ضمیر بیدار ہوگا۔ مرتے دم تک تمہارے کانوں میں مرنے والوں کی کراہیں گونجیں گی۔ بیواؤں کے نالے تمہاری نیند حرام کردیں گے اور یتیموں کی آہ وزاری تمہیں پاگل

کر دے گی اور یہ تمہارے گناہوں کی سزا ہو گی۔

" بلیتھا۔ میں تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ تمہیں تخت پر سے گھسیٹ کر زینہ کے چبوترے پر سے لڑھکا دوں گی تاکہ تم اس عظیم الشان زینہ اور محل کو اپنے وجود اور اپنی اولاد سے ناپاک نہ کر سکو۔ تمہاری ہڈیاں سرمہ ہو جائیں گی اور تمہاری چیخیں آسمان پر جائیں گی لیکن سورج دیوتا بھی تمہاری کوئی مدد نہ کر سکیں گی کیونکہ ان کے نزدیک بھی تم گناہ گار ہو۔

" اور اے اجنبی لوگو۔ تمہیں سونے کے پنجرے میں لپیٹ کر معبد کی چھت پر بنے ہوئے فرشتوں کے بگل سے ٹانگ دیا جائے گا۔ تاکہ تم تڑپ تڑپ کر جان دو اور لوگ تمہیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ ہاں۔ باگون جس نے ایک بار میری مدد کی ہے میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو تو اس کی جان بخشی کی جا سکتی ہے (گڈ نے سر ہلا کر انگریزی میں کہا " ایسا نہیں ہو سکتا") اور انکبو کسی اور طریقہ سے مارا جائے گا۔ عبرت ناک طریقے سے۔"

سورائیس دم لینے کے لئے رک گئی۔ جذبات کی فراوانی سے اس کا جسم کانپ رہا تھا اور پورا مجمع خوف و حیرت سے بڑبڑا رہا تھا اور اب بلیتھا نے بڑی شان اور سکون سے جواب دیا۔

" سورائیس تم نے جس طرح سے کمین لوگوں کی طرح گفتگو کی ہے اور مجھے دھمکی دی ہے اگر اسی طرح سے تمہیں جواب دوں تو وہ میری شان کے خلاف ہو گا اگر تم میرے مقابلہ پر آ ہی گئیں تو مجبوراً مجھے بھی ہتھیار اٹھانے پڑیں گے۔ میرے ہاتھ تمہیں نرم و نازک معلوم ہوتے ہیں لیکن وقت آنے پر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ فولاد جیسے سخت ہیں۔ میں نہ تو تم سے ڈرتی ہوں اور نہ ہی تم میرا کچھ بگاڑ سکتی ہو لیکن میری آنکھیں ان بے گناہوں کے لئے ضرور

آنسو بہائیں گی جو تمہاری خود غرضی اور رقابت کے بھینٹ چڑھ جائیں گے سورانئیس میں تم سے نہیں ڈرتی۔ تم سے جس نے گذشتہ کل ہی میرے آقا کے سامنے اپنی بے پناہ محبت جتا کر اس کو مجھ سے چھین لینے کی کوشش کی تھی۔ تم اس کے سامنے گڑگڑائی تھیں۔ تم نے اس کے قدموں پر اپنا مغرور سر رکھ دیا تھا اور کل ہی تم نے اس شخص کے سامنے اپنے اجداد کا تخت پیش کیا تھا جسے آج تم "اجنبی بھیڑیا" کہتی ہو (دربار پر ایک سناٹا چھا گیا) اور تمہیں تو گذشتہ رات خفیہ دروازے سے میری خواب گاہ میں اس ناپاک ارادے سے چوروں کی طرح داخل ہوئیں تھیں کہ مجھے اپنی بہن کو سوتے میں قتل کر دو تاکہ تمہارا راستہ صاف ہو جائے اور ......

"یہ جھوٹ ہے، سراسر جھوٹ ہے" رنگیون اور اس کے ساتھی چلائے۔

"نہیں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے" میں نے آگے بڑھ کر خنجر کا ٹوٹا ہوا پھل رنگیون اور درباریوں کو دکھاتے ہوئے کہا "ملکہ سورانئیس اس خنجر کا دستہ کہاں ہے؟"

"ہاں یہ جھوٹ نہیں" گڈ نے فرض شناس اور وفادار دوست کی طرح کہا (اور حقیقت میں وہ سچائی کا پجاری ہے) "ملکہ پر حملہ کرتے ہوئے خاتونِ شب کو میں نے ہی پکڑ لیا تھا اور خنجر میرے سینہ پر ٹوٹا ہے"

"واہ بھلا کبھی کسی کے سینہ پر بھی کہیں خنجر ٹوٹتا ہے؟ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد" رنگیون نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مقدس بزرگ خنجر واقعی کسی کے سینہ پر نہیں ٹوٹتا لیکن میں لوہے کی قمیض پہنے ہوئے تھا۔ جس پر خنجر نیزے اور تلواریں بھی ٹوٹ جاتی ہیں۔ یہ دیکھیے اور گڈ نے اپنے کوٹ کے بٹن کھول کر اس کے نیچے پہنی

ہوئی زرہ لوگوں کو دکھائی۔

"کون کون میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے؟" بار بار چلاتی رہی کر سورائیس چلائی اور پھر اس نے نیچی آواز میں گرجتے کہا۔ "تم بزدل ہو... ہو جو میری محبت کا گیت گایا کرتے تھے۔ میں تمہاری محبت کی قدر کرتی اور کامیاب ہونے پر تمہیں زورمیندا کا بادشاہ بنا دیتی لیکن تم نے اپنی حماقت سے یہ نادر موقع کھو دیا۔ تم میرے شوہر بھی ہوتے لیکن تم نے اپنے ہاتھوں اپنی درخشاں قسمت پر سیاہی پھیر دی۔ خیر باگوان تجھے اطمینان تو ہے کہ میں نے تمہیں نظر نہ آنے والی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے جو کبھی نہ ٹوٹ سکیں گی اور تم زندگی بھر تڑپتے رہو گے۔"

"جنگ، جنگ، جنگ" وہ چلائی۔ "اس مقدس پتھر پر ہاتھ رکھ کر میں قسم کھاتی ہوں کہ اس وقت تک چین نہ لوں گی جب تک کہ زورمیندا کو اجنبیوں سے پاک نہ کر لوں۔ خاتون شب کا نجو حق پر ہے اور فتح و کامرانی جس کے قدم چومتی ہے، کون ساتھ دینے کے لئے تیار ہے؟"

سورائیس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی دربار میں ایک ابتری پھیل گئی درباریوں میں سے کئی ایک سورائیس کے قریب جا کھڑے ہوئے اور سورائیس کے ساتھیوں میں سے کئی ایک نلپتھا کی طرف چلے آئے۔ نلپتھا کا ایک افسر کچھ دیر تک چپ کی حالت میں کھڑا رہا اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف چلا جس میں سے سورائیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ گذر رہی تھی۔ املولوپگا اس خاموش کھڑا بڑی دلچسپی سے یہ ڈرامہ دیکھ رہا تھا جب وہ افسر سورائیس کا ساتھ دینے کے لئے بڑھا تو زوندہ نے تیزی سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر وہ افسر خاتون شب سے جا ملا تو نلپتھا کی ذاتی فوج بھی اس سے جا ملے گی چنانچہ وہ تیر کی طرح لپکا اور دروازے کے قریب ہی

اندر کو بڑھا لیا۔ افسر نے پلٹ کر بڑی پھرتی سے اپنی تلوار بے نیام کی اور اسلوپوگاس پر وار کیا۔ زدلو نے ایک وحشیانہ نعرے کے ساتھ ایک طرف ہٹ کر اس کا وار خالی کیا اور پھر اپنے آہنی کانٹے پر لگی چھوٹی سی دشمن کے ماتھے پر ٹھونگ مارنے لگا۔ چند منٹ کی بات تھی۔ افسر دھم سے مرمر کے فرش پر لڑھک گیا۔ وہ مر چکا تھا۔

اور یہ آنے والی خوفناک جنگ کا دیباچہ تھا۔

"دروازے بند کر دو۔" میں چلایا کہ شاید ہم سوراٹیس کو باہر جانے سے روکنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن میرا حکم کافی دیر میں محافظوں کے پاس پہنچا۔ سوراٹیس کا آخری سپاہی بھی محل سے باہر جا چکا تھا۔ ایک ہی منٹ بعد گھوڑوں کی ٹاپوں اور رتھ کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

اور یوں سوراٹیس ملیتا کے نصف کے قریب سپاہیوں کو ساتھ لیے بگولے کی طرح میلوسس سے نکل گیا اور اس نے شمال کا رخ کیا جہاں "آرستوند" نامی ایک مقام پر جو میلوسس سے ایک سو تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اس کی اپنی فوج قائم تھی۔

اس کے بعد میلوسس میں ایک ہل چل مچ گئی۔ سپاہیوں، افسروں اور امرا کی آمد و رفت اور جنگی تیاریوں نے میلوسس کی فضا میں ایک تلاطم بپا ہو گیا اور ایک جانب بوڑھا اسلوپوگاس محل کے ایک کونے میں بیٹھ کر بڑے انہماک سے اپنے آہنی کانٹوں پر دھار رکھنے میں لگا ہوا تھا۔

بہر حال ایک شخص فرار ہونے میں ناکامیاب رہا اور وہ تھا پیشوائے اعظم ریگون

جو ہمارے بزرگوں نے سورائیس کا بہت بڑا حمایتی تھا۔ وہ اس سازش کا بانی مبانی تھا۔ اس کینہ توز اور خونخوار پیشوا نے اب تک ہمارا وہ گناہ معاف نہیں کیا تھا جو نادانستہ طور پر ہم سے سرزد ہو گیا تھا (یعنی دریائی گھوڑوں کا قتل) اور اب تک اس کے دل میں ہمارے خلاف غم و غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ ہمارے رہنے کے طور طریقے، لباس، کام کرنے کے ڈھنگ اور ہماری علمی اور تعلیمی اہلیت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال وہ ہمیں یا تو زندہ جلا دینے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہمیں زروبندی سے نکال باہر کرنے میں کوشاں تھا تاکہ اس کی عظمت اور شان میں ہماری موجودگی سے جو فرق آ چلا تھا وہ از نو قائم ہو جائے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ہمارا مذہب بھی مختلف ہے اور اس خیال سے خوفزدہ تھا کہ کہیں ہم اپنے مذہب کی تبلیغ نہ شروع کر دیں۔ ایک بار اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آیا ہمارے ملک میں کوئی مذہب بھی ہے یا نہیں؟ اور میرا یہ جواب سن کر کہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ ہمارے ملک میں کم و بیش پچانوے مختلف مذاہب ہیں، بے حد فکر مند ہو گیا تھا اور اس خیال سے بے حد پریشان تھا کہ ہمارے سبب کہیں زروبندی میں بھی پچانوے مذاہب نہ ہو جائیں اور اس کا اقتدار بالکل ہی ختم ہو جائے۔

جب ہمیں پتہ چلا کہ ریگون گرفتار ہو چکا ہے تو میں ہنری اور نلیتھا باہم مشورہ کرنے لگے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ میں نے کہا کہ اسے قید کر دیا جائے لیکن نلیتھا نے نفی میں سر ہلا کر کہا کہ اس کارروائی سے لوگ مشتعل ہو جائیں گے۔ اگر میں فتحیاب ہوئی۔ نلیتھا نے کہا: "تو پجاریوں کی قوت توڑ دوں گی اور ان کی جاری کردہ بے کار رسومات اور ان کی رنگ رلیوں کو اپنے پیروں تلے کچل دوں گی۔"

کاش کہ بوڑھا ریگون اس وقت موجود ہوتا نلیتھا کے یہ الفاظ سن کر۔

اس کی حالت قابلِ دید ہوتی نلیتھا نے جس نفرت اور غصہ سے یہ الفاظ ادا کیے تھے انہیں سن کر تو ریگون بھی ضرور ڈر جاتا۔

"اگر ہم اسے قید نہیں کر سکتے تو اسے آزاد کر دیا جائے۔ یہاں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" ہنری نے کہا۔

نلیتھا نے عجیب نظروں سے ہنری کی طرف دیکھتے ہوئے مردہ آواز میں کہا۔

"کیا واقعی میرے آقا یہ سمجھتے ہیں کہ ریگون کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہاں" ہنری نے کہا۔ "اس کی موجودگی یا غیر موجودگی ہمارے لئے برابر ہے نہ تو اس کی موجودگی سے ہمیں کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے اور نہ غیر موجودگی سے نقصان وہ ہمارے کسی کام کا نہیں۔"

نلیتھا نے کچھ کہا نہیں لیکن اس نے ایسے پیار اور شرم سے ہنری کی طرف دیکھا کہ وہ ان شرمیلی نظروں کا مطلب سمجھ گیا۔

"اوہ ملکہ۔ تمہارا مطلب ہے کہ" ہنری نے بے خود ہوتے ہوئے کہا۔ "یعنی کہ تم ان حالات میں بھی یعنی کہ، جبکہ ہر چہار طرف بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ تم مجھ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو؟"

"میں تو یہ نہیں کہتی ہاں اگر میرے آقا کی مرضی ہو تو پجاری بھی موجود ہے اور سورج دیوتا کی قربان گاہ بھی" اور اس نے محل میں بنے ہوئے چھوٹے سے شاہی مندر کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "سنو میرے آقا۔ ہفتہ عشرہ میں یا اس سے بھی پہلے تم مجھ سے رخصت ہو کر میدان جنگ میں پہونچ جاؤ گے۔ میری تمام فوج کی کمان تمہارے ہاتھ میں ہو گی۔ جنگ میں موت آزادانہ گھومتی ہے اور لوگوں کو بلا تکلف دبوچ لیتی ہے۔ میدان جنگ میں لوگ زخمی بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ اگر کہیں تم واپس نہ آ سکے تو میں تمہاری یاد اپنے دل

میں لئے اس کے سہارے جی لوں گی کیونکہ تم قانونی طور پر میرے ہو چکے ہو گے۔"
اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے میرے آقا" اس نے کہا "کہ مجھ سے تاج و تخت چھین لیا جائے اور ساتھ ہی میری اور تمہاری زندگی بھی ختم کر دی جائے۔ سورائیس بڑی طاقتور ہے اور اگر کہیں کامیاب ہو گئی تو ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرے گی۔ مستقبل کے بارے میں کون پیشن گوئی کر سکتا ہے کہ کیا ہو گا؟ زندگی کی مسرت اور سکون تو ایک پنچھی ہے اور کبھی اتفاق سے ہی نظر آجاتا ہے اور پھر تیزی سے پرواز کرتا ہوا ایسا غائب ہوتا ہے کہ کسی پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوا اور کہاں گیا؟ چنانچہ جب وہ پنچھی نظر آئے تو ہمیں چاہئیے کہ مضبوطی سے پکڑ لیں۔ انکبو مستقبل کے خوش گوار خیال سے حال کو نظر انداز کر دینا عقلمندی نہیں۔ آؤ۔ انکبو۔ اس سے پہلے کہ سورج کی کرنیں پھول پر کی شبنم کو چوس لیں۔ ہم پھول توڑ لیں۔ کل بھی پھول کھلیں گے لیکن کیا پتہ ہم انہیں توڑ بھی سکیں یا نہیں؟ کل کی آرزو میں ہم آج پھول نہ توڑیں اور پھر ایسا ہو کہ پھولوں کی آرزو ہمارے دلوں ہی میں رہ جائے اس لئے انکبو جو کچھ کرنا ہے آج ہی کر لو۔"

وہ ہنری کی طرف دیکھ کر مسکرائی لیکن یہ مسکراہٹ ایک آہ تھی ایک کراہ تھی ان دونوں نے میری موجودگی کو تو بھلا ہی دیا اور وہاں مجھ بوڑھے کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی۔ چنانچہ میں ان دونوں کو چھوڑ کر اپنے کمرے میں آیا۔ کھڑکی کے قریب اسلوپوگاس بیٹھا ہوا تھا اور بڑے ذوق و شوق سے اپنا کلہاڑا یوں تیز کر رہا تھا جیسے مرتے ہوئے بیل کے قریب بیٹھا ہوا گدھ اپنی چونچ تیز کرتا ہے۔

نصف گھنٹہ بعد خوشی سے دمکتا ہوا چہرہ لئے ہنری کمرے میں داخل ہوا اس نے آتے ہی گڈ، اسلوپوگاس اور مجھ سے پوچھا کہ کیا ہم ایک عجیب و غریب

تقریب شادی میں شرکت پسند کریں گے؟ بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ہم سب شام میں بیٹھے ہوئے اس چھوٹے سے مندر میں پہونچے جہاں دنیا نہاں ہے... تھا ہوا اگون زرد نیلا لبادہ پہنے کھڑا تھا۔ معلوم ہوا کہ نلیپتھا اور اگون میں اس شادی کے بارے میں بہت تیز تیز باتیں ہو گئی تھیں۔ اگون نلیپتھا اور سر ہنری کی شادی کرانے کے لئے صاف طور پر انکار کر چکا تھا اور مارے جوش کے یہ بھی کہہ گیا "اگر وہ کاہن بھی بیان کرے شادی کرانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اگون کے اس جواب سے نلیپتھا بے حد خوش ہوئی اور اس نے کہا کہ زو وینڈی کی ملکہ چونکہ وہی ہے اس لئے وہی معبد کی پیشوا بھی ہے اور معبد کا ہر پجاری حتیٰ کہ اگون بھی اس کا ماتحت ہے چنانچہ اسے ملکہ کا ہر حکم تسلیم کرنا ہوگا اور اسی کو یہ شادی پڑھانی ہوگی۔ [1]

اگون برابر انکار کئے جا رہا تھا۔ اب نلیپتھا بے قابو ہو گئی۔

"میں پیشوا کو نہ تو کوئی سزا دے سکتی ہوں اور نہ ہی اسے قید کر سکتی ہوں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا: "ایسا کرنے سے اس کے ماتحت پجاریوں کی چیخ و پکار سے آسمان کے تارے ٹوٹ کر زو وینڈی پر برس پڑیں گے لیکن مقدس اگون میں ایک بات پر تم کو ضرور مجبور کر سکتی ہوں تمہیں بغیر کچھ کھائے پئے سورج دیوتا کی قربان گاہ کے سامنے مراقبہ کرنا ہوگا اور یہ بات میں جبراً منوا سکتی ہوں۔ تمہارے پجاری اور زو وینڈی لوگوں سے کہہ دیا جائے گا کہ مقدس اگون نے سورج دیوتا سے لو لگا کر کھانا پینا تیاگ دیا ہے اور وہ کسی سے ملنے کو بھی تیار

---

[1] : زو وینڈی میں شاہی خاندان کے ہر فرد کی شادی صرف پیشوائے اعظم ہی پڑھا سکتا تھا۔ (ایلن کوارٹر مین)

نہیں رنگون اگر تم نے ہماری شادی نہ پڑھائی تو اسی وقت تمہیں قربان گاہ کے سامنے بٹھا دیا جائے گا اور اس وقت تک تم بھوکے رہو گے جب تک کہ تم ہماری شادی پڑھانے پر تیار نہیں ہو جاتے یا پھر مر نہیں جاتے۔ کہو اب کیا کہتے ہو؟ کیا میں اس سیاہ دیوتا اسلوپوگاس کو حکم دوں کہ وہ تم کو پکڑ کر قربان گاہ کے سامنے بٹھا دے!"

اتفاق سے اس صبح افراتفری میں رنگون ناشتہ نہ کر سکا تھا اور اس وقت مارے بھوک کے نڈھال ہو رہا تھا۔ چنانچہ کچھ دیر تک وہ گردن جھکائے سوچتا رہا۔ بھوک واقعی بری بلا ہے۔ آخر کار وہ ہنری اور نلیتھا کو میاں بیوی کے رشتہ میں جوڑنے پر مجبور ہو گیا اور آخر میں بولا کہ آج سے وہ اپنی تمام ذمہ داریوں سے بری ہوتا ہے۔

حالات ایسے تھے کہ دھوم دھڑکے سے تو شادی ہو نہیں سکتی تھی چنانچہ نلیتھا اپنی دو خواصوں کے ساتھ شرماتی لجاتی آئی۔ وہ دودھ جیسے سفید لباس میں ملبوس تھی۔ (یہ زوبو قبیلہ کا شادی کا لباس تھا) اس کے جسم پر گہنے کی قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ ہنری کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے ہنری کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور اب وہ دونوں قربان گاہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

"تم سورج دیوتا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کرتے ہو" نلیتھا نے ہنری سے کہا، "کہ اس وقت تک دوسری شادی نہیں کرو گے جب تک میں تمہیں اجازت نہیں دیتی۔ کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ اس وقت تک کسی دوسری عورت کو گھر میں نہیں لاؤ گے جب تک کہ میں اس کے سر پر اپنا آنچل ڈال کر اسے گھر میں آنے کی اجازت نہ دوں؟ کیا تم وعدہ کرتے ہو؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں" ہنری نے جواب دیا اور پھر انگریزی میں کہا۔

"میرے لئے صرف ایک ہی کافی ہے"

اور اب رنگیون جو ایک کونے میں کھڑا اس کارروائی کو خشمگیں نظروں سے دیکھ رہا تھا آگے بڑھا اور اپنی گھنی ڈاڑھی ہلا کر کچھ الفاظ اس تیزی سے بڑبڑانے لگا کہ میرے پلے کچھ نہ پڑا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لیکن پلینتھا بڑے غور اور توجہ سے اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ سن رہی تھی جیسا کہ بعد میں اس نے ہمیں بتایا اسے خوف تھا کہ رنگیون اپنی فطری چلن اور ضد سے مجبور ہو کر کہیں شادی کے خطبے کے بجائے ان کا طلاق کا خطبہ نہ پڑھ دے۔ خطبہ کے آخر میں ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ ایک دوسرے کو بطور شوہر اور بیوی کے قبول کرتے ہیں؟ جسے دونوں نے قبول کیا اور پھر قربان گاہ کے سامنے ہنری نے پلینتھا کے نازک ہونٹوں کو چوم لیا۔

اور یوں شادی کی رسم پوری ہوئی۔

لیکن رنگیون کے خطبہ سے مجھے کچھ اطمینان نہ ہوا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پلینتھا اور ہنری کی اب تک پورے طور سے شادی نہیں ہوئی۔ چنانچہ میں نے اپنی جیب سے دعا کی کتاب برآمد کی یہ کتاب ہر وقت اور ہر سفر میں میرے ساتھ رہتی تھی اور سونے سے پہلے میں اسے پڑھا کرتا تھا۔

"کرٹس" میں نے کہا: "نہ تو میں ناصح ہوں اور نہ مبلغ اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت میں جو تجویز پیش کرنے والا ہوں وہ تمہارے اور پلینتھا کے لئے قابل قبول ہے یا نہیں؟ اگر تم دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنے مذہب کے مطابق تمہاری شادی کا خطبہ پڑھ دوں تم زندگی بھر کے لئے کسی سے وابستہ ہو رہے ہو اور اپنے مذہب کے مطابق اس بندھن کو مضبوط کرنا ضروری ہے۔"

"سچ تو یہ ہے یار کوارٹرمین کہ میں خود بھی کچھ بے چینی محسوس کر رہا تھا" ہنری نے کہا۔ "لیکن اس بے چینی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی تم ضرور خطبہ پڑھو۔ حقیقت میں رنگیون کے خطبہ سے میں اپنے آپ کو نصف شادی شدہ بھی نہیں سمجھتا"

نلیتھا نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ چنانچہ میں نے خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میں نے پڑھا: "میں سر ہنری کرٹس نلیتھا کو بطور اپنی بیوی کے قبول کرتا ہوں" ہنری نے یہ الفاظ دہرائے۔ پھر میں نے زورو ینڈی زبان میں کہا: "میں نلیتھا ملکہ زورو ینڈی سر ہنری کرٹس کو بطور اپنے شوہر کے قبول کرتی ہوں" نلیتھا نے بھی یہی الفاظ دہرائے۔ اور اب ہنری نے اپنی انگلی سے سونے کی انگوٹھی نکال کر نلیتھا کی انگلی میں پہنا دی اور ایک بار پھر دونوں کے لب آپس میں مل گئے۔ اف بیچاری ہنری کی مرحوم ماں کی بھی اگر وہ اس وقت زندہ ہوتی تو اپنی بہو کو جو زورو ینڈی کی ملکہ ہے دیکھ کر کتنی خوش ہوتی؟

رنگیون ایک طرف کھڑا اس کارروائی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا لیکن جب اسے پتہ چلا کہ شادی کی رسم ہمارے مذہب کے مطابق ادا ہو رہی ہے تو دفعتاً بچارے مذہب اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے اور اس نے شوروغل مچانا شروع کیا۔ یقیناً اس نے سمجھ لیا کہ میں بھی اپنے مذہب کا پیشوائے اعظم اور اس کا رقیب ہوں۔ چنانچہ اس نے شوروغل مچا کر مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ بہر حال وہ غصہ میں بڑبڑاتا اور پیچ و تاب کھاتا ہم سے رخصت ہوا اور اس کے جا چکنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ رنگیون کو آزاد کر دینے میں ہم سے نہایت ہی ناشائستہ غلطی ہو گئی ہے۔ وہ اب نچلا نہ بیٹھے گا یا تو ہمارا خاتمہ کر دے گا یا پھر زورو ینڈی سے نکال کر

ہونے لگا۔

تانیثا، بملو پوگاس اور میں۔ نئے شادی شدہ جوڑے سے ملول دل لئے رخصت ہوئے۔ شادی بڑی مسرت آگیں چیز سمجھی جاتی ہے لیکن میرا تجربہ یہ ہے کہ شادی صرف نئے جوڑے کے لئے باعث مسرت ہو سکتی ہے دولہا کے دوستوں کے لئے نہیں یہی شادی ہے جو ہم سے ہمارے بہترین دوست چھین لیتی ہے۔ ہاں! وہ پرانا ساتھی وہ بہترین دوست جو ہماری غیر موجودگی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا شادی کے بعد ہماری موجودگی کو برداشت نہیں کر سکتا اور وہ ہم کو بھول کر ایک حسین و جمیل دوست سے زندگی بھر کے لئے وابستہ ہو جاتا ہے۔

مثلاً ہنری کی شادی کو ہی لیجئے۔ وہ ایک ہی سچا اور مخلص دوست ہے لیکن اسی روز سے جب اس نے اس چھوٹے سے مندر میں قربان گاہ کے سامنے اپنا نیا ساتھی چنا اس کے مزاج اور طبیعت میں نمایاں تبدیلی واقع ہو گئی۔ بس ہر وقت نلیتھا کے نام کی مالا جپنے لگا۔ نلیتھا یوں ہے، نلیتھا یوں نہیں، نلیتھا یوں کہتی تھی، نلیتھا کو یہ چیزیں پسند ہیں وغیرہ۔ مختصر یہ کہ سورج طلوع ہونے سے لے کر غروب ہونے تک وہ نلیتھا کا ہی کلمہ پڑھتا رہتا۔ نلیتھا کا نام لے کر بیدار ہوتا اور نلیتھا کا نام لے کر سو جاتا۔ اب رہے اس کے پرانے دوست یعنی میں اور گڈ تو ہماری جگہ اس کے دل میں قائم ضرور تھی لیکن نلیتھا کے بعد نلیتھا نے ہنری کے دوستوں کو پیچھے ڈھکیل دیا تھا پہلے نلیتھا اور پھر سب کچھ۔ دوستوں کی حیثیت اب فریق ثانی کی سی تھی اور اگر کہیں میں یہ تمام باتیں ہنری کے منہ پر کہہ دیتا تو وہ بے حد خفا ہوتا لیکن سچ آخر سچ ہے اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ ہنری بدل چکا تھا۔ نلیتھا نے اس پر جادو کر دیا

تھا اسے مسحور کر دیا تھا اور اس جادو کا اثر یہ تھا کہ وہ سوچنے پر مجبور نہ تھا کہ اس نے نلفھا سے شادی کی ہے ایلیون کہ اڈمین اور گڈ سے نہیں کہ ہر وقت ان کے پاس بیٹھا رہے لیکن مجھے شکایت کرنے کا کیا حق ہے؟ میں کون ہوتا ہوں شکایت کرنے والا۔ دنیا میں یوں ہی ہوتا آیا ہے اگر کسی خاتون کو میری یہ تحریر تلخ معلوم ہو تو میں ان سے معافی چاہتا ہوں۔ یقیناً وہ مجھے حاسد، بیوقوف اور سٹھیایا ہوا بڈھا کے خطابات عنایت کریں گی لیکن وہ کیا جانیں کہ دوستوں کے بچھڑنے کا غم کتنا شدید ہوتا ہے؟ اور اس صدمہ سے ایک مخلص اور سچے دوست کے دل کی حالت کیا ہو جاتی ہے۔ آپ چاہے اسے مجذوب کی بڑ سمجھیں یا اسے حسد رقابت یا پھر میرے دل کی آواز میرے دل میں جو کچھ تھا وہ میں نے بیان کر دیا۔

ہم نے خاموشی سے کھانا ختم کیا اور رنج و غم کو بھلانے زوو مینڈی کی شراب کے جام پر جام چڑھا رہے تھے کہ ایک خادم گھبرایا ہوا آیا اور اس نے ایک ایسی جانکاہ اور حیرت ناک خبر سنائی کہ ہم اپنا رنج و غم بھول گئے۔

قارئین بھولے تو نہ ہوں گے کہ املولپوگاس نے ایلفو لسے کی اس لئے مرمت کی تھی کہ اس نے زولو کو دھوکے سے پھلی کھلا دی تھی۔ اب ہوا یوں کہ اسی روز سے ایلفو لسے بے حد ملول اور دل برداشتہ رہنے لگا۔ ایک روز وہ اپنا دل بہلانے اور بوریت دور کرنے کے لئے تفریح کو نکلا اور خیالات میں مگن بڑے معبد کی پرلی طرف چلا گیا۔ اس طرف خوبصورت باغات اور گھاس کے میدان پھیلتے چلے گئے تھے۔ ایلفو نے ان باغات اور میدانوں کی سیر کے بعد لوٹ رہا تھا کہ راستے میں اس کی مڈبھیڑ سور اتیس اور اس کے سپاہیوں سے ہو گئی جو بگولے کی طرح اپنی فوجی چھاؤنی کی طرف جا رہے تھے۔

دراٹیس کی نظر ایلفونسے پر پڑی تو اس نے اپنی رتھ رکوالی اور اشارے سے ایلفونسے کو اپنے قریب بلا لیا۔ بے خبر اور بے وقوف باندری ابھی سوراٹیس کے قریب پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ سپاہیوں نے اسے پکڑ کر ایک رتھ میں ڈال دیا اور اسے لے کر ہوا ہو گئے۔ بقول ہمارے خبر رساں کے اسوقت ایلفونسے بے تحاشہ رو رہا تھا اور بری طرح چیخ رہا تھا۔

پہلے تو میں حیران رہ گیا کہ ایلفونسے کو اپنے ساتھ لے جانے میں سوراٹیس کی کون سی مصلحت پوشیدہ تھی اور اس مسخرے سے اسے کون سا فائدہ پہونچ سکتا تھا؟ یہ بات تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سوراٹیس ہمارا بدلہ ہمارے ملازم ایلفونسے سے لے گا۔ یہ بات اس کی فطرت اور شان کے خلاف تھی تو پھر ایلفونسے کا اغوا کرنے میں کون سا فائدہ مضمر تھا؟ کافی ذہن لڑانے کے بعد ایک حل سمجھ میں آیا۔

ہم تینوں زو و ینڈی میں ایک خاص مقام اور ایک خاص اہمیت حاصل کر چکے تھے۔ ایک تو اس لئے کہ ہم پہلے اجنبی تھے جو ان کے ملک میں آئے تھے اور دوسرے اس لئے کہ وہ ہمیں لافانی قوتوں کا مالک اور بے حد عالم سمجھتے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ سوراٹیس نے "اجنبی بھیڑیوں" کے خلاف جو اعلان جنگ کیا تھا اس پر پجاری اور امراء تو لبیک کہہ سکتے تھے لیکن عوام نہیں۔

قدیم زو و ینڈی لوگ قدیم رومیوں کی طرح نئی نئی دلچسپیوں کی تلاش میں رہتے تھے اور ہم چونکہ ان کے لئے ایک نئی اور انوکھی چیز تھے اس لئے ان کی تمام دلچسپیاں ہم سے اور صرف ہم سے وابستہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ ہنری کا مردانہ حسن اور اس کی قابل رشک صحت

زوو بنڈی میں ضرب المثل بن چکی تھی اور لوگ بڑی عزت اور احترام سے اس کا نام لیتے تھے۔ حسن ہر ملک اور ہر شہر میں سراہا ہی جاتا ہے لیکن زوو بنڈی لوگ تو حسن کے پجاری تھے۔ لوگ بازاروں اور گلیوں میں کہتے پھرتے تھے کہ پورے زوو بنڈی میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو حسنِ صورت اور حسن سیرت میں انکیو کا مقابلہ کر سکے (حالانکہ زوو بنڈی لوگ ہنڑ سے زیادہ حسین تھے لیکن وہ مارے احترام کے غلو سے کام لے رہے تھے) اور نہ ہی کوئی عورت سوائے سورائیس کے نلیتھا کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ ان کا کہنا تھا کہ ہنڑی اور نلیتھا کو سورج دیوتا نے ایک دوسرے کے لئے ہی پیدا کیا تھا اور یہ کہ ان کی شادی سے سورج دیوتا بہت خوش ہوئے ہیں۔

ان باتوں کے پیش نظر آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ہمارے خلاف جو بھی آواز اٹھائی جاتی بے اثر ثابت ہوتی۔ یہ بات سورائیس بھی بخوبی جانتی تھی۔ اس سرزمین میں جہاں خانہ جنگیاں عام ہوں کسی پرانی عداوت یا واقعہ کو یاد دلا کر لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکانا بہت آسان ہوتا ہے۔ سورائیس جیسی چالاک عورت کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی اور اس نے کئی ایک گڑے مردے کھود بھی لئے لیکن چونکہ ملک میں ہماری کافی شہرت اور عزت تھی اور ہماری دھاک بھی بیٹھی ہوئی تھی اس لئے سورائیس اپنی ان کوششوں میں کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوئی اس لئے اب ضروری ہوا کہ وہ ہم میں سے کسی اور کو اپنے ساتھ ملا لے جائے اور اسے "عظیم ترین اجنبی" کے روپ میں لوگوں کے سامنے پیش کرے اور یہ بھی کہے کہ یہ "عظیم ترین اجنبی" سورائیس کی حق پرستی سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اس سے آملا۔ تجویز ایسی تھی جو کبھی پٹ نہیں

پڑ سکتی تھی۔

اس خیال کے پیش نظر وہ گڈ کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ ملانا چاہتی تھی اور اگر گڈ اس کے جال میں پھنس گیا ہوتا تو وہ اس وقت تک اسے اپنے ساتھ رکھتی جب تک کہ اس کا مقصد پورا نہیں ہو جاتا اور پھر وہ گڈ کو بےکار چیز کی طرح کھوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیتی لیکن گڈ اس کے جال میں نہ پھنسا تو اس نے ایلفو نسے پر ہی قناعت کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایلفو نسے قد و توش میں گڈ سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ نسبتاً پستہ قد تھا لیکن اس کا کیا علاج کہ اس کے چہرے پر چھاجم حماقت اور بزدلی برستی تھی لیکن سورا ئیس اسی مسخرے اور بزدل شخص کو "عظیم باگون" کے روپ میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتی تھی ہوسکتا ہے کہ لوگ ایلفونسے کی صورت دیکھتے ہی بے اختیار ہنس پڑیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اسی مسخرے کے سہارے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا سکتی تھی۔

میں نے گڈ سے سورا ئیس کی اس چالاکی کا ذکر کیا تو وہ بیحد خفا ہوا "کیا۔ آ۔ آ۔ وہ گدھا" وہ پستہ قد مسخرہ" میں "بنے گا یعنی ایلفو نسے اور میں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے یعنی کہ۔ او خدا۔ مجھے ڈوب مرنا چاہئے۔ مجھے اس ملک سے چلا جانا چاہئے۔ ہائے ہائے۔ میری تمام شہرت میرا تمام حسن۔ خاک میں ملا جاتا ہے۔ مجھے مرجانا چاہئے۔"

میں نے گڈ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اپنے آپ کو ایک انجان ملک میں ایک مسخرے اور بزدل کے روپ میں تصور کرنا ناقابل برداشت ہے۔

اور پھر گڈ ایسے نفیس طبیعت شخص کو اس بات پر غصہ آنا چاہیے۔ چنانچہ بڑے زوروں سے آیا لیکن وہ کر کیا سکتا تھا سوائے اس کے کہ اپنے ہی بال نوچ کر رہ جائے۔

خیر تو اسی رات کمرے میں تنہا میں اور گڈ تھے۔ ہنری اپنی حسین و جمیل بیوی کے ساتھ حجلہ عروسی میں بند تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں ہنری کی شادی سے نہیں بلکہ اسے دفنا کر لوٹا ہوں۔ رات بھر میں اور گڈ اداس اداس رہے اور بہت کم سو سکے اور صبح ہوتے ہی جنگی تیاریوں میں جٹ گئے

نلیپتھا نے جو پیغامات دور و نزدیک شہزادگرد کے امراء اور افسروں کو روانہ کئے تھے اپنا اثر دکھا رہے تھے۔ سپاہی گروہ در گروہ میلوسس میں داخل ہو رہے تھے اور ان کے بھاری قدموں کی چاپ سے میلوسس کے در و دیوار کانپتے معلوم ہو رہے تھے شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ شادی کے بعد ہنری اور نلیپتھا کے درشن کبھی اتفاق سے ہی ہو جاتے تھے۔ چنانچہ تمام انتظامات مجھے اور گڈ کو کرنے ہوتے۔ سارا سارا دن ہم افسروں کے ساتھ دماغ کھپاتے جنگ کے نقشے تیار ہوتے۔ راستے مقرر کئے جاتے۔ پڑاؤ کی نشاندہی کی جاتی۔ فوج کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا جائے؟ کس طرح سے کوچ و قیام ہو؟ راشن کا انتظام، افسروں کو مشورے اور دوسری ایک ہزار باتیں تھیں جنہیں ہمیں تیار کرنا ہوتا اور رات کو جب ہم بستروں پر دراز ہوتے تو دماغ بھنایا ہوا ہوتا اور اتنے تھکے ہوئے ہوتے کہ ایک ہی کروٹ میں صبح کر دیتے۔

پہلے ہی دو روز میں یہ بات واضح ہو گئی کہ ہم چالیس ہزار پیادہ فوج اور بیس ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ میں جا سکتے ہیں۔ حالات کے

پیش نظر اتنے سپاہیوں کا فراہم ہو جانا غنیمت تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ملیچھا کی خاص فوج میں سے نصف لوگ الگ ہو کر سورائیس سے جا ملے ہیں۔ یہ خبر ذرا پریشان کن تھی لیکن ہم نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔

لیکن اگر ہماری فوج کثیر تھی تو ہمارے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق سورائیس کی کثیر تر۔ سورائیس نے اپنی فوجی چھاؤنی زدوینیدی کے مضبوط ترین قلعہ اور شہر آرستوند میں قائم کی تھی اور سورائیس کے ساتھ بہت سے نامور امراء مل چکے تھے۔ اس کی اجتماعی طاقت کے سامنے ہر کس و ناکس کانپ رہا تھا۔ ناستا اپنے وحشی کوہستانیوں کو لے کر سورائیس کی مدد کیلئے چل پڑا تھا۔ یہ کوہستانی زدوینیدی کے بہادر ترین سپاہی تھے۔ ایک دوسرا امیر بلوشا نامی بھی بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آرستوند پہنچ گیا تھا۔ بہر حال یہ بات یقینی تھی کہ سورائیس کی فوج ہماری فوج سے کافی زیادہ تھی۔ ہماری فوج سے قریباً تین گنا زیادہ۔ پھر خبر آئی کہ سورائیس خاص میلوسس پر حملہ کرنے کے لئے آرستوند سے چل پڑا ہے اور اپنے پیچھے پورا ملک چھوڑ رہا ہے۔ اب ایک نہایت اہم سوال درپیش تھا کیا میلوسس میں رہ کر سورائیس کے حملے کا انتظار کیا جائے یا پھر آگے بڑھ کر کہیں راستہ میں ہی اس سے جنگ چھیڑ دی جائے؟ جب ہم سے مشورہ طلب کیا گیا تو میں نے اور ساتھ ہی ہنری نے بھی کہا کہ میلوسس میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا حماقت ہے۔ اگر ہم قلعہ بند ہو گئے تو سورائیس اور اس کے سپاہی شیر ہو جائیں گے۔ اس لئے سورائیس کو راستے میں روک لینا چاہئے تاکہ ان پر ہمارا رعب چھا جائے۔

قصہ مختصر طے ہوا کہ سورائیس کو راستہ ہی میں روک لینا بہتر ہوگا۔ ملیچھا نے بھی

ہماری تجویز کی تائید کی۔ ندو میندری کا ایک بڑا سا نقشہ منگا کر پھاڑ دیا گیا سورائیس کے ہیڈ کوارٹر میں آرستوندر سے کوئی تیس میل ادھر اور میلوسس سے صرف انیس میل کے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی سرسبز پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا تھا اور ان پہاڑیوں کے بیچ میں سے ایک ڈیڑھ میل چوڑا راستہ گزرتا تھا۔ پہاڑیاں کچھ زیادہ بلند نہ تھیں لیکن پھر بھی اگر اس راستہ کی ناکہ بندی کر دی جاتی تو چھوٹی سی فوج بڑی آسانی سے ایک بڑے لشکر کو روک سکتی تھی۔

نلیقا بڑے غور سے نقشہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کچھ دیر بعد اپنی شہادت کی انگلی پہاڑیوں کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے راستہ کے ایک سرے پر رکھ دی اور اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

اس جگہ تمہارا اور سورائیس کا سامنا ہوگا۔ میں اس جگہ سے واقف ہوں اور مجھے یقین ہے کہ سورائیس کی فوج اور تمہاری فوج کا مقابلہ اسی جگہ ہوگا اور مجھے یہ بھی یقین ہے اکلبو کہ سورائیس تم سے شکست کھا جائے گی۔"

ہنری نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے فکر و تشویش کے آثار ہویدا تھے

حسب رجب بالا واقعہ کے تیسرے روز میں اور ہنری میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے چھوٹے سے دستہ کو چھوڑ کر تمام امرا اور افسر اپنے اپنے دستوں کے ساتھ رات ہی میں روانہ ہو گئے تھے اور ان کے جانے کے بعد شہر خالی خالی اور سونا نظر آرہا تھا جیسے میلوسس میں کوئی بستا ہی نہ ہو۔ ایک تو ویسے ہی ہماری فوج کم تھی اور اگر اس میں سے بھی کچھ میلوسس کی حفاظت کے لئے چھوڑ دی جاتی تو

اور بھی کم ہو جاتی لیکن چونکہ دشمن ہمارے سامنے تھا اور پشت کی طرف سے حملہ کا کوئی خدشہ نہیں تھا اس لئے گنتی کے سپاہی میلوسس میں چھوڑ دیئے گئے۔

شہر کے تمام نوجوان ہمارے ساتھ تھے اور ہمارے چلے جانے کے بعد شہر میں کھانستے کھنکارتے بوڑھوں اور ہونکتی ہوئی بڑھیاؤں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

گڈز اور اسلولیرگاس رات ہی کو روانہ ہو گئے تھے۔

نلیتھا مجھے اور ہنری کو رخصت کرنے شہر کے دروازے تک آئی۔ وہ سفید براق گھوڑے پر جس کا نام "روز روشن" تھا سوار تھی۔ یہ گھوڑا اپنی تیز رفتاری کے لئے پورے زرویندی میں مشہور تھا۔ نلیتھا کی آنکھیں سوجی ہوئی اور سرخ تھیں۔ وہ بڑی بہادری سے اس صبر آزما امتحان میں پوری اتر رہی تھی۔ شوہر کو میدان جنگ کی طرف روانہ کرنا اور وہ بھی اس حالت میں کہ اس کے زندہ واپس آنے کی بہت کم امید ہو۔ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

میلوسس کے شمالی دروازے سے باہر آکر اس نے اپنا گھوڑا روک لیا گذشتہ کل نلیتھا نے سپاہیوں اور افسروں کے سامنے ایسی پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی تھی اور افسروں کو کچھ اس ڈھنگ سے فتح کا یقین دلایا تھا کہ وہ نلیتھا پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے بے چین ہو اٹھے تھے اور جب وہ دستوں کا معائنہ کر رہی تھی تو سپاہیوں نے ایسے جوش و خروش سے نعرے بلند کئے تھے کہ مجھے زمین لرزتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ آج پھر نلیتھا پر کل جیسی ہی کیفیت طاری تھی۔

"خدا حافظ میکومیزن"۔ اس نے کہا۔ "مجھے تمہاری سوجھ بوجھ اور حاضر دماغی پر پورا اعتماد ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم سوراٹیس کے خلاف اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لاؤ گے۔ میکومیزن پورے طور پر اپنا فرض ادا کرنا اور

کامیاب لوٹنا۔"

"ملکہ حقیقت تو یہ ہے"، میں نے آہستہ سے کہا۔"کہ میں جنگ سے دور بھاگتا ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں قدرے بزدل واقع ہوا ہوں میدان جنگ کا نظارہ میرے حواس گم کر دیتا ہے اور پھر اس وقت تو میں اس خیال سے لرز رہا ہوں کہ کہیں اس جنگ میں میرا سر ہی نہ اڑ جائے۔"

نلپنھا بے ساختہ ہنس پڑی اور پھر ہنری سے مخاطب ہوئی۔

"خدا حافظ میرے آقا"، اس نے کہا۔"فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتے ایک بادشاہ کی طرح واپس آنا۔ اپنے سپاہیوں کے کندھوں پر چڑھ کر نہ آنا (مطلب یہ کہ تمہاری لاش نہ آئے)

ہنری نے کچھ کہا نہیں۔ اس نے خاموشی سے اپنا گھوڑا موڑا۔ شاید اس کا دل بھر آیا تھا جس شخص کی شادی کو صرف ایک ہی ہفتہ گزرا ہو اور وہ اپنی بیوی سے رخصت ہو کر آگ اور خون کی دریا کی طرف جا رہا ہو اس کے دل کی جو حالت ہو سکتی ہے اس کا اندازہ قارئین بخوبی لگا سکتے ہیں۔

"جب تم دشمن و زیر کر کے لوٹو گے" نلپنھا نے کہا۔"تو میں اسی جگہ تمہارا استقبال کروں گی۔ اچھا میرے آقا تمہیں اور میکومیزن تمہیں بھی سورج دیوتا کے سپرد کرتی ہوں۔ کامران اور کامیاب لوٹو۔"

اور ہم آگے بڑھ گئے۔ پچاس گز آگے بڑھ کر ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ نلپنھا بدستور اپنی جگہ پر کھڑی ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ ہم نے دور سے سلام کیا اور آگے روانہ ہوئے۔ ابھی ہم نے نصف میل ہی طے کیا ہوگا کہ ہماری پشت کی طرف سے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک سپاہی گھوڑے پر سوار نلپنھا کے گھوڑے "روز روشن" کو اپنے

کھینچتا ہوا ہماری طرف آرہا تھا۔

"ملکہ نے اپنا گھوڑا میرے آقا انکبو کو رخصتی تحفہ کے طور پر عنایت کیا ہے۔" اس نے کہا۔ "اور ان سے یہ بھی کہا ہے کہ یہ گھوڑا تیز رفتاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا ہے پورے زدوبندی میں ایک بھی گھوڑا ایسا نہیں ہے جو اس کی گرد کو پا سکے۔"

ہنری نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ خوبصورت گھوڑا ایسے سخت کام کے لئے مناسب نہیں تحفہ واپس لوٹانا چاہا۔ اس نے کہا کہ اس کا جی نہیں چاہتا کہ وہ ایسے اعلیٰ گھوڑے کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دے لیکن میں نے اس خیال سے کہیں نلیتھا کا دل نہ دکھے ہنری کو گھوڑا قبول کر لینے پر مجبور کیا اور اس وقت کون جانتا تھا کہ یہی گھوڑا ایک ایسی خدمت بجا لائے گا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ جب ہم ماضی کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ واقعات کی کڑیاں کس طرح سے ملتی جاتی ہیں اور وہ کس حیرت انگیز تیزی سے یوں گھوم جاتے ہیں جیسے چولوں پر کواڑ۔

ہنری نے گھوڑا قبول کر لیا۔ کیا شاندار گھوڑا تھا۔ اپنی بیوی کے عنایت کردہ اس نادر تحفہ سے ہنری پھولا نہ سمایا اور اس نے بطور شکریہ کے ایک ہلکی پھلکی تقریر اس سپاہی کے سامنے جھاڑ دی کہ نلیتھا کے سامنے لفظ بہ لفظ دہرا دے اور ہم آگے بڑھے۔

دوپہر کے قریب ہم نے اس بڑی فوج کے ایک دستہ کو جا لیا جس کی سپہ سالاری کا چارج ہنری کو مل چکا تھا۔ بڑی ذمہ داری کا کام تھا یہ اور ہنری اس عہدے کے بارے سے کچھ مضمحل اور فکرمند سا نظر آرہا تھا۔ وہ اب سمجھنے لگا تھا کہ عظیم چیزوں کی عظمت کے ساتھ ہی ساتھ کچھ ایسی ذمہ داریاں

بھی سر پر پڑ جاتی ہیں جو انسان کو ہر وقت فکر مند رکھتی ہیں۔

ہم بغیر کسی رکاوٹ کے آگے بڑھتے گئے۔ گاؤں اور قریہ ویران پڑے ہوئے تھے۔ لوگ اس خیال سے کہ وہ چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں دانہ کی طرح پس نہ جائیں، گاؤں چھوڑ چھوڑ کر کسی طرف چلے گئے تھے۔

ہماری رفتار بے حد سست تھی۔ اتنے بڑے لشکر کا تیزی سے کوچ کرنا ناممکن تھا۔ چوتھے روز ہم ان پہاڑیوں کے سامنے پہونچ گئے۔ جن کے بیچ میں سے ڈیڑھ میل چوڑا راستہ گزرتا تھا۔ ہم نے اس درے سے دو میل دور قیام کیا اور فوراً ہی ہمارے جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی کہ موراٹیس مع اپنے لشکر کے درے کے دوسری طرف اور اس سے کوئی دس میل دور مقیم ہے۔

وہ رات بڑی بے چینی سے گزری اور صبح ہوتے ہی ہم نے پندرہ سو سواروں کو روانہ کر دیا کہ درے پر قبضہ جما لیں۔ ابھی ہمارے سوار اپنی جگہ پر جمنے بھی نہ پائے تھے کہ موراٹیس کے سپاہیوں نے جن کی تعداد ہمارے سپاہیوں دگنی ہی تھی ان پر حملہ کر دیا اور ایک چھوٹی سی جنگ کے بعد ہمارے تیس سپاہی مارے گئے۔ بڑی افراتفری میں ہم نے اپنے سواروں کے لئے کمک روانہ کی لیکن موراٹیس کے سپاہی اپنے زخمیوں اور مقتولوں کو ساتھ لئے وہاں سے ہٹ چکے تھے۔

ہماری فوج کا قلب (یہ میں نے سہولت کی خاطر کہہ دیا ہے) ورنہ اس وقت فوج کی کوئی ترتیب نہ تھی) درے کے دہانے پر پہونچ چکا تھا اور مجھے کہنے دیجئے کہ نلیتھا کا اندازہ غلط نہ تھا۔ واقعی وہ جگہ ایسی تھی کہ مٹھی بھر فوج ٹڈی دل لشکر کو بہ آسانی روک سکتی تھی۔

گھنے جنگلات سے پر پہاڑیوں کے بیچ میں سے ایک میل تک نہایت ہی غیر متوازی راستہ چلا گیا تھا۔ زمین ایسی چٹانی اور کھردری تھی کہ تھوڑی سی فوج پہاڑی کے پیچھے چھپ کر بڑے لشکر کا اگر مقابلہ نہ کر سکتی تو کم سے کم اسے کئی گھنٹوں تک روکے رکھ سکتی تھی۔ ایک میل دور جہاں راستہ ختم ہوتا تھا وہاں سے ایک سبزہ زار شروع ہو گیا تھا۔ میدان بتدریج بلند ہوتا چلا گیا تھا جہاں بلندی ختم ہوتی تھی وہاں ایک کومل چشمہ سورج کی شعاعوں میں جگمگا رہا تھا۔ چشمے کے بعد سے میدان نیچے کی طرف ڈھلوان تھا یعنی راستہ کے اختتام سے چشمہ تک ڈیڑھ میل چڑھائی اور چشمہ کے پرلی طرف ڈیڑھ میل سے کچھ کم اتار اگر اس خطہ کو کسی بلند جگہ سے دیکھا جاتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے سبزہ زار کی موجیں اٹھ رہی ہوں۔ یہ سبز موجیں ڈھائی میل بلند ہوں گی اور ان کے بیچ میں سے ایک چھوٹا مگر ناہموار راستہ گزرتا چلا گیا تھا۔ بلبھا نے سچ کہا تھا۔ یہ جگہ جنگ کے لئے نہایت موزوں تھی اور ہم بہ آسانی ٹڈی دل کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

ڈھلوان کے اس طرف ہم نے قیام کیا۔ یہیں وہ جنگ ہونے والی تھی جو زودینیکی میں ہمیشہ یادگار رہے گی اور وہ جنگ اب بہت قریب تھی اس قدر قریب کہ میں تلواروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخ پکار سن رہا تھا۔ ہماری فوج کی ترتیب اس طرح سے تھی (ہماری فوج ساٹھ ہزار تھی)۔

بیچ میں بیس ہزار پیادے تھے جو تلواروں، نیزوں اور دریائی گھوڑوں کی ڈھالوں سے لیس تھے اور ہر سپاہی اسی جانور کی کھال کا چار آئینہ لگائے ہوئے تھا۔ یہ گویا ہماری فوج کا قلب تھا۔ پانچ ہزار پیادے اور تین ہزار سوار محفوظ رکھے گئے کہ قلب کو پسپا ہوتے دیکھیں تو فوراً اسکی

مدد کو پہونچ جائیں۔ قلب کے دونوں طرف سات ہزار سوار قائم کر دیئے گئے۔ قلب سے کچھ پیچھے لیکن سواروں سے آگے سات ہزار پانچ سو نیزہ برداروں کے دو دستے تھے، یہ دونوں دستے مل کر ہماری فوج کا دایاں اور بایاں بازو بناتے تھے۔ نیزہ برداروں کی ناگہاں پسپائی میں پندرہ ہزار سواروں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔

ہنری کرٹش فوج کا سپہ سالار تھا۔ قلب کے ایک ہزار سوار میرے ماتحت تھے اور دایاں بازو گڈ کے ماتحت تھا۔ بقیہ دستے زد و ینڈی افسروں کے بھروسے پر چھوڑ دیئے گئے تھے۔

ابھی ہم اپنی فوج کی ترتیب سے فرصت بھی نہ پا سکے تھے کہ ڈھلوان کی پرلی طرف سے سورائیس کا بے پناہ لشکر ابل پڑا۔ زمین اس بے پناہ فوج کے قدموں تلے کانپنے لگی۔ ہمارے جاسوسوں نے غلط نہیں کہا تھا کہ ہمارا مقابلہ ہم سے تین گنا زائد فوج سے ہے۔ خیال تھا کہ سورائیس آتے ہی ہم پر حملہ کر دے گی کیونکہ اس کے سپاہی مارے جوش کے بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔ وہ دانت پیس کر ہماری طرف اپنے نیزے اور تلواریں ہلا رہے تھے لیکن سورائیس نے اپنے تھکے ہوئے سپاہیوں کا خیال کر کے اس روز جنگ ملتوی کر دی۔ اس کی فوج کی ترتیب یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس کی فوج کی ترتیب بھی بالکل ہماری فوج کی طرح سے ہی تھی۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ اس کے محفوظ سپاہیوں کی تعداد ہمارے محفوظ سپاہیوں سے زیادہ تھی

ہمارے دائیں بازو کے مقابل سورائیس کا بایاں بازو تھا اور اس دستہ میں سیاہ فام اور وحشت ناک چہروں والے سپاہی تھے جو صرف تلواروں

اور نیزوں سے لیس تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ وہ وحشی خونخوار کوہستانی تھے۔ جنہیں ناستنا اپنے ساتھ لایا تھا اور جن کی تعداد پچیس ہزار تھی۔

"او خدا!" میں نے ان وحشیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "گڈ یہ لوگ تو بالکل اجڈ معلوم ہوتے ہیں۔ کل یہی تمہارے دائیں بازو سے ٹکرائیں گے۔"

گڈ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کے چہرے سے پریشانی صاف ظاہر تھی۔ تمام دن ہم مستعد کھڑے دشمنوں کے حملے کا انتظار کرتے رہے لیکن کچھ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دن ڈھل گیا اور سبزہ زار میں ان گنت الاؤ آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کے مقابلے میں روشن ہو گئے لیکن صرف تاروں سے ہار مان کر بجھنے اور راکھ ہونے کے لئے وقت گزرتا گیا اور اعصاب کو دہلا دینے والی گہری خوفناک خاموشی چھائی گئی۔ دشمنوں کا کیمپ خاموش تھا۔ بالکل خاموش۔ الاؤ کے شعلے انگاروں میں اور پھر انگارے چنگاریوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ اندھیرا گہرا اور اندھیرا ہوتے ہوئے اتر رہا تھا اور کسی جھاڑی میں دبکا ہوا تنہا جھینگر مسلسل چلا رہا تھا۔

بے حد ڈراؤنی اور خاموش رات تھی۔

آگے آنے والے واقعات کا خوف منحوس پرندے کی طرح دل و دماغ پر منڈلا رہا تھا۔ آسمان پر اداس تارے آنکھیں جھپک رہے تھے اور آنے والی خونی صبح کا خیال مجھے لرزا رہا تھا اور میں نے نہایت افسردہ دلی سے سوچا کہ یہ تمام لوگ ایک عورت کی رقابت اور حسد پر قربان ہونے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ایک عورت کے دل کی آگ کو اپنے خون سے ٹھنڈا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ دو طوفان تھے جو مختلف سمتوں سے ایک دوسرے سے ٹکرانے چلے تھے۔ خدا جانے ان طوفانوں کی پیٹ میں کون۔ کون آئے گا؟

شاید سنہری... گڈ..... یا ممکن ہے میں خود اور میری ریڑھ کی ہڈی میں اوپر سے نیچے تک ٹھنڈک کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ محافظ دستہ ہماری فوج کے گرد گشت لگا رہا تھا۔ دھپ، دھپ ان کے قدموں کی چاپ معلوم ہو رہی تھی۔ افسر پر اسرار سایوں کی طرح اپنے سپاہیوں کا معائنہ کرتے اور انہیں ہدایات دیتے تاریکی میں گھوم رہے تھے۔ ایک افسردگی۔ بے پناہ اداسی ہمارے کیمپ پر سایہ فگن تھی۔

اور یوں وقت گزرتا گیا۔

صبح کے قتل عام کے لئے تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ کافی رات گئے میں سنہری، گڈ اور دوسرے افسر اپنے بستروں پر دراز ہو گئے لیکن میرے لئے نیند کا کہیں دور دور تک پتہ نہ تھا میرا دل جیسے گندے پانی میں ڈوبا جا رہا تھا۔ آئندہ کل کا خیال میرے دل کو زہریلے سانپ کی طرح ڈس رہا تھا کیا پتہ آنے والی صبح اپنے دامن میں ہمارے لئے کیا سوغات لاتی ہے؟ ذلت؟ شکست؟ موت؟ یقیناً کم از کم میرا تو یہی خیال تھا اور میں تصور میں اپنی کٹی پھٹی لاش دیکھ رہا تھا۔ فتح کی موہوم سی امید نے دم توڑ دیا لیکن پھر میں نے سوچا کہ مستقبل تو ایک ایسا ابوالہول ہے جو اپنے اندر لاتعداد انہونے اور ناقابل یقین واقعات پوشیدہ رکھے ہوئے ہے اور یہی ابوالہول صرف اس لئے کہ اس کے اسرار آپ پر ظاہر نہ ہو جائیں الٹی سیدھی باتیں آپ کے کانوں میں پھونک کر آپ کو دہلا دیتا ہے اور آپ وقت آنے پر اپنے آپ کو پرلے درجہ کا بزدل ثابت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مستقبل کے بارے میں اندازے قائم کرنا سراسر حماقت ہے۔

خونی صبح کا خونی سورج طلوع ہوا۔

دونوں کیمپوں میں ایک عام ہلچل مچ گئی۔ سپاہی نعرے لگاتے اٹھ بیٹھے اور قتل عام کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ دونوں لشکر میدان میں نکل آئے۔ دونوں ایک دوسرے کو کھاجانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ خون جماد ینے والا نظارہ تھا وہ لیکن میرے قریب کھڑا ہوا املوپوگاس اپنے انکلوسی کاس پر ٹھڈی ٹکائے اس نظارے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے موٹے موٹے ہونٹ مسکراہٹ کی صورت میں پھیلے جارہے تھے

"اوفوہ، میکومیزنا۔ آج تک میں نے ایسا نظارہ نہیں دیکھا۔" اس نے جھومتے ہوئے کہا: "میرے قبائل کی جنگ تو اس کے سامنے بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے لیکن تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ لوگ آخر تک جنگ کر سکیں گے؟"

"ہاں آخر تک۔" میں نے سر ہلا کر کہا: "اور کٹھ بوڑھ ممکن ہے اس بار کوئی اور تمہیں ٹھونک مار دے۔"

وقت گزرتا گیا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے خاموش کھڑی ہوئی تھیں۔ دشمن کی فوج سے چند سوار نکل کر ہماری طرف آئے اور ہم سے کچھ دور آکر کھڑے ہو گئے۔ وہ ہماری تعداد اور فوج کی ترتیب کا اندازہ لگا رہے تھے۔ ہم چاہتے تو لپک کر ان سواروں کا خاتمہ کر دیتے لیکن ہم نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کی ابتدا ہماری طرف سے ہو۔

وقت گزرتا گیا لیکن حملہ نہ ہوا۔

ٹھیک دوپہر کو جب ہمارے سپاہی کھانا کھا رہے تھے (اس خیال سے کہ کھا لینے سے ہمارے سپاہیوں کی قوت قائم رہے گی۔ ہم نے انہیں کھانے کی اجازت دیدی تھی)۔ دشمن کے لشکر سے "سورائیس، سورائیس" کی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں نے جلدی سے دوربین اٹھا کر آنکھوں سے لگالی۔ خاتون شب

ایک گھوڑے پر سوار لشکر کے بیچ میں سے گذر رہا تھی۔ وہ جس دستہ کے سامنے سے گزرتی وہیں "سورائیس، سورائیس" کا نعرہ بلند کرتا۔

اس خیال سے کہ یہ نعرے جنگ کی تمہید ہیں۔ ہم ہتھیار لے کر تیار کھڑے ہو گئے۔ ہمیں کچھ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ دفعتہً دشمن کے لشکر میں سے سواروں کے دو دستے زبان (کی شکل) بنائے۔ توپ کے دہانے سے نکلتے ہوئے شعلے کی طرح نکل آئے۔ وہ آہستہ آہستہ چشمے کی طرف بڑھے۔ رفتہ رفتہ ان کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ "زبان" چشمے کو چھوتی۔ مجھے ہنری کا حکم ملا کہ ان کے مقابلے کے لئے ایک دستہ روانہ کر دوں۔ اگر ان سواروں نے ہماری فوج پر حملہ کر دیا تو ممکن ہے ہمارے سپاہیوں کی ہمتیں پست ہو جائیں میں نے پانچ ہزاروں سپاہیوں کو اس بڑھتی ہوئی "زبان" کی طرف روانہ کیا اور ہمارے سپاہی "گاؤدم" کی شکل بنائے "زبان" کی نوک کی طرف چلے۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے دستہ کا زرہ پوش افسر بڑی ہوشیاری سے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ اس "زبان" میں سپاہیوں کی تعداد آٹھ ہزار سے زائد تھی۔

دفعتاً ہمارا دستہ "زبان" کی نوک سے بائیں طرف کو ہٹ گیا۔ جیسے اسے آگے بڑھنے سے روکنا نہ چاہتا ہو۔ اور اب ہمارا دستہ مڑ سا گیا۔ جیسے گاؤدم سانپ کی طرح کنڈلی مار رہی ہو اور اس سے پہلے کہ دشمن ہمارے دستہ کی کارروائی کو سمجھ پاتے وہ "زبان" کے بالکل بیچ میں حملہ آور ہوا۔ ہمارے دستہ کے حملہ آور ہوتے ہی ایسی آوازیں بلند ہوئیں جیسے کدالوں سے برف کی بڑی بڑی سلیں توڑی جا رہی ہوں دوڑتی ہوئی "گاؤدم" "زبان" کے بیچ میں تیر کی طرح گھستی چلی گئی اور دشمن کے سپاہی زخمی ہو کر ٹپا ٹپ آموں کی طرح گرنے لگے۔ دشمن کا دستہ الٹ پلٹ ہو گیا۔ جیسے جیسے ہمارے سپاہی آگے بڑھ رہے تھے دشمن کے زخمی اور مقتول

اس کے قدموں میں کچھنے چلے جا رہے تھے۔

ہمارا دستہ اندر ہی اندر گھستا چلا گیا۔ یہاں تک کہ "زبان" کے دونوں سرے درد وکرب سے اندر کی طرف مڑ گئے کہ اپنے قلب کو بچا سکیں اور اس سے پہلے کہ زبان کے دونوں سرے مل کر ہمارے دستے کو نرغہ میں لے لیں۔ ہمارے سپاہی پلٹے اور برمے کی طرح دشمنوں کو چیرتے ہوئے باہر نکل آئے اور پھر دشمن پر جا پڑے۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور اپنے مقتولوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بڑی افراتفری میں اپنے لشکر کی طرف بھاگ پڑے۔

میرا خیال ہے کہ وہ جتنی تعداد لے کر ہم پر حملہ کرنے چلے تھے شاید اس کا ایک ہی حصہ بچا کر لے جا سکے۔ سورائیس کے لشکر سے چند اور دستے شکست خوردہ دستہ کی مدد کو چلے تھے۔ دونوں راستے میں ملے۔ آنے والے دستے بیچ میں سے کھل گئے اور انھوں نے بھگوڑوں کو اپنے بیچ میں لے لیا۔

ہمارا دستہ کامیاب لوٹا لیکن پانچ سو سپاہیوں کو مقتول چھوڑ کر۔ ابھی میں اس افسر کو مبارکباد دے رہا تھا کہ ہمارے بائیں بازو سے ایک شور بلند ہوا اور سوار بے تحاشہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ پتہ نہیں اس طرف کب اور کیسے جنگ شروع ہوئی۔ میں اس طرف کی جنگ کی تفصیل بیان نہیں کروں گا میں تو صرف وہی واقعات بیان کروں گا جو میرے سامنے ہوتے رہے۔

اسی عرصہ میں سورائیس کے لشکر کا بایاں بازو جوناستا کے وحشی کوہستانیوں پر مشتمل تھا۔ چشمہ سے آگے بڑھ آیا تھا اور شعلہ بار آنکھوں سے ہمیں دیکھتا ہوا ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ تلواریں اور نیزے ہلاتے اور "سورائیس، سورائیس" کے نعرے بلند کرتے اس تیزی سے بڑھے چلے آ رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم سب کو چشم زدن میں کچل کر رکھ دیں گے۔

بھری کی طرف سے پھر حکم ملا کر کوہستانیوں کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کرو۔ حملہ شاید بہ یک وقت ہمارے دائیں بازو اور قلب پر کیا جانے والا تھا۔ میں نے ایک ہزار سوار کوہستانیوں کو روکنے کے لئے روانہ کئے۔ ہمارے سواروں نے دشمنوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ ہمارے سپاہی کوہستانیوں کے بیچ میں تیز چاقو کی طرح اترتے چلے گئے اور انہیں تتر بتر کر دیا لیکن ہمیں بھی کافی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ جب دشمن نے دیکھا کہ وہ کٹ رہے ہیں اور اگر یہی حالت رہی تو ان کا پورا دستہ تباہ ہو جائے گا۔ تو انہوں نے ایک چال چلی۔ جب ہمارے سپاہی ان پر حملہ کرتے تو کوہستانی کائی کی طرح پھٹ جاتے اور ہمارے سپاہی جوش میں بلا سوچے سمجھے اندر ہی اندر گھستے چلے جاتے۔ دشمن دب کر ہٹ کر اور زمین پر لیٹ کر اپنا بچاؤ کرتے اور جب ہمارے سپاہی واپس لوٹتے تو کوہستانی ان کے سامنے آہنی دیوار کی طرح کھڑے ہو جاتے پھر تلواریں چمکتیں نعرے اور چیخیں بلند ہوتیں اور بیشمار گھوڑے اپنے سواروں کے بوجھ سے آزاد ہو کر ہنہناتے بھاگتے نظر آتے۔

ہمارے سپاہیوں کی جان توڑ کوشش کے با وجود دشمن آگے بڑھتا چلا آرہا تھا۔ آگے آگے۔ اور ان وحشی کوہستانیوں نے گلڈ کے دستہ پر جو سات ہزار پانچ سو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ حملہ کر دیا۔ گلڈ کے دستہ نے بڑی بہادری سے دشمن کا حملہ روکا۔ اسی وقت دل ہلا دینے والی چیخ و پکار سے میں نے سمجھ لیا کہ قلب اور بائیں بازو پر بھی دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ میں نے رکابوں پر کھڑے ہو کر اپنے بائیں طرف دیکھا جہاں تک نظر جاتی تھی تلواریں اور نیزے بلند ہو ہو کر انسانی سمندر کی طرف جھک رہے تھے۔

صفیں درہم برہم ہوئی جا رہی تھیں اور موت کی گرم بازاری تھی۔ جنگ

کی آگ دور دور پھیل گئی تھی لیکن پورے میدان جنگ کا نقشہ الفاظ میں پیش کرنا ناممکن ہے اس لئے میں وہی واقعات پیش کروں گا جو میرے سامنے یا میرے دائیں بائیں ہو رہے تھے۔

خداملوم کوہستانیوں نے کس طرح سے حملہ کیا کہ گڈ کے دستہ کی صف قائم نہ رہ سکی اور وہ ٹوٹ کر تکون کی صورت ہو گئی۔ ناستا کے غضبناک پہاڑی تکون کے تینوں کونوں پر حملہ کرتے لیکن پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ جاتے۔

ایک گھنٹہ تک جنگ اسی طرح سے ہوتی رہی اسی عرصہ میں ہمیں بھی کچھ فائدہ پہونچا۔ دو حملے ہم پر جنگل کی طرف سے کئے گئے لیکن دشمن ناکام ہو کر واپس جنگل میں جا گھسا۔ ناستا کے وحشی سپاہیوں نے گڈ کے دستہ کی تکون توڑنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور اسی کوشش میں ان کے کئی سپاہی کٹ مرے۔

قلب کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ وہاں ہنزملا اور اسلوپوگاس موجود تھے لیکن دشمن کا زور اس قدر تھا کہ انہیں حملہ روکنے کے لئے کافی جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی، دشمن ہر بار سمٹ کر حملہ کرتا کہ صفیں توڑ دے لیکن فوراً ہی یوں پیچھے ہٹ جاتا جیسے موجیں چٹانوں سے ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں۔

آخر کار حملوں کی شدت میں کمی ہوئی اور سوراُئیس کا لشکر یہ سوچ کر کہ ان کے حملوں سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا پیچھے ہٹا۔ وحشی کوہستانی بھی پیچھے ہٹے لیکن ان کی اس پسپائی سے میں نے کوئی دھوکا نہ کھایا۔ ہمارے جتنے سپاہی جوش میں آکر آگے بڑھ گئے تھے میں نے انہیں بھی واپس بلا لیا۔

دفعتاً سوراُئیس نے اپنے سواروں کو کئی دستوں میں تقسیم کیا اور نئے جوش اور ولولے سے ہم پر حملہ آور ہوئی۔ سوراُئیس بذاتِ خود سپاہیوں کو لڑا رہی

تھی اور خود بھی ہاتھ میں تلوار لئے جنگ کی آگ میں کود پڑی تھی۔

برف کے پھسلتے ہوئے تودے کی طرح سورائیس کا لشکر آگے بڑھا۔ ہمارا دستہ جو آگے کھڑا ہوا تھا اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے مٹی کی دیوار ثابت ہوا۔ سورائیس اب خاص ہمارے دستہ پر حملہ آور ہوئی اور اگر دس ہزار محفوظ سپاہی بر وقت ہماری امداد کو نہ آگئے ہوتے تو ہمارے قدم اکھڑ چکے ہوتے۔

گڈ کا دستہ حملے کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹا اور اس کے کافی سپاہی مارے گئے لیکن یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ جو چیز بہت تیز طرار ہوتی ہے دیرپا نہیں ہوتی چنانچہ دشمنوں کا حملہ جتنا سخت تھا اتنے ہی جلد "نرم" پڑ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے حملوں کی شدت میں کمی واقع ہوئی اور اب جنگ کا رخ پلٹ گیا۔

کچھ دیر تک تو دشمن حملہ کرتے رہے اور ہمارے سپاہی حملہ روکتے رہے لیکن پھر ہمارے سپاہی آگے بڑھنے اور دشمن پیچھے ہٹنے لگا۔ ہمارے سپاہی دشمنوں کو سورائیس کے کیمپ کی طرف ڈھکیل رہے تھے۔ اسی وقت ناستا کے غضبناک کوہستانی ایک دم سے پیچھے ہٹے۔ گڈ کے دستہ نے خوشی کے نعرے بلند کئے اور کوہستانیوں کو بری طرح سے روندتے ڈھکیلتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ کوہستانی بڑی افراتفری میں ڈھلوان اترنے لگے۔ گڈ کا دستہ ان کے پیچھے ہی پیچھے لگا ہوا تھا۔ ڈھلوان کی پہلی طرف سے تیغ زنوں کا ایک دستہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ کوہستانی ان سے جا ملے اور دونوں نے مل کر گڈ کے دستہ پر شدت سے حملہ کیا۔ بڑی خوفناک جنگ تھی وہ۔ صرف ایک یا دو سکنڈ کے لئے مجھے گڈ نظر آیا جو اپنے دستہ کے بیچ میں حبشی کی تباہی

لازمی تھی گھوڑے پر سوار چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے گدڑ کا دستہ تتر بتر ہوگیا اور گدڑ ہجوم کے بھنور میں غائب ہوگیا۔ باوجود کوشش کے میں گدڑ کو نہیں دیکھ سکا۔ صرف اتنا نظر آرہا تھا کہ تلواریں بلند ہو ہو کر جھک رہی تھیں۔

میں گدڑ کی سلامتی کے لئے دست بدعا تھا کہ تلواروں کے کھیت میں سے بغیر سوار کا ایک وحشت زدہ گھوڑا نکلا اور تیزی سے بھاگتا ہوا میرے قریب سے گزر گیا۔ وہ گدڑ کا گھوڑا تھا۔

"اوہ خدا۔ کیا گدڑ واقعی"۔ اور میرے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی۔ دفعتہً رنج و غم نے مجھے اندھا کر دیا اور میں اپنا دستہ لے کر تیزی سے اس طرف چلا جہاں اب تک جنگ جاری تھی اور گدڑ کا دستہ قریب قریب تباہ ہو چکا تھا۔ ہمیں آتا دیکھ کر کوہستانیوں اور تیغ زنوں کی زیادہ تر تعداد ہماری طرف پلٹ پڑی اور ہمارا ایسا گرما گرم خیر مقدم کیا کہ طبیعت ہری ہو گئی۔

ہم ان کی صفیں توڑتے ہوئے اندر گھس گئے۔ حقیقت میں شیطان تھے وہ کوہستانی اور ان کی جنگ کا طریقہ بھی نرالا تھا تلواروں اور نیزوں سے وہ گھوڑوں کو زخمی کر دیتے گھوڑا مع سوار کے دھم سے زمین پر آ رہتا اور پھر ایک ساتھ کئی پہاڑی گرے ہوئے گھوڑے اور اس کے سوار پر لوٹ پڑتے اور اس کا قیمہ بنا دیتے۔

کمانا لائق نے میرے گھوڑے کو بھی زخمی کر دیا اور وہ مجھے لئے لئے بے جان ہو کر گرا اور جب میں اٹھا ہوں تو یہ دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے کہ میں تنہا دشمنوں کے بیچ میں پھنسا ہوا تھا اور میرے سپاہی مجھ سے کافی دور دشمنوں سے الجھے ہوئے تھے میں نے اپنے سپاہیوں کو آوازیں دیں لیکن وہ اس

شور و غل میں مدغم ہو کر رہ گئیں۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ دشمنوں کو چیرتا ہوا اپنے ساتھیوں سے جا ملوں۔ چنانچہ آنکھیں بند کر کے میں نے بے تحاشہ تلوار چلانا شروع کی۔ خدا جانے میری تلوار سے کون زخمی ہوا اور کون مرا لیکن میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا میں یوں قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا کہ میری ملاقات گڈ کے دستہ کے بچے کھچے سپاہیوں سے ہوئی وہ اپنے گرے ہوئے افسر اور گڈ کے گرد دائرہ بنائے بڑی دلیری سے کوہستانیوں کو روک رہے تھے۔ ان کے حلقہ کے بیچ میں گڈ کی بیک چشمی عینک دھوپ میں چمک رہی تھی۔ میرا عزیز دوست زندہ تھا۔ صحیح سلامت تھا لیکن جس وقت میں یہاں پہنچا ہوں ایک دیو قامت وحشی کسی طرح سے گڈ کے قریب پہنچ کر اپنی تلوار بلند کر چکا تھا اور گڈ مایوسی سے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ خدا جانے کیا ہوا کہ میں ایک دم سے آگے بڑھا اور وہ چاقو جو میں نے مسائی کے کٹے ہوئے ہاتھ سے چھڑایا تھا وحشی کی پیٹھ میں دستہ تک اتار دیا۔ وحشی زخمی سانپ کی طرح پلٹا اور پوری قوت سے مجھ پر وار کیا اس کی تلوار میرے بائیں کندھے پر پڑی پھر اس نے دوسرا وار میرے سینہ پر کیا لیکن چونکہ میں زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے زخمی تو نہ ہوا لیکن ضرب اتنی شدید تھی کہ میں اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ لڑکھڑا کر زمین پر آ رہا اور کندھے اور سینہ کے شدید درد نے مجھے بتایا کہ مجھے اندرونی چوٹ آئی ہے اور میں بری طرح سے زخمی ہوں۔

کچھ دیر تک میں زخمیوں اور مقتولوں کے بیچ میں بیہوش پڑا رہا اور جب مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ ناستا کے سپاہی چشمہ کی طرف پسپا ہو رہے تھے اور گڈ میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ تم بچ گئے اور میں بھی موت کے آغوش میں پہونچنے سے بال بال بچ گیا۔ اس نے کہا۔ چلو ٹھیک ہے۔ ہر چیز کا انتظام بہتر طور پر ہوا۔ اور جو ہوا سو ہوا۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ کم از کم میرے دوست کیلئے تو انتظام بہتر ہوا ورنہ میرے لئے جو ہوا سو اچھا نہ ہوا کیونکہ میرے سینے اور کندھے پر بہت سخت چوٹ آئی تھی اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔

ہمارے محفوظ سپاہی تیر کی طرح چلے اور دشمن کی بے ترتیب فوج پر عقاب کی طرح جا پڑے۔ ہمارے سپاہیوں کا یہ حملہ آخری ضرب ثابت ہوا اور دشمن تیزی سے چشمہ کی طرف پسپا ہوا۔ اسی وقت ایک سپاہی بلیتھا کی عطا کردہ سیاہ گھوڑی لئے مجھے تلاش کرتا آیا اور میں اپنے کندھے اور سینے کے شدید درد کے سبب مشکل اس پر سوار ہو سکا۔ ابھی میں زین پر جمنے بھی نہ پایا تھا کہ تیزی کا حکم ملا کہ آگے بڑھو۔ چشمہ کے قریب پہونچ کر دشمن پلٹ پڑا تھا۔ قدم جمائے ہمارے سپاہیوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ہمارے سپاہی ان کے حملے روک رہے تھے اور قدم قدم انھیں پیچھے ہٹاتے جا رہے تھے۔

دشمن ایسی تیزی سے حملوں پر حملے کر رہا تھا کہ ہمارے سپاہیوں کو حملہ کرنے کا موقع ہی نہ مل رہا تھا۔ آخر کار ہمیں حملہ کا موقع ملا اور ہم زخمیوں اور مردوں کو پھلانگتے بلکہ روندتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ دفعتاً میری نظریں سامنے کی طرف اٹھ گئیں ایک شخص زرد و سبز سی لباس میں ملبوس ایک لنگڑے گھوڑے پر سوار تیزی سے ہماری طرف چلا آ رہا تھا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا اور اس کا سوار جو گھوڑے کی گردن سے چپکا ہوا تھا دائیں بائیں ڈول رہا تھا میں حیران تھا کہ یہ کون ہے اور کیوں

ہماری طرف بڑھا چلا آرہا ہے؟ سوار ہمارے قریب آگیا اور میں نے اسے پہچان لیا۔ آپ کا کیا خیال ہے کون ہوگا وہ سوار؟ جی ہاں۔ ہمارے دوست ایلفونسے کے سوا اور کون ہوسکتا ہے۔ اس کی مونچھوں کے کونے حسب معمول بھیا کی سینگوں کی طرح اوپر اٹھے ہوئے تھے اور دونوں کونے تھرتھرا رہے تھے ایک منٹ بعد وہ ہمارے سپاہیوں کو ہٹاتا ہماری طرف بڑھ رہا تھا اور ایک دو بار تو ہمارے ہی سپاہیوں کی تلواروں سے قتل ہوتے ہوتے بچا۔ آخرکار ہمارے سپاہیوں میں سے ایک نے اس کے گھوڑے کو پکڑ لیا اور میرے سامنے لے آیا

"آہ، مونسیور،" ایلفونسے نے خوف سے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں آپ سے آملا۔ اوفوہ۔ کیا جان پر کھیلا ہوں میں بھی۔ واداجان کے خون کی قسم میں نے بھی بہادری کا حق ادا کردیا۔ آپ کی فتح ہوئی اور دشمن دم دبا کر بھاگ رہا ہے۔ لیکن اوہ۔ جو اس بات کے بتانے کیلئے آیا تھا میں بتانا ہی بھول گیا۔ ارے باپ رے۔ مونسیو سنئے۔ کل صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی ملکہ نیلیتھا کو اس کے کمرے میں قتل کر دیا جائے گا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں نیلیتھا کے محافظ رات ہی کو محل سے چلے جائیں گے اور پجاری محل میں گھس کر ملکہ کو قتل کر دیں گے۔ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ انکی باتیں میں سن رہا ہوں۔ لیکن جناب میں کیا چالاک ہوں یہ تمام باتیں میں نے سورانیس کے بڑے سے جھنڈ کے نیچے چھپ کر سن لیں۔"

"کیا بکتے ہو؟" میں چلایا۔

"بکتا یہ ہوں جناب۔ کہ وہ شیطان کا خالو ناسنا اس شیطان کے باپ رنگیون سے معاملہ طے کرنے کے لئے گذشتہ رات کو میلوسس کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ محافظ بڑے زینہ کا دروازہ کھول کر اپنے گھروں کو

جائیں گے اور زنگیون، ناستا اور دوسرے بچاری محل میں گھس کر ملکہ کا کام تمام کر دیں گے۔ یہ بک رہا ہوں میں۔ سمجھے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" میں نے ایلفونسے سے کہا پھر چلا کر ایک افسر سے کہا "میری غیر موجودگی میں میرا عہدہ سنبھال لے" اور ایلفونسے کو ساتھ لیے اس طرف جس طرف شاہی علم اڑتا نظر آ رہا تھا اور جہاں ہنری موجود تھا۔ ہم میں اور اس شاہی رسالے میں ایک ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہوگا۔ ہم تیزی سے اس رسالے کی طرف بڑھ رہے تھے یہاں تک کہ مجھے ہنری "روز روشن" پر سوار نظر آیا۔

ہم شاہی رسالے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ وہ گھوڑوں کا تعاقب کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ ہنری کے سر پر ایک خون آلود پٹی بندھی تھی اور اس کے قریب ہی اسلوپوگاس اپنا خون آلود کلہاڑا لئے کھڑا تھا اور بالکل تازہ دم نظر آ رہا تھا۔

"ارے کواٹرمین۔ خیر تو ہے؟" ہنری نے کہا۔

"نہیں۔ نیلپتھا کو کل صبح قتل کر دیا جائے گا۔ ایلفونسے نے جو کسی طرح سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تمام باتیں چھپ کر سن لی ہیں۔" اور میں نے ایلفونسے سے سنی ہوئی باتیں دہرا دیں۔ ہنری کا چہرہ مردے ایسا سفید ہو گیا۔

"کل" ہنری کی آواز کانپ رہی تھی۔ "اور اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب ہے۔ زو ویندی میں صبح چار بجے پو پھٹ جاتی ہے اور ہم میلوسس سے سو میل دور ہیں۔ انتہائی تیز رفتار گھوڑوں کی مدد سے بھی اتنا فاصلہ دس گھنٹے سے کم میں طے نہیں ہو سکتا۔ او خدا۔"

مجھے ایک خیال آیا۔

"ہنری، تمہارا گھوڑا تازہ دم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل ابھی ابھی میں اس پر سوار ہوا ہوں اور اسے دانہ پانی بھی دیا جا چکا ہے۔"

"میری گھوڑی بھی تازہ دم ہے۔ اچھا اب تم اپنے گھوڑے سے اتر آؤ اور اسلوپگا س کو سوار ہونے دو۔ وہ ایک اعلیٰ درجہ کا شہسوار ہے۔ ہم دونوں صبح ہونے سے پہلے میلوسس پہنچنے کی کوشش کریں گے اور اگر نہ پہنچ سکے تو پھر جو خدا کی مرضی تمہیں تمہارا میدان جنگ چھوڑنا مناسب نہیں۔ تم سپاہیوں کی نظروں سے چھپ کر نہیں جا سکتے اور تمہاری غیر موجودگی کے سبب ممکن ہے ہماری فتح شکست میں تبدیل ہو جائے اور ابھی ہمیں مکمل فتح حاصل بھی کہاں ہوئی ہے۔ ہنری یہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ خدا کے لئے اپنے گھوڑے سے جلدی اتر آؤ۔"

ایک ہی لمحہ بعد ہنری نیچے کھڑا ہوا تھا اور اسلوپگا س گھوڑے پر سوار تھا۔

"اچھا دوست خدا حافظ" میں نے کہا۔ "اگر ممکن ہو تو ہماری روانگی کے ایک گھنٹہ بعد ہزار سواروں کو ہماری مدد کے لئے ضرور بھیج دینا اور مفو میں اپنا چارج ایک زود بیدی افسر کو دے کر آیا ہوں اگر مناسب سمجھو تو اسے میری جگہ پر قائم رکھنا۔ ورنہ میرے دستہ کی کمان بھی تم ہی سنبھال لینا۔"

"کوارٹز میں۔ للیتا کو بچانے کی پوری پوری کوشش کرو گے نا؟" ہنری نے بے تاب ہو کر کہا۔

"اطمینان رکھو ہنری۔ اسے بچانے کے لئے میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا جاؤ تمہارا دستہ بہت آگے بڑھ گیا ہے اگر خدا نے چاہا اور زندگی رہی تو ہم

پھر ملیں گے۔"

ہنری نے آخری بار ہمیں پر امید نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔۔۔ اسلوپوگاس اور میں میدان جنگ سے باہر آئے اور چند ہی منٹوں کے بعد اس بھیانک قتل گاہ اور خون کی ندیوں سے کافی دور آ چکے تھے۔

ڈھلوان کی چوٹی پر پہونچ کر ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ غروب ہوتے ہوئے سورج کی کرنوں میں میدان جنگ ایک ننھی سی تصویر ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ اور بلند ہوتی ہوئی تلواروں اور نیزوں کے پھل تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔

"دیکھو میرن۔ میدان ہمارے ہاتھ رہا۔" اسلوپوگاس نے میدان جنگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "دیکھو خاتون شب کا لشکر بھاگا جا رہا ہے۔ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ وہ گرم لوہے جیسے ہو گئے ہیں۔ لڑتے ضرور ہیں مگر بڑی بے دلی سے صرف اپنی جان بچانے کے لیے۔ لیکن افسوس عین وقت پر جنگ موقوف کرنا ہوگی کیونکہ سورج غروب ہو رہا ہے اور اندھیرے میں جنگ ہو نہیں سکتی لیکن" اس نے ایک ماہر جرنیل کی طرح سر ہلا کر کہا: "مجھے یقین ہے کہ خاتون شب کے سپاہی کل پھر میدان جنگ میں نکلنے کی ہمت نہیں کریں گے۔ ہم نے انہیں ناکوں چنے چبوا دیے ہیں۔ شکر ہے کہ میں اس یادگار زمانہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے زندہ رہا۔ واہ کیا جنگ تھی بس مزا آگیا۔

ہم آگے بڑھے۔ راستہ میں میں نے مختصر طور پر اسلوپوگاس کو بتا دیا کہ ہم میلوسس کیوں جا رہے ہیں اور پھر آخر میں کہا کہ اگر ہم وقت سے میلوسس

نہ پہونچ سکے تو آج جتنے بھی لوگ میدان جنگ میں مارے گئے ہیں ان سب کی قربانیاں گویا بیکار ہی گئیں۔

"اوہ" اس نے کہا۔ ایک سو میل کا سفر درپیش ہے اور پھر کہیں سے تازہ دم گھوڑے بھی نہیں مل سکتے اور صبح سے پہلے میلوسس پہونچنا ہے خیر خیر ہیکو میزن انسان صرف کوشش کر سکتا ہے اور وہی ہم کر رہے ہیں کہ عین وقت پر شیطان ریگون کی کھوپڑی توڑنے کے لئے میلوسس پہونچ جائیں بڑا ہی حاسد اور کینہ شخص ہے یہ ریگون۔ پہلے ہمیں آگ میں جلانے کی کوشش کی اور اب کمبخت میری ملکہ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں اپنے معبود زلقند کی قسم کھا کر کہتا ہوں چاہے وہ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہو یا نہ ہو بہرکیف میں اس کی کھوپڑی اس کی مقدس ڈاڑھی تک چیر دوں گا" اور اس نے اپنا مگدر بھی کافی ہوا میں لہرایا۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور تاریکی رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی لیکن خوش قسمتی سے وہ چاندنی رات تھی اور راستہ سیدھا اور ہموار۔ اس لئے بھٹک جانے کا کوئی خدشہ نہ تھا۔

بڑھتی ہوئی تاریکی اور دم توڑتی ہوئی روشنی میں ہم آگے بڑھے جا رہے تھے اور اس خوبی سے کہ یکے بعد دیگرے میل طے ہو رہے تھے اور نہ ہمیں تھکن محسوس ہوتی تھی اور نہ ہی گھوڑے تھکے تھے۔ ڈھلوان کے بعد حد نگاہ تک میدان پھیلتا چلا گیا تھا اور کافی دور، سبزے کی چادر اوڑھے پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں اور آسمان جھک کر ان پہاڑیوں کی پیشانی چوم رہا تھا۔ وہ پہاڑیاں ہمارے قریب آتی چلی گئیں۔ اب ہمارے گھوڑے پہاڑیوں پر چڑھ رہے تھے اب وہ اوپر پہونچ چکے تھے۔ اب وہ پہاڑیاں عبور کر چکے تھے اور میدان میں ہوا سے

باتیں کرتے ہوئے ان ٹیلوں کی طرف بڑھ رہے تھے جو کافی دور پر دائرہ کی طرح نظر آ رہے تھے۔

ہم چلتے رہے تیزی سے۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کی تال پر جیسے درخت رقص کر رہے تھے میدان گول گول گھوم رہے تھے۔ اجاڑ ویران گاؤں جن میں ایک متنفس بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے پیچھے چھوٹتے جا رہے تھے۔ ہمارے گھوڑے رفتار پکڑ رہے تھے۔ تیز۔۔۔ اور تیز۔ یہاں تک کہ ہوا بھی پیچھے رہی جا رہی تھی۔

چاند نکل آیا۔ زرد زرد، بیمار سا۔

ایک اجڑے گاؤں میں چند آوارہ کتے گھوم رہے تھے۔ انھوں نے بھونک کر ہمارا استقبال کیا لیکن ہم ان کی طرف کوئی توجہ کئے بغیر بگولے کی طرح گاؤں سے نکل گئے۔

ہیبت ناک جنگل بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ بلند درخت اور گنجان جھاڑیاں سنسناتی ہوئی ہمارے قریب سے گزر رہی تھیں اور اسی تیزی سے وقت بھی اڑا جا رہا تھا۔

ہم خاموش تھے۔ میں اور اسلوبوگاس اپنے اپنے گھوڑے کی پشت پر جمے خیالات میں غوطہ زن تھے۔ اسلوبوگاس۔ سیاہ دیو۔ سفید براق گھوڑے پر بیٹھا۔ بے حد عظیم معلوم ہو رہا تھا، بالکل اس شخص جیسا جو تن تنہا دنیا فتح کرنے کے ارادے سے چلا ہو۔ اس کے چہرے سے جلال تمکنت اور شان عیاں تھی کبھی کبھار وہ گردن اٹھا کر نہ ختم ہونے والے راستے کی طرف دیکھتا اور اپنا کلہاڑا اٹھا کر کسی خالی گاؤں یا مکان کی طرف اشارہ کرتا اور پھر گردن جھکا لیتا۔

اور یوں میلوں پر میل اور گھنٹوں پر گھنٹے گزرتے گئے۔

آخر کار میری گھوڑی کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کے منہ سے کف جاری ہو گئے!

میں نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ آدھی رات گزر چکی تھی اور ابھی ہم نصف راستہ ہی طے کر پائے تھے۔ ڈھلوان کی چوٹی پر ایک شفاف چشمہ بہہ رہا تھا۔ ہم اس چشمہ کے کنارے دس منٹ تک ستانے کے لئے رک گئے۔ املو پوگاس اپنے گھوڑے سے اترا اور مجھے سہارا دے کر اتارا، کیونکہ تھکن اور چوٹ کے سبب مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ خود بخود اپنی گھوڑی پر سے اتر آؤں۔ ہمارے گھوڑے نتھنے پھلائے تیز تیز سانس لے رہے تھے اور ان کے جسم سے پسینہ کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

املو پوگاس کو اپنی گھوڑی کی لگام پکڑا کر پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گیا اور اپنے ہونٹ چشمہ کی شفاف سطح سے چپکا دیئے۔ کسی عاشق کو اپنی معشوقہ کا پہلا بوسہ لینے میں اتنا سرور نہیں آیا ہوگا جتنا مجھے چشمہ کا بوسہ لیتے ہوئے محسوس ہو رہا تھا۔

پانی پی چکنے کے بعد میں نے ہاتھ منہ دھوئے اور اب بوڑھے زولو نے دونوں گھوڑوں کی لگامیں مجھے پکڑا دیں اور خود پانی پینے چلا۔ اب گھوڑوں کی باری تھی لیکن انھیں نہایت ہی قلیل مقدار میں پانی پلایا گیا کیونکہ خوف تھا کہ زیادہ پانی پی لینے سے وہ مر ہی نہ جائیں۔

روانہ ہونے میں ابھی دو منٹ باقی تھے چنانچہ میں نے گھوڑوں کو ٹہلانا شروع کیا اور میں بھی ٹہلنے لگا کہ ہمارے اکڑے ہوئے پٹھے کھل جائیں۔ میری گھوڑی حالانکہ بڑی طاقتور تھی لیکن وہ بے حد تھکی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھیں نصف کے قریب بند ہو چکی تھیں لیکن نلتھا کا سفید گھوڑا "روز روشن" میری گھوڑی کے مقابلے میں تازہ دم معلوم ہوتا تھا، حالانکہ وہ اپنی پیٹھ پر میری گھوڑی سے زیادہ بوجھ لادے

ہو گئے تھا یعنی املوپوگامن کو اسکی آنکھیں ویسے ہی چمک رہی تھیں اور وہ سامنے یوں دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہے کہ منزل تک پہونچنے کی اب بھی مجھ میں طاقت ہے اور میں اسی تیز رفتاری سے پینتالیس میل طے کر سکتا ہوں۔

املوپوگامن نے سہارا دے کر مجھے اپنی گھوڑی پر سوار کیا اور پھر وہ خود رکاب کو چھوئے بغیر اچھل کر زین پر جم گیا اور ہم چلے۔ پہلے آہستہ آہستہ تاکہ ہمارے گھوڑے دم درست کر لیں پھر گھوڑوں نے خود بخود تیز ہونا شروع کیا۔ اور وہ پہلے کی سی تیز رفتاری سے اڑے چلے جا رہے تھے۔

دس میل اور طے ہو گئے۔

اور اب سات میل کی مشکل اور تھکا دینے والی چڑھائی شروع ہو گئی اور یہ چڑھائی چڑھتے ہوئے میری گھوڑی تین بار لڑھک گئی ..... لیکن اوپر پہنچ کر اس نے اپنی طاقت کو سمیٹا اور نہایت سبک رفتاری سے ڈھلوان اترنے لگی۔ اتار کے یہ تین چار میل ہم نے اسی تیزی سے طے کئے کہ روانہ ہونے سے اب تک طے نہ کر سکے تھے لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ممکن ہے یہ میری گھوڑی کی آخری کوشش ہو اور میرا اندازہ صحیح ثابت ہوا وہ دانتوں میں لگام دبائے پانچ سو گز تک بھاگتی چلی گئی پھر وہ ڈگمگائی اس کی گردن جھکی اور وہ سر کے بل زمین پر آ رہی۔ میں اس کی پشت پر سے کود پڑا۔ اور اپنے زور میں دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ میں اٹھ کر گھوڑی کے قریب آیا۔ وفادار جانور نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ ہوا کی زیادتی کے سبب اس کا دل اور پھیپھڑے پھٹ گئے تھے۔ ایک بار پھر اس نے میری طرف دیکھا اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ وہ مر چکی تھی۔ املوپوگامن بے جان گھوڑی کو دیکھ رہا تھا اور میں مایوسی سے زولوک

صورت تک رہا تھا۔ "کیا کیا جائے؟ ابھی تیس میل اور طے کرنا باقی تھے اور گھوڑا صرف ایک تھا میں بالکل ہی مایوس ہو گیا اور اس حالت میں میں اسلوپوگاس کی غیر معمولی تیز رفتاری کو بھول گیا۔

ایک لحظ تک کے بغیر اسلوپوگاس اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور مجھے بچے کی طرح اٹھا کر زین پر بٹھا دیا۔

"اور تم کیا کرو گے؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ ساتھ دوڑوں گا اور کیا؟" اس نے میرے گھوڑے کی لگام پکڑ کر نہایت خود اعتمادی سے کہا۔

اور ہم روانہ ہو گئے۔

اس تیز رفتاری سے جس سے کہ ہم یہاں تک آئے تھے گھوڑا اڑا جا رہا تھا اور بوڑھا اسلوپوگاس گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور نتھنے پھیل گئے تھے لیکن کیا مجال کہ اس کی سانس تیز ہو جائے یا میرے گھوڑے سے ایک قدم بھی پیچھے رہ جائے۔ ہر پانچ میل کے بعد میں اپنا گھوڑا روک لیتا تاکہ اسلوپوگاس اور گھوڑا دونوں پانچ منٹ تک دم لے لیں۔

"اسلوپوگاس" تیسری منزل پر میں نے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم یہیں رک جاؤ۔ میں جاتا ہوں تم بعد میں آ جانا بہت تھک گئے ہو گے تم۔ میرے دوست۔"

"نہیں۔ میکومیزن۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو میں یونہی دوڑتے دوڑتے دم توڑ دوں گا یا پھر وہاں تک تمہارے ساتھ ہی ساتھ پہنچوں گا۔" اس نے اپنے کلہاڑے سے دور پر نظر آتے ہوئے ایک دھندلے تودے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ میلوسس کے معبد کا گنبد تھا اور اس کے اور ہمارے بیچ میں

پانچ میل لمبا میدان پھیلتا چلا گیا تھا۔

اوف۔ وہ آخری پانچ میل بے حد سخت ثابت ہوئے۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے میری رانیں اندر کی طرف چھل گئی تھیں اور ہر جھٹکے پر میرا دم نکلا جاتا تھا۔ صرف یہی ایک تکلیف ہوتی تو شاید برداشت کر لیتا لیکن مصیبت یہ تھی کہ مارے تھکن کے میرا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی کا ایک ایک حلقہ جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ سے کھسکتا معلوم ہوتا تھا۔ بھوک نے الگ پریشان کر رکھا تھا اور وہ نیند جو کبھی میرے قریب تک نہیں آئی تھی پتہ نہیں کہاں سے ٹپک پڑی تھی؟ پپوٹے بوجھل ہو کر خود بخود بند ہوئے جا رہے تھے۔ اس نالائق کوہستانی کی تلوار نے مجھے بائیں کندھے اور سینہ پر جو چوٹ پہونچائی تھی اس کا درد اب ناقابل برداشت ہوا جا رہا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی نوکدار چیز میرے پھیپھڑوں میں گھسی جا رہی ہے۔ گھوڑا بھی اب ہمت ہار رہا تھا اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہ تھی۔

لیکن فضا میں صبح کی خنکی بڑھ رہی تھی۔ ہم ایک منٹ بھی رک کر دم نہیں لے سکتے تھے۔ ایک لمحے کی بھی تاخیر ہماری کوششوں کو بے کار ثابت کر سکتی تھی۔ ہم دونوں مایوسی سے بچنے کی جدوجہد کرتے ہوئے راستے ہی میں مر جانا پسند کرتے تھے۔ بہ نسبت اس کے کہ ہم رک کر دم لیں اور اس عرصہ میں پیچھا قتل کر دیے جائیں۔ ہرا بند تھی اور لاتعداد مکڑیاں درختوں کی ٹہنیوں سے ہمیں مہین تاروں پر لٹک رہی تھیں اور یہ اس بات کی نشانی تھی کہ اب سورج طلوع ہونے میں زیادہ دیر نہیں۔ مکڑیوں کے جالوں کے بیچ میں سے ہم گزرتے تو وہ ہمارے جسم پر چپک رہ گئے۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ

ایک کیا ان جانوروں کو اپنے جسم سے الگ کر دیا۔

اور اب ہمارے سامنے ... انفعال میں بہتے ہوئے بڑے بڑے گھوڑوں ... دروازے تھے۔ میں اس خیال سے پریشان ہو گیا کہ اگر پہریداروں نے ہمیں شہر میں داخل ہونے دیا تو کیا ہوگا؟"

"کھولو... دروازہ کھولو۔" دروازے کے سامنے پہنچ کر میں پوری قوت سے چلایا۔ "ایک قاصد جنگ کی خبریں لے کر آیا ہے جلدی کھولو۔"

"کیسی خبر؟" پہریدار چلائے۔ "اور تم ہو کون جو یوں وحشیوں اور دیوانوں کی سی حالت میں پہنچے ہو؟ اور تمہارے ساتھ وہ کون شخص ہے جس کی زبان کتے کی طرح باہر لٹک رہی ہے؟" اور حقیقت میں اسلوپوگاس کی زبان باہر لٹک رہی تھی اور وہ بری طرح سے ہانپ رہا تھا۔ "کون ہے یہ شخص جو تمہارے گھوڑے کے ساتھ یوں دوڑتا آیا ہے جیسے ...تھ کے ساتھ کتے!"

"میں میکومیزن ہوں، آقا میکومیزن اور میرے ساتھ میرا سیاہ فام ملازم ہے۔ خدا کے لئے دروازہ کھولو۔"

بڑے بڑے وزنی دروازوں کو پیچھے کی طرف کھینچا گیا۔ وہ ذرا سے وا ہوئے! پل ایک دھماکے کے ساتھ خندق میں گرا دیا گیا اور ہم ہوا کے جھونکے کی طرح پل پر سے گزرتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے۔

"کیا خبر ہے، میرے آقا؟" پہریدار چلائے۔

"دیکھو سوراتیس کے لشکر کو یوں پیچھے دھکیل رہا ہے جیسے ہوا بادل کو۔" میں نے کہا! اور آگے بڑھ گیا۔

ایک اور کوشش، میرے بہادر گھوڑے، ایک اور کوشش اسلوپوگاس!

میرے بہادرو! ایک اور کوشش۔ وفادار "روزِ روشن" ہنہنا نہ گرنا۔ صرف پندرہ منٹ کے لئے اپنی طاقت قائم رکھنا۔ املوپوگاس میرے بہادر میرے صرف پندرہ منٹ اور پھر تم دونوں زردینہ میں لافانی شہرت کے مالک ہو جاؤ گے۔ قیامت تک لوگ تمہارا نام عزت و احترام سے لیں گے۔ میرے بہادرو ایک اور کوشش۔

سنسان اور خاموش راستوں سے ہم گزرتے گئے۔ اس خاموشی میں "روزِ روشن" کی ٹاپوں اور املوپوگاس کے پیروں کی چاپ گونج رہی تھی۔ راستے گلیاں، مکانات اونگھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ کتے بھی گوشوں میں دبکے پڑے رہتے تھے۔ ہم معبد کے قریب سے گزرے۔

ایک میل۔ صرف ایک میل اور! ہمت رکھو بہادرو! ہاں اسی شان سے آگے بڑھو۔ صرف پچاس گز باقی ہیں۔ وہ دیکھو محل نظر آرہا ہے۔ وفادار گھوڑے اب تم اپنے اصطبل میں آرام کرو گے۔ ہاں آگے بڑھو۔

معبد کے سنہرے گنبد پر روشنی پھیلتی جارہی تھی۔ محل کے دروازے پر پہونچ کر میں نے داخلے کے الفاظ دہرائے لیکن کوئی جواب نہ ملا میرا دل ڈوب گیا۔ اندرا۔ کہیں ریگون اور زناستا اپنے مقصد میں کامیاب تو نہیں ہو گئے؟

میں دیوانوں کی طرح چلانے لگا "کھولو۔ دروازہ کھولو" اور کسی کی تنہا آواز نے جواب دیا میں نے فوراً پہچان لیا۔ یہ کالدا کی آواز تھی

---

(۱)۔ چونکہ معبد ٹیلے پر واقع تھا اور کافی بلند بھی تھا اس لئے شہر میں پو پھٹنے سے کچھ پہلے ہی اس کے گنبد پر روشنی چھا جاتی تھی۔ (ایلین کوارٹر

قارئین بھولے تو نہ ہوں گے کہ اسی کارا کو نلیتھا نے سورا انہیں کو گرفتار کرنے کیلئے بھیجا تھا۔

"تم ہو کارا؟" میں چلایا۔ "اپنے دوسرے ساتھیوں کو اٹھاؤ، دروازہ کھولو۔ خندق پر پل گراؤ۔ جلدی کرو۔"

"میرے بھائی۔"

اور پھر خاموشی کا چھوٹا سا وقفہ جو مجھے بے حد طویل معلوم ہوا، پل گرا دیا گیا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا اور ہم محل کے دالان میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہنچتے ہی گھوڑا دھڑام سے گرا۔ میرے خیال سے مردہ ہو کر۔ باوجود تکلیف کے میں گرتے ہوئے گھوڑے سے کود پڑا اور ایک ستون کا سہارا لے کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ پورا دالان خالی پڑا ہوا تھا، کوئی محافظ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کارا کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی اور اس کا لباس جھرجھر تھا۔ تنہا اس نے پل گرایا تھا اور اب وہی پل اٹھا رہا تھا۔

"پہرے دار کہاں ہیں؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "میں سو رہا تھا کہ آپ کے آنے سے دو گھنٹے پیشتر کچھ لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجھے باندھ کر چلے گئے۔ آپ کے آنے سے کچھ ہی دیر پہلے میں نے رسیوں کی گرہیں اپنے دانتوں سے کھول کر اپنے آپ کو آزاد کر لیا۔ مجھے خوف ہے میکونیزن کی کوئی بہت بھیانک سازش کی گئی ہے۔"

"تو اب تک نلیتھا زندہ ہے۔" میں نے سوچا اور کارا کو لیے ہوئے برآمدے اور پھر دربار کے بڑے کمرے میں سے گزر کر نلیتھا کی خواب گاہ کا رخ کیا۔ ہمارے پیچھے پیچھے اسلوپوگاس شرابی کی طرح لڑکھڑاتا چلا آ رہا تھا۔

ہم پہلے کمرے سے گزرے۔ وہاں ایک بھی محافظ نہ تھا۔ دوسرا کمرہ وہ بھی خالی تھا۔ اے خدا! کیا سچ مچ دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے؟ میں کانپتا ہوا دل لیے نلیتھا کی خواب گاہ میں جا گھسا۔ اسلوپوگاس اور کارا میرے ساتھ تھے۔ خواب گاہ میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ نلیتھا اپنے شب خوابی کے لباس میں ملبوس اپنے دست نازک میں موم کی شمع لیے کمرے کے بیچ میں خالی پیکر کی طرح کھڑی ہوئی تھی۔ ہمارے قدموں کی چاپ سن کر وہ ابھی ابھی بیدار ہوئی تھی اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا اور اس کا چہرہ اور عریاں سینہ شرم سے سرخ ہوا جا رہا تھا۔

"کون ہے؟" وہ چلائی "کون ہے جو میری خواب گاہ میں گھسا چلا آ رہا ہے؟ ارے، ایکوبیزن تم؟"

"خیر تو ہے؟ تمہارے چہرے سے وحشت اور خوف کیوں برس رہے ہیں؟ تم تو ایسے وحشت زدہ ہو جیسے کوئی بری خبر سنانے والے ہو۔ میرا آقا۔ میرا انکبو، سورج دیوتا کا واسطہ۔ آہ ایکوبیزن کیا واقعی میرا آقا مر گیا؟"

وہ مارے اضطراب کے اپنے ہاتھ ملنے لگی۔

"تمہارا انکبو زندہ ہے، میں اسے زخمی چھوڑ کر آیا ہوں گذشتہ شام جب میں میدان جنگ سے رخصت ہوا ہوں تو انکبو سورائیس کے لشکر کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی فکر نہ کرو سورائیس شکست کھا چکی ہے"

"مجھے یقین تھا" اس نے خوشی سے بے خود ہوتے ہوئے کہا۔ "کہ انکبو کامیاب ہوگا۔ لوگ اسے اجنبی اور غیر کہتے ہیں۔ جب میں نے اسے سپہ سالار کے عہدے پر فائز کیا تو احمقوں نے اپنی خفگی اور ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔"

"نلیتھا۔ کپڑے پہن لو۔" میں نے کہا: "اور اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر فوراً اپنی تمام خادماؤں کو بلا لو۔"

اس نے بغیر کچھ پوچھے خوابگاہ کی دیواروں میں بنے ہوئے دروازوں کے قریب جا کر اپنی خادماؤں کو آواز دی اور بڑی افراتفری میں چپل اور گاؤن پہن لیا۔ اس عرصہ میں ایک درجن کے قریب نیم عریاں خادمائیں مختلف کمروں سے خوابگاہ میں داخل ہو گئی تھیں اور ہمیں دیکھ کر شرم و حیا سے ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"خاموشی سے ہمارے ساتھ آؤ۔" میں نے ان کی شرم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا اور ہم خوابگاہ سے نکل کر پہلے کمرے میں آئے۔

"نلیتھا۔ میں اور راملوپوگاس بے حد تھکے ہوئے اور بھوکے ہیں۔ پہلے کچھ کھانے کو اور شراب دو۔"

یہ کمرہ محافظ افسروں کا ڈیٹنگ روم تھا۔ ایک الماری سے شراب کی صراحیاں اور ٹھنڈا گوشت نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیا گیا۔ میں نے اور راملوپوگاس نے تھوڑا سا کھایا اور شراب کے پہلے ہی گھونٹ نے ہماری رگوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔

"نلیتھا۔" میں نے شراب کا جام میز پر رکھتے ہوئے کہا: "کیا تمہاری خادماؤں میں کم از کم دو ایسی مل سکتی ہیں جو تم پر اپنی جان قربان کرنے سے دریغ نہ کریں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو ان سے کہو کہ وہ اسی وقت محل کے پچھلے دروازے سے جا کر ان لوگوں کو بلائیں جن کی وفاداری پر تمہیں پورا اعتبار ہو۔ وہ لوگ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر جس حال میں ہوں اسی حال میں یہاں چلے آئیں۔ نلیتھا تمہاری زندگی

خطرے میں ہے۔ نہیں۔ اس وقت سوال و جواب کا وقت نہیں۔ جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔ کارا دونوں خادماؤں کے لئے دروازہ کھول دے گا۔"

نلیتھا نے پلٹ کر دونوں خادماؤں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور یہی بات دہرا کر انہیں ان افسروں کے نام دہرادئیے جن کے پاس انھیں جانا تھا۔

"بے حد خاموشی مگر تیزی سے جاؤ اور لوگوں کو فوراً اپنے ساتھ لیکر آؤ۔" اس نے کہا

کارا دونوں خادماؤں کو لے کر چلا۔ کارا سے میں نے کہہ دیا تھا کہ دونوں خادمائیں جب محل سے باہر نکل جائیں تو وہ دروازہ مضبوطی سے بند کر کے ہم سے عظیم الشان زینہ پر آ ملے۔ کارا کے اور خادماؤں کے جا چکنے کے بعد ہم عظیم الشان زینہ کی طرف چلے۔ میرے ہاتھ میں گوشت کا ٹکڑا تھا اور میں چلتے ہوئے اپنے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھا رہا تھا اور گوشت چباتے ہوئے میں نے نلیتھا کو تمام باتیں بتا دیں میں نے یہ بھی کہا کہ سازش پر عمل شروع ہو چکا ہے۔ کارا کو باندھ دیا گیا تھا۔ تمام محافظ جا چکے ہیں اور نلیتھا اپنی خادماؤں کے ساتھ پورے محل میں تنہا تھی۔

نلیتھا نے بتایا کہ زور سے شہر میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ سورائیس فتح و ظفر کے جھنڈے اڑاتی میلوسس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ اس افواہ کا فوری اثر یہ ہوا کہ کئی لوگوں نے نلیتھا کا ساتھ چھوڑ دیا اور سورائیس کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

حالانکہ معبد کے گنبد پر روشنی پھیل چکی تھی لیکن سورج طلوع ہونے میں ابھی پانچ دس منٹ باقی تھے۔ ہم محل سے نکل کر صحن میں آ گئے اور یہاں میرے سینہ کے درد نے اتنی شدت اختیار کی کہ مجھے سہارے کے لئے نلیتھا کا نازک ہاتھ پکڑنا پڑا۔ اسلوپوگاس گوشت چباتا ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔

ہم صحن سے گزر کر اس چھوٹے سے دروازے کے سامنے پہونچ گئے جو عظیم الشان

زینہ پر کھلتا تھا اور یہ دیکھ کر میری اور نلیتھا کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دروازے کے کواڑ غائب تھے۔ انھیں اکھاڑ کر زینہ پر سے نیچے پھینک دیا گیا تھا اور وہ دیکھو فٹ نیچے پڑے ہوئے تھے اور اب دیوار میں ایک بیضوی سوراخ طول و عرض بس عام انسانی قامت کا رہ گیا تھا اور اس سوراخ کے باہر سیاہ سنگ مرمر کا زینہ تھا جس میں صرف دس سیڑھیاں تھیں جو عظیم الشان زینہ کی چوٹی پر پہنچ کر ختم ہو جاتا تھا۔

ہم ایک دوسرے کی صورت تکنے لگے۔

"دیکھا نلیتھا" میں نے کہا۔ "کمبخت راہبوں نے کواڑ اکھاڑ کر پھینک دیے۔ ایسی کوئی چیز ہے جس سے ہم اس خالی دروازے کو بند کر سکیں؟ خدا کے لیے جلد کیونکہ صبح ہوتے ہی دشمن ہمارے سروں پر ہوگا۔"

ہمیں صرف اسی جگہ رک کر ناکہ بندی کرنا تھی۔ کسی اور جگہ ہم دشمن کو کسی صورت روک نہیں سکتے تھے۔ اگر اس دروازے کو بند نہ کیا جائے اور دشمن گھس آئیں تو پھر بچاؤ کی کوئی صورت ممکن نہ تھی کیونکہ محل کے اندر کسی بھی کمرے کے کواڑ نہ تھے۔ کواڑوں کے بجائے دروازوں پر مخملیں پردے لگائے گئے تھے۔ اگر ہم یہی ایک دروازہ بند کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر کوئی کسی بھی طرف سے محل میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر یہ دروازہ بند ہو جاتا تو پھر محل پر قبضہ جمانا قریب ناممکن تھا۔ البتہ ایک راستہ تھا جس سے سازشی خاص محل میں داخل ہو سکتے تھے یعنی وہی خفیہ راستہ جس کے ذریعہ محل میں داخل ہو کر سورانیس نے نلیتھا کو

قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس راستہ کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا تو نلیتھا نے یہ کہہ کر مجھے مطمئن کر دیا کہ جس رات سورائیس نے نلیتھا کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی اس کے دوسرے ہی روز نلیتھا نے معمار بلا کر اس خفیہ دروازہ کو مضبوط پتھروں کی مدد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کرا دیا تھا۔ اب اس طرف سے کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔

"میکومیزن یہ زینہ کا دروازہ بھی بند کیا جا سکتا ہے۔" نلیتھا نے جو بڑی حاضر دماغ تھی کہا۔ "صحن کے ایک طرف سنگ مرمر کے چوکور تراشے ہوئے ٹکڑوں کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ یہ پتھر انکیو کے مجسمہ کی چوکی بنانے کے لئے لائے گئے ہیں۔ فی الحال انہی پتھروں کو دروازہ بند کرنے کے کام میں لایا جائے۔"

میں اچھل پڑا اور فوراً ایک ملازم کو روانہ کیا گیا کہ وہ فوراً سے پیشتر اپنے والد کے گودام سے جو بہت بڑا تاجر تھا جتنے بھی ممکن ہوں اتنے مزدور لے کر آ جائے وہ ادھر روانہ ہوئی اور ہم ایک خادمہ کو بے کواڑوں کے دروازے پر چھوڑ کر اور ہوشیار رہنے کی تلقین کر کے صحن کے اس حصے کی طرف چلے جہاں سنگ مرمر کے چوکور ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ یہاں ہمیں کارا ملا جو دونوں خادماؤں کو حفاظت سے محل کے باہر پہونچا کر اور دروازہ مضبوطی سے بند کر کے آ رہا تھا صحن کے ایک کونے میں چھ انچ موٹے چوکور پتھر ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ ہر پتھر کافی وزنی تھا۔ پتھروں کے قریب ہی چوبی اسٹریچر سا پڑا ہوا تھا۔ اسی اسٹریچر پر پتھر یہاں تک لائے گئے تھے۔ ہم نے چند پتھر اسٹریچر پر رکھ دیئے اور دو خادمائیں اسٹریچر اٹھا کر بے کواڑ دروازے کی طرف چلیں۔

"میکومیزن" اسلوپوگاس نے کہا۔ "اگر دروازہ بند ہونے سے پہلے وہ نمک حرام سازشی آ گئے تو میں تن تنہا زینہ پر انہیں اس وقت تک روکے رکھوں گا جب تک

کہ تم دروازہ بند نہیں کر لیتے، ہاں میگوئیزن میں ایک بہادر کی موت مروں گا نہیں میرے دوست مجھے روکنا نہیں۔ میں ان کا مقابلہ بخوبی کر سکتا ہوں۔ ہاں اکیلا۔ ایک شخص نے جو مرت ہو گئی مر چکا۔ ایک بار میری بہادرانہ موت کی پیشگوئی کی تھی۔ شاید اس پیشنگوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ میں اس طرف جا کر ذرا سو لیتا ہوں تاکہ میری طاقت عود کر آئے۔ ماز نتی عظیم الشان زینہ تک آ جائیں تو مجھے بیدار کر دینا۔ اس سے پہلے نہیں۔"

املوپگاس تھکا ہوا پتھریلے فرش پر لمبا لمبا لیٹ گیا اور چند ثانیوں ہی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔ اسی وقت نیند نے مجھے بھی دروازے کے قریب بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔ خادمائیں پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہی تھیں اور کاریگر ان پتھروں کو چھ فٹ چوڑے دروازے میں تین تین قطاروں میں چن رہے تھے۔ پتھر لانے کے لیے چالیس گز کا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا اور پھر پتھر لے کر چالیس گز واپس آنا ہوتا تھا۔ ہر چند کہ خادمائیں کافی جانفشانی سے کام میں لگی ہوئی تھیں دوڑ دوڑ کر پتھر لا رہی تھیں لیکن پھر بھی کام کی رفتار بہت سست تھی، مایوسی کی حد تک سست۔

صبح کی روشنی پھیلنے لگی۔

اور ساتھ ہی عظیم الشان زینہ کے قدموں میں سے ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی اور کچھ ہلچل کے آثار نمودار ہوئے اور اب تک دروازے کی دیوار صرف دو فٹ بلند ہو چکی تھی۔ اور اتنی سی دیوار بنانے میں آٹھ منٹ لگے تھے۔ لوداتی ایلفو نسے نے بالکل ٹھیک اطلاع دی تھی۔

جھنکار کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے دروازے سے گردن نکال کر دیکھا۔ صبح کی دھندلی روشنی میں تقریباً پچاس آدمیوں کا ایک گروہ آہستہ آہستہ

زینہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور اب وہ زینہ کی چوٹی پر کھڑے تھے ان کی نظریں اوپر اٹھ گئیں اور یہ دیکھ کر کہ اوپر کچھ ہو رہا ہے۔ ان کے پیر تھم گئے۔ تین چار منٹ تک وہ وہیں نچلے سے کھڑے رہے۔ اور اس عرصہ میں انہیں دیوار کو کچھ اور بلند کرنے کا موقع مل گیا آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد وہ لوگ آگے بڑھے انہیں اپنے کام پر لگے ہوئے پون گھنٹہ ہو چکا تھا اور دیوار صرف تین فٹ بلند ہو سکی تھی میں نے اسکولیگاس کو بیدار کیا۔ وہ عظیم شخص انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا اور اس نے چند بار اپنی کلہاڑی کو ہوا میں گھمایا۔

"ہاں تو اب ٹھیک ہے۔" اس نے کہا "میں اپنے جسم میں نئی قوت محسوس کر رہا ہوں گھبرانے کی کوئی بات نہیں میکلمیزن میں ایسی جنگ کروں گا جو اس افغان منار میں یادگار رہے گی۔ نیند اور شراب نے میرے بوڑھے سینہ میں جوان دل رکھ دیا ہے۔"

"میکلمیزن میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ہم دونوں ایک بہت عظیم زینہ کی چوٹی پر کھڑے ہیں۔ اور تمام دنیا ہمارے قدموں تلے پھیلی ہوئی ہے میکلمیزن تمہارا چہرہ فرشتے کی طرح دمک رہا تھا اور تمہارے ایک ایک عضو سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں میرے بوڑھے شکاری دوست ہم دونوں کا وقت آپہنچا ہے۔ میرے بعد جلد ہی تم بھی اس دنیا کو خیرباد کہو گے اور مرنے کے بعد بھی ہم دونوں ساتھ ساتھ رہیں گے۔"

"میکلمیزن۔ مجھے میرے ملک کی رسم کے مطابق دفن کرنا۔ اور میرا منہ میرے پیارے وطن نیوزیلینڈ کی طرف رکھنا۔" اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور اپنے کندھے پر کلہاڑا رکھے تن تنہا بڑھتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کرنے چل دیا۔

اسی وقت کارا دیوار پھاند کر ننگی تلوار لیے اسلوپوکاس کے قریب آ
کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے سے بے پناہ دبدبہ اور عزم ٹپک رہا تھا۔
"ارے تو کیا تم بھی آ رہے ہو؟" اسلوپوکاس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"خوش آمدید۔ میرے پیارے بہادر دوست۔ خوش آمدید۔ قابل تعریف
ہے وہ شخص جو بہادروں کی موت پسند کرتا ہے۔ سلام ہے اس شخص پر جو موت
سے مقابلہ کرنے چلا ہے اور ہتھیاروں کی جھنکار جس کے لیے ایک ساحر نواز
نغمہ ہے۔ ہم تیار ہیں۔ ہم تیار ہیں۔ ہم تیار ہیں۔ ہم نے عقابوں کی طرح اپنی
چونچیں تیز کر لی ہیں۔ ہمارے نیزوں کے پھل سورج کی شعاعوں میں بجلی کی
طرح چمک رہے ہیں۔ ہمارے خنجر بے تابانہ لہرا رہے ہیں اور ہم خون
کے پیاسے ہیں۔ کون ہے جو سردار (انگوتیکاس) کے استقبال کو آگے بڑھتا
ہے؟ کون سردار کی ناک کا بدلہ لینا چاہتا ہے جس کا ثمر موت ہے؟
دیکھو اور پہچان لو میں کچھ بھوکا ہوں۔ خونریز ہوں۔ میں تیز دوڑنے
والا ہوں۔ میں سردار اسلوپوکاس ہوں۔ میری رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا
ہے۔ میں عظیم ہوں، میں ناقابل تسخیر کو فتح کرنے والا ہوں، میں ناممکن کو
ممکن کرنے والا ہوں، میں کلہاڑے کا مالک ہوں۔ میں اپاچی قبیلہ کا
سردار اور بہادر ترین شخص ہوں، میں خون کا پیاسا ہوں، میں جنگجو ہوں
میں غداروں کو خاک و خون میں لٹانے والا ہوں، میں شیر ہوں اور
بزدل لومڑیوں کی تلاش میں ہوں۔ میرے کلہاڑے کی ایک ہی جنبش عریاں
پیدا کر دیتی ہے۔ میرے جنگی نعروں سے زمین آسمان تھرا اٹھتے ہیں۔ میری
ضرب سے پتھر سرمہ ہوتے ہیں اور میرا غصہ چٹانوں کو پگھلا دیتا ہے۔ میں
دشمنوں کے گروہ پر بجلی بن کر ٹوٹتا ہوں۔ میں شیروں میں شیر، بہادروں میں

بہادر اور سرداروں میں سردار ہوں۔ کون ہے جو میرے مقابلے میں آنے کی ہمت کرتا ہے؟ کون ہے؟ کون ہے؟"

املوپوگاس وحشیانہ رجز پڑھ رہا تھا اور ساز شیوں کا گروہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور اس گروہ کے بیچ میں میں نے اپنے پرانے کرم فرماؤں، ناستا اور رعیون کو پہچان لیا۔

دفعتہً ایک دیو قامت شخص کو جوش آ گیا۔ وہ اپنے گروہ سے آگے بڑھ کر دس سیڑھیاں چڑھ آیا اور گرجتا ہوا اپنا بھاری نیزہ بلند کر کے املوپوگاس پر حملہ آور ہوا۔ املوپوگاس نے اپنے پیروں کو اٹھائے بغیر وہیں کھڑے کھڑے اپنے جسم کو یوں جھکا دیا کہ دیو قامت شخص کا نیزہ تڑاخ سے زینے پر پڑا۔ دوسرے ہی لمحے املوپوگاس کا ... بلند ہوا ... تڑاخ سے دیو قامت شخص کی کھوپڑی پر پڑا اور اسے چیرتا ہوا حلق تک اتر ... چلا گیا۔ وہ بے جان ہو کر گرا اور زینے پر سے لڑھکتا ہوا اپنے ساتھیوں کے قدموں میں جا پڑا۔ دیو قامت شخص کی ڈھال وہیں گر گئی تھی۔ املوپوگاس نے آگے بڑھ کر ڈھال اٹھالی اور یوں سینہ تان کر کھڑا ہو گیا جیسے بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو۔

کارا ابھی ایک ہی شخص کو قتل کر چکا تھا اور اب میری بوڑھی آنکھوں نے ایسا ناقابل فراموش منظر دیکھا جیسا نہ تو کبھی کسی نے دیکھا ہو گا اور نہ ہی شاید دیکھ سکے گا۔ دو دو اور تین تین غدار مل کر ایک ساتھ املوپوگاس اور کارا پر ٹوٹ پڑے۔ کلہاڑا سنسناتا، تلوار چمکتی اور زینہ پر چڑھ آنے والے غدار زخمی یا مردہ ہو کر نیچے لڑھک جاتے۔ جیسے جیسے جنگ شدید ہوتی جا رہی تھی املوپوگاس کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی اس کا کلہاڑا تیزی سے

گھوم رہا تھا اور دشمن [illegible] جنگی گیت گا رہا تھا وہ ان سرداروں کے نام لے رہا تھا جو اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے [illegible] اس کا کلہاڑا کھوپڑیاں چھاڑ رہا تھا [illegible] کا ایک وار خالی نہ گیا۔ غداروں کے بے جان اجسام زمین پر [illegible] تھا [illegible] میں [illegible] یکدم سے غدار اوپر چڑھ آئے اور تنہا [illegible] پر ٹوٹ پڑے۔ اور انگنت [illegible] جسم پر [illegible] گیا لیکن [illegible] ان کا سینہ [illegible] تھا شدید [illegible] زخمی ہو [illegible] دو چٹان [illegible] اور دشمن کے سامنے جھکتے چلے گئے۔

کالا [illegible] ایک جھٹکے کی آواز [illegible] تلوار پھینک [illegible] دشمن سے لپٹ گیا اور دونوں [illegible] ہوئے نیچے جا پڑے۔ ایک ساتھ ہی دشمنوں نے [illegible] نیزے برسا دیے اور اس وفادار خادم کے ٹکڑے [illegible] بہادری [illegible] ایسی [illegible] جو [illegible] زندگی میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔

کالا کی موت سے نہ تو [illegible] ہمت ہارا اور نہ ہی پیچھے ہٹا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا بدستور دشمنوں کی کھوپڑیاں چیرتا رہا۔ "گلالزئی" وہ چلایا۔ "میرے بھائی گلالزئی" "تم یہیں ہو؟" اور اس کا کلہاڑا ایک [illegible] کی کھوپڑی پر پڑا۔ پھر دوسرے، تیسرے، چوتھے غدار کی کھوپڑی توڑ گیا اور اب دشمن گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ پتھروں پر خون جم گیا تھا اور ان پر پھسلن پیدا ہو گئی تھی۔ پیچھے ہٹتے ہوئے کئی غداروں کے پیر رپٹ گئے۔ وہ جھکے

اور ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ موت کی گود میں جا سوئے۔ بچے کھچے غدار تیزی سے پیچھے ہٹے اور املوپوگاس سے دور کھڑے ہو کر خوف و حیرت سے اس ازدلو کی طرف دیکھنے لگے جو ان کے خیال میں مرنا جانتا ہی نہ تھا۔ سنگ مرمر کے چوکور پتھروں کی دیوار جو ہم دروازے کے بیچ میں بنا رہے تھے اب ساڑھے چار فٹ بلند ہو چکی تھی۔ میں نے گردن اٹھا کر املوپوگاس اور دشمنوں کی طرف دیکھا اور افسوس سے ہاتھ مل کر رہ گیا۔ میں املوپوگاس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ میرا پستول میدان جنگ میں کہیں گم ہو گیا تھا۔

زخموں سے چور املوپوگاس اپنے کلہاڑے پر جھکا غداروں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ان پر جملے کس رہا تھا اور انہیں "بزدل عورتیں" کہہ رہا تھا لیکن کسی میں ہمت نہ تھی کہ اس کے سامنے آئے۔ ہسنا کی پرجوش تقریر بھی بے اثر ثابت ہوئی۔ آخر کار رنگون کو جس کی دلیری اور بہادری کا میں معترف ہوں، جوش آ گیا۔ وہ نیزہ لے کر املوپوگاس کی طرف جھپٹا۔

"آہا"۔ املوپوگاس رنگون کو دیکھ کر چلایا: "آپ ہیں، مقدس جادوگر۔ میں آپ کا ہی منتظر تھا، آؤ میرے دوست، آؤ، میں نے آپ کو ابدی نیند سلانے کی قسم کھائی تھی اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں اپنی قسم پوری کرتا ہوں"

رنگون نے آگے بڑھ کر املوپوگاس پر وار کیا۔ املوپوگاس نے ڈھال سامنے کر دی لیکن رنگون کا نیزہ ڈھال پھاڑتا ہوا ازدلو کی گردن میں پیوست ہو گیا اور اس کی گردن سے خون کا فوارہ سا ابل پڑا۔ املوپوگاس نے ڈھال جلدی پھینک دی اور وہ رنگون کی آخری گھڑی تھی۔

"مقدس جادوگر، سنبھلو"۔ املوپوگاس چلایا اور اس سے پہلے کہ رنگون

ڈھال میں سے نیزہ نکال کر اسلوپوگاس پر وار کرے۔ اسلوپوگاس ہوا میں بلند
ہوا۔ اسی وقت ... لوہا النرنگین کے ... کی دل نے چلایا "نرناخ"
اور کلہاڑا نگون کی ... ٹوٹتا ... ٹوٹی ... اور اس کا بے جان جسم
... سنبھلا ... حلقہ ہوا ... مقتولوں کے ڈھیر پر جا پڑا
لنگون کے ... ایسا شور بلند ہوا۔ دریا اب تک ...
اور دروازے کا ... کھلا تھا ... زمین کی طرف دیکھا
خدا ... کے اسلوپو ... کے سامنے سے بھاگ رہے تھے۔
اور ان جھگڑوں میں چند ... جو اپنی سفید ڈاڑھیاں لہراتے
ہوا ... مار رہے تھے لیکن ایک شخص تھا جو اپنی جگہ پر جما
رہا اور وہ تھا ناستا۔

چند لمحوں تک ناستا زمین پر تلوار ٹیکے حیران پریشان کھڑا رہا
اور پھر یکلخت ایک نعرے کے ساتھ اسلوپوگاس پر حملہ آور ہوا اور
تلوار گھما کر اسی شدت سے زولو پر چلا اور ہوا کہ تلوار زرہ کاٹتی ہوئی
اسلوپوگاس کی پسلیاں توڑ گئی۔ اس ضرب نے اسلوپوگاس کو دم بخود کر دیا
اور اس کا کلہاڑا ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

ناستا نے خوشی کے نعرے کے ساتھ آخری ضرب لگانے کے لئے اپنی تلوار
بلند کی لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا واسطہ کیسے دشمن سے پڑا ہے؟
اسلوپوگاس نے ایک جھرجھری لی اور زخمی شیر کی طرح اچھلا تاکہ سیدھا
ناستا پر جا پڑا۔ اس کے لچکدار لانبے لانبے ہاتھ ناستا کی گردن کے گرد
آہنی تاروں کی طرح لپٹ گئے اور دونوں قلابازیاں کھاتے زینے سے نیچے
جا پڑے۔ ناستا بڑا طاقتور شخص تھا لیکن اس کا مقابلہ افریقہ کے طاقتور ترین

شخص سے تھا۔ چنانچہ لاکھ کوشش کے بعد وہ اپنے آپ کو اسلوپوگا س کی گرفت سے نہ چھڑا سکا۔ ایک ہی منٹ بعد اس بھیانک جادوگر اور سازشی کا خاتمہ ہو گیا۔

اسلوپوگا س نے ناستا کو اپنے دونوں ہاتھوں پر سر کے اوپر اٹھا لیا اور گھما کر محل کی دیوار یا فصیل پر سے پھینک دیا۔ ناستا ہوا میں لہراتا ہوا دو سو فٹ نیچے چٹانوں پر جا پڑا اور اس کی ہڈیاں تک سرمہ ہو گئیں۔

اسی وقت شہر میں سے شور و غل کی آوازیں بلند ہوئیں۔ دو خادمائیں معتبر افسروں کو نیند سے بیدار کر چکی تھیں اور وہ تلواریں لے کر آ گئے تھے اور بھگوڑے غداروں کو شہر کے گلی کوچوں میں قتل کر رہے تھے اب دروازہ بند کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ وہ خادمائیں جو پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہی تھیں اب دیوار گرانے میں مصروف ہو گئیں۔

دیوار گرا دی گئی اور ہمارے معتبر افسروں کے آگے (جنہیں خادمائیں بلا کر لائی تھیں) زخمی اسلوپوگا س لڑکھڑاتا ہوا داخل ہوا۔ اس کے زخموں سے اب تک جیتا جیتا خون رس رہا تھا اور اس کی آنکھوں کی مدھم ہوتی ہوئی چمک بتا رہی تھی کہ بوڑھے زونو کا آخری وقت آ پہونچا ہے۔ اس کے ماتھے پر کا عجیب و غریب تکونا سوراخ پھٹ گیا تھا۔ اور اس میں سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ اس کی گردن پر دو انچ کا ایک گہرا زخم تھا جو رنگیون کے نیزے سے آیا تھا اور ناستا کی تلوار نے دائیں طرف کی دو پسلیوں کو چیر دیا تھا۔

ہاتھ میں خون آلود کلہاڑا لئے وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا کوئی اور وقت ہوتا تو عورتیں اس کی حالت دیکھ کر بے ہوش ہو جاتیں۔ لیکن

اس وقت تمام خادماؤں نے بجائے اس کے کہ بے ہوش ہوں خوشی کے نعروں کے ساتھ اس بہادر زولو کا استقبال کیا لیکن اسلوپوگاس رکا نہیں وہ ہمارے قریب سے گزر گیا۔ ہم سب اس کے پیچھے چلے۔ وہ صحن عبور کر کے محرابی دروازے میں سے لڑکھڑاتا ہوا دربار کے بڑے کمرے میں پہنچا۔

کمرے کے مرمریں فرش پر خون کی لکیریں بناتا ہوا وہ اس مقدس پتھر کے سامنے جا کھڑا ہوا جو کمرے کے بیچ میں رکھا ہوا تھا۔ شاید اس کی طاقت جواب دے گئی تھی اور وہ اپنے انگوسی کاس پر ٹھوڑی لگا کر خاموش کھڑا ڈولتا رہا پھر اس نے اپنی گردن اٹھائی اور پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔

"میں مر رہا ہوں، نہیں مر رہا ہوں بلکہ یہ ایک بہادر کی موت ہے۔ کہاں ہیں وہ غدار جو ہتھیار بلند کئے بڑے زینہ پر چڑھ آئے تھے؟ میں انہیں نہیں پاتا۔ میکومیزن تم میرے قریب ہی موجود ہونا؟ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔ مجھے کچھ نظر نہیں آتا، کچھ نظر نہیں آتا۔ زمین گھوم رہی ہے۔ میں بہتے پانی کی آوازیں سن رہا ہوں۔ گلازی[1] مجھے پکار رہا ہے۔ . . .

اور اس نے خون آلود انگوسی کاس کو چوم لیا: "الوداع انگوسی کاس" لیکن پھر اسے خیال آیا اور اس نے کہا: "نہیں، نہیں۔ انگوسی کاس ہم دونوں اس زندگی میں موت تک ساتھ رہے ہیں۔ اس لئے میرے بعد کوئی اور تم پر قبضہ نہیں جما سکتا۔ ہم ساتھ رہے تھے اور ساتھ رہیں گے۔"

---

[1]: میں نہیں جانتا کہ گلازی کون تھا۔ اسلوپوگاس نے اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ (ایلن کوا ٹرمین)

... ایک ضرب اور ایک یادگار ضرب۔ انگوسی کا اس نے دوسرا حصہ کلہاڑا دونوں ہاتھوں سے گھمانا شروع کیا تھا تیزی ... اس کی کلہاڑا ... زخمی ہو گیا۔ پھر اسلوپوگا نے ... ایک نعرہ بلند ہوا۔ انگوسی کا مقدس پتھر ... ٹکڑے ... جھنکار ان فضا میں بکھر گئی اور ساتھ ہی مقدس پتھر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ... بکھر گیا۔ انگوسی کا سر کے بھی ٹکڑے اڑ گئے اور دستہ اسلوپوگا کے ہاتھ میں رہ گیا۔

اسلوپوگا نے مسکرایا ... دھم سے فرش پر گرا۔ وہ مر چکا تھا۔ لیکن الانگوسی کا ٹوٹا ہوا دستہ اب تک اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

اور یوں وہ سیاہ فام عظیم ہیرو اسلوپوگا اس دنیا سے رخصت ہوا۔

مافوق الفطرت قوت کا تماشہ دیکھنے والوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں اور پھر کوئی چلایا: "پیشنگوئی پیشنگوئی" اس سیاہ دیو نے مقدس پتھر کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اور ہجوم بھنبھنا اٹھا۔

"ہاں" بلیتھا نے کہا: "اس بہادر نے مقدس پتھر کے ٹکڑے اڑا دیئے اور اب اس پیشنگوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے کہ جب یہ پتھر ٹوٹ جائے گا۔ تو زدو بیندی پر اجنبی بادشاہ حکومت کرے گا کسی دانا کی یہ پیشنگوئی پوری ہوئی۔ اب واقعی ایک اجنبی شخص زدو بیندیا پر حکومت کرے گا۔ میرے آقا انکبو نے سوزیمیں کو شکست دی۔ انکبو ایک اجنبی ہے جس نے میرا تاج و تخت بچایا ہے۔ اس لئے میرے تاج و تخت پر اب اسی کا حق ہے۔"

"اور یہ شخص" بلیتھا نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا شدید زخمی ہونے کے باوجود کل شام میدان جنگ سے میری جان بچانے کے لئے روانہ ہوا تھا اور اسی کے ساتھ یہ بہادر سیاہ فام بھی تھا جو اس وقت مردہ پڑا ہوا ہے اور ان

دونوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میری جان بچائی۔ میکو میزن اسلاوو کا اس اور میرے وفادار خادم کا نام میرے تخت کی پشت پر خالص سونے سے کندہ کیا جائے گا تاکہ آنے والی نسلیں ان تینوں کی بہادری اور جاں نثاری کو یاد رکھیں

لوگوں نے خوشی سے بے تاب ہو کر نعرے بلند کیے اور تالیاں بجائیں۔ میں نے کہا کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ کسی صلے کی خاطر نہیں کیا۔ یہ تو ہمارا فرض تھا۔ لوگوں نے پھر نعرے لگائے۔ اور اب میں دو افسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔ ان کا سہارا لیتا ہوا صحن میں آیا۔ وہ مجھے میرے کمرے کی طرف لیے جا رہے تھے۔ مجھے آرام کی سخت ضرورت تھی۔

صحن عبور کیا تو میری نظر بہادر "روزنہ روشن" پر پڑی۔ وہ اسی جگہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا جس جگہ کہ وہ گرا تھا۔ میں نے ان افسروں سے جو مجھے سہارا دیے ہوئے تھے کہا کہ مجھے گھوڑے کے قریب لے جائیں تاکہ میں اسے آخری بار دیکھ لوں۔ میں جیسے ہی اس کے قریب پہنچا اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مردہ آواز میں ہنہنایا۔

اسے زندہ دیکھ کر میں خوشی سے چلا اٹھا ہوتا لیکن بدقسمتی سے مجھ میں اتنی طاقت تھی ہی نہیں کہ میرے حلق سے کوئی آواز نکل سکتی۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے سائیسوں کو طلب کیا۔ انہوں نے گھوڑے کے حلق میں پانی اور شراب کے چند قطرے ٹپکائے۔ پندرہ ہی روز میں وہ پہلے سے بھی زیادہ تندرست اور طاقت ور ہو گیا۔ جب یہ گھوڑا بازار میں نکلتا تو لوگ انگلیاں اٹھا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کرتے اور کہتے۔ "یہی وہ گھوڑا ہے جس نے ملکہ کی جان بچائی"

میں نے اپنے کمرے میں جا کر منہ ہاتھ دھوئے اور زرہ اتار کر بستر پر دراز ہو گیا۔ زرہ اتارنے وقت کافی تکلیف برداشت کرنا پڑی اور اس میں کوئی تعجب کی

بات بھی نہ تھی کیونکہ مجھے شدید چوٹ آئی تھی اور دائیں کندھے اور سینہ پر ملشتری برابر نیل ابھر آئے تھے۔

دوسری بات جو مجھے یاد ہے وہ یہ ہے کہ دس گھنٹوں بعد میں نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی میں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے خادماؤں سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ ہنری نے میدان جنگ سے نلیتھا کی حفاظت کے لئے سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا تھا جو آگیا ہے اور یہ اسی کی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ پوپھٹتے ہی جب دستہ میدان جنگ سے روانہ ہوا تھا اس وقت سورانیس تیزی سے آرستونند کی طرف پسپا ہو رہی ہے اور ہنری اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

یہ دل خوش کن خبر سن کر میں نے اطمینان کی سانس لی اور سوچا کہ اب میں اطمینان سے جان دے سکوں گا اور اس کے بعد ہر چیز تاریکی کی دبیز چادر میں غائب ہو گئی اور میں بے ہوش ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میری نظر گڈ کی یک چشمی عینک پر پڑی اور میرا مخلص دوست کپتان جان گڈ مسکرا رہا تھا۔

"میں نے کہا آداب عرض کرتا ہوں جناب مزاج کیسے ہیں؟ گڈ نے کہا۔

"ہیں۔ تم کیا کر رہے ہو؟" میں نے حیرانی سے مردہ آواز میں کہا۔ تمھیں تو اس وقت آرستونند کی فصیل تلے ہونا چاہئے تھا تو تم میدان جنگ سے بھاگ آئے کیوں؟ گڈ تم سے یہ امید نہ تھی۔"

"آرستونند؟" اس نے کہا "میرے دوست آرستونند تو گذشتہ ہفتہ فتح ہو گیا جانتے ہو بوڑھے شکاری تم کتنے روز بے ہوش رہے؟ پندرہ روز، پورے پندرہ روز"

"اور سوراٹیس؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"سوراٹیس ہماری قید میں ہے۔ اس کے غدار افسروں نے نمک حرامی کی۔ انھوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے سوراٹیس کو ہمارے حوالے کر دیا۔ اسے میلوسس لایا جا رہا ہے۔ پتہ نہیں اس بیچارے کے ساتھ نلیتھا اور ہنری کیا سلوک کریں گے؟" گڈا اداس ہو گیا۔

"اور کرٹس کہاں ہے؟"

"اپنی بیوی نلیتھا کے پاس، اور کہاں ہو سکتا ہے وہ؟ آج صبح نلیتھا نے شہر سے باہر ہمارا استقبال کیا تھا۔ تبھی سے ہنری اس کے ساتھ ہے۔ ابھی تو بہت سے کام نپٹانے باقی ہیں یار۔ کل ہنری تمہاری عیادت کو آئے گا زورنیڈیما کے قابل ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ تم ہنری سے آج نہ ملو۔"

میں نے کچھ کہا نہیں لیکن یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اب ہنری کو مجھ سے پہلے جیسی محبت نہ رہی۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود وہ میری عیادت کو آ سکتا تھا لیکن جب کسی نے نئی نئی بیوی حاصل کی ہو اور پھر وہ ایک بڑی فتح حاصل کر کے آ رہا ہو تو ڈاکٹروں کے مشورے پر بہر صورت عمل کرنا ہی چاہیے۔ ٹھیک ہے۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ شادی کے بعد ہر شخص اپنے عزیز دوستوں کو بھلا ہی دیتا ہے۔

میں ان خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ ایک مانوس آواز سنائی دی۔ "مورلیسیو کو اب آرام کی ضرورت ہے۔" میں نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ کمرے کے دروازے پر پڑے ہوئے پردے میں سے ایلفونسے کی اوپر کو اٹھی ہوئی مونچھیں جھانک رہی تھیں اور اس وقت بے اختیار مجھے اسلوپوگاس کی یاد آ گئی۔

"اچھا تو تم آ گئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آ گیا جناب۔ جنگ ختم ہو گئی اور میرے بہادرانہ جذبات کو تسکین ملی۔ اب میں حضور کی تیمارداری کو حاضر ہوں۔"

میں ہنسا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہنسنے کی کوشش کی۔ الفنسو نے تیمارداری کرنی تھی اور چند روز بعد مجھ پر یہ بات واضح ہوئی کہ الفنسو نے نہ صرف اچھا اردلی بلکہ ایک ماہر "نرس" بھی تھا۔

دوسرے روز کرٹس اور نلیتھا میری عیادت کو آئے اور ہنری نے وہ تمام واقعات تفصیل سے بیان کر دیے جو اسلوبوکاس کے میدان جنگ سے رخصت ہونے کے بعد ہوئے تھے۔ پھر اس نے میرا شکریہ ادا کیا کہ زخمی ہونے کے باوجود میں نے جان پر کھیل کر اس کی جان بچائی۔ وہ مسکرا رہا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ میری حالت دیکھ کر وہ کئی بار چونک اٹھا تھا۔

رہی نلیتھا تو وہ بے حد خوش و خرم نظر آ رہی تھی۔ اس کا آقا صحیح سلامت میدان جنگ سے لوٹ آیا تھا اور وہ بھی فاتح بن کر۔ جنگ کی تباہی و بربادی کا نلیتھا کو کوئی خیال نہ تھا۔ ممکن ہے اسے بے شمار لوگوں کی جانیں تلف ہونے کا افسوس رہا ہو لیکن ہنری کی محبت ایک طرف اور جنگ کی تباہ کاریاں ایک طرف۔ اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ہنری کی محبت کا پلڑا بھاری تھا۔ میں نلیتھا کو ظالم یا خود غرض نہیں کہنا، یہ تو بہرحال ایک عورت کی فطرت ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنی محبت کی ترازو میں تولتی ہے۔ محبت کی خاطر عورت دنیا تیاگ سکتی ہے اور بڑے سے بڑے مصائب سے ہنستے کھیلتے گذر جاتی ہے اس لئے کسی بھی عورت کو سنگدلی یا خود غرضی کا الزام دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ "شیر" کو خونخوار ہونے کا الزام دیا جائے۔ یہ تو اس کی فطرت ہے۔

"نلیتھا۔ اپنی بہن سورائیسی کے ساتھ تم کیا سلوک کرو گی؟" میں نے پوچھا۔

"سو والیس ؟" نیلتھا کی پیشانی پر بل پڑ گئے "آہ سو والیس !"
ہنری نے اس کی بات کاٹ کر جلدی سے موضوع بدل دیا۔

"گوانڈ مین۔ مجھے یقین ہے کہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے" ہنری نے کہا۔
میں نے ہنس کر گردن ہلائی۔

"ہنری۔ اپنے آپ کو اور مجھے بھی ان طفل تسلیوں سے بہلانے سے فائدہ؟ میں جانتا ہوں کہ میرے دن پورے ہو گئے۔ اور اب میں چند دن کا ہی مہمان ہوں۔ میں بستر مرگ پر پڑا ہوا ہوں۔ ہنری۔ اب میں اس بستر سے تندرست ہو کر اٹھ نہیں سکتا۔ جانتے ہو دوست۔ میں تیزی سے خون تھوک رہا ہوں اور کوئی چیز میرے پھیپھڑوں میں سرگرم عمل ہے۔ جو انہیں نوچ رہی ہے چیر رہی ہے۔ ہنری رنجیدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں طویل عمر گزار چکا۔ دنیا کو دیکھ اور سمجھ چکا اور اب آخری سفر کے لیے بالکل تیار ہوں۔ ذرا آئینہ لانا تو میں اپنی صورت تو دیکھوں کہ کیسی ہو گئی ہے ؟"

کافی پس و پیش کے بعد ہنری نے فریم میں جڑا ہوا چمکدار چاندی کا ایک ٹکڑا میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ یہی زود بیندی کا آئینہ تھا۔ میں کچھ دیر تک اپنی صورت دیکھتا رہا اور پھر آئینہ ایک طرف رکھ دیا۔

"میری صورت ہی بدل گئی ہے اور ہنری تم کہتے ہو کہ میں بچ جاؤں گا؟"
میں نے کہا۔

میں ان پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ آئینے میں اپنی ہی صورت دیکھ کر مجھے کتنا صدمہ پہنچا ہے میرے بھورے بال ایک دم سے سفید ہو گئے تھے چہرہ سکڑ کر صد سالہ بڑھیا کے چہرے ایسا ہو گیا تھا اور آنکھیں حلقوں میں گھس گئی تھیں۔

میری حالت دیکھ کر نلیتھا بے قابو ہو گئی اور بے تحاشہ رونے لگی۔ ہنری اپنی پیاری بیوی کا رونا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے پھر موضوع بدل کر کہا کہ مجسمہ سازوں نے اسلوپوگاس کے جسم کی ناپ مجسمہ بنانے کے لئے لی ہے اس کا مجسمہ یوں بنایا جائے گا کہ وہ کھڑا اپنے انکوسی کا اس سے مقدس پتھر کو توڑ رہا ہے۔ مجسمہ سیاہ سنگ مرمر سے بنایا جائے گا اس کے ساتھ ہی سفید سنگ مرمر کا میرا مجسمہ ہوگا۔ یوں بنایا جائے گا کہ میں "روز روشن" پر سوار ہوں اور وہ تھک کر گر رہا ہے۔

یہ دونوں مجسمے (یعنی میرا اور اسلوپوگاس کا) یہ تحریر لکھتے وقت یعنی جنگ سے چھ ماہ بعد مکمل ہو چکے تھے اور میں خاص ان مجسموں کو دیکھنے گیا تھا۔ اسلوپوگاس کا مجسمہ بہت شاندار ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اسلوپوگاس ہی بذات خود کھڑا ہوا ہو۔ میرا مجسمہ بھی خوبصورت ہے۔ بت سازوں نے میرے اصل چہرے میں ردوبدل کر کے اسے خوبصورت بنا دیا ہے۔ اس خیال سے کہ آنے والی نسلیں میرے مجسمہ کو دیکھ کر یہ خیال نہ کریں کہ زدوبیدی میں داخل ہونے والے اجنبی ایسے بدصورت تھے۔

پھر ہنری نے کہا کہ اسلوپوگاس کی آخری خواہش پوری کر دی گئی۔ زدوبیدی کی رسم کے مطابق اسے آگ میں نہیں جلایا گیا بلکہ زولو رسم کے مطابق اس کی لاش کو گھٹنے اٹھا کر ٹھوڑی کو اس پر ٹکا دیا گیا اور اس کے دونوں لچکدار ہاتھ اس کے گھٹنے میں سے اٹھے ہوئے پیروں کے گرد لپیٹ دئیے گئے۔ عظیم الشان زینہ پر اس جگہ جہاں بہادر زولو نے دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا۔ ایک بڑا سا سوراخ بنایا گیا اور اس کی لاش کو اس سوراخ میں اتار دیا گیا جہاں وہ اپنے وطن زولولینڈ کی طرف منہ کئے بیٹھا ہے۔

اور قیامت تک بیٹھا رہے گا۔

لوگوں میں عجیب عجیب افواہیں گردش کرنے لگی ہیں لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر رات اسلوبوگاس کا بھوت سوراخ سے اپنا کلہاڑا لے نکل آتا ہے اور صبح تک عظیم الشان زینہ پر ٹہلا کرتا ہے۔ چنانچہ رات کو لوگ اس زینہ سے گذرتے ڈرتے ہیں۔ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے (اور اس پر انہیں یقین ہے) کہ جب تک بوڑھا اذولو زینہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ کوئی دشمن چاہے وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو محل پر قبضہ نہیں کرسکتا۔ جس طرح سے اپنی زندگی میں تن تنہا غداروں کا مقابلہ کیا تھا اسی طرح سے مرنے کے بعد بھی اگر ضرورت ہوئی تو کرے گا۔ لیکن جب اس کی لاش کو زینہ پر سے ہٹا لیا جائے گا یا سالہا سال بعد اس کی ہڈیاں مٹی ہو جائیں گی تب محل اور میلوسس غیر محفوظ ہوں گے۔ زینہ گر جائے گا اور زولو بندی نسل ختم ہو جائے گی۔

ہنری اور نلیتھا میری عیادت کو آئے تھے اس کے ہفتہ بعد کا ذکر ہے میری حالت بہ نسبت پہلے کے اب کچھ بہتر تھی اور میں خود بخود اٹھ کر اپنے بستر پر بیٹھ سکتا تھا۔ ایک صبح ہنری کا قاصد آیا اور یہ پیغام لیکر کہ آج دربار میں سورائیس کو پیش کیا جائے گا۔ ہنری نے کہلا دیا تھا۔ کہ اگر مجھ میں اٹھنے بیٹھنے کی سکت ہو تو میں ضرور دربار میں آؤں۔ میں اس بدقسمت ملکہ کو مرنے سے پہلے ایک بار دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ شدید

تکلیف کے باوجود میں جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ عگمسا روہمدرد ابلفونسے (جو میرے لئے ایک بے بہا خزانہ سے کم نہ تھا) اور ایک اور خادم کے کندھوں کا سہارا لے کر دربار کمرے کی طرف چل دیا۔

آج دربار میں چند خاص خاص لوگ مدعو کئے گئے تھے اور وہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ مجھے دربار میں آئے کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ملکہ سورا ئیس کو لئے حاضر ہوئے وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین و جمیل معلوم ہو رہی تھی لیکن اس کے افسردہ چہرے سے فکر و تشویش کے آثار ظاہر تھے وہ شاہی لباس ہی میں ملبوس تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں اس وقت بھی چاندی کا کھوکھلا نیزہ موجود تھا جو اسی دربار میں اعلان جنگ کرتے وقت بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے دل میں رحم و ہمدردی کے جذبات نے طلاطم بپا کر دیا۔ چنانچہ میں اٹھا اور جھک کر نہایت ادب سے اسے سلام کیا اور اس بات کی معذرت چاہی کہ میں از حد کمزور ہونے کے باعث اس کے ساتھ کھڑا نہیں رہ سکتا اس لئے اس بے ادبی کی معافی چاہتے ہوئے بیٹھنے پر مجبور ہوں۔

سورائیس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ ہنسی۔ بڑی تلخی کی ہنسی۔

"شاید تم بھول گئے میکومیزن۔" اس نے کہا۔ "کہ اب میں ملکہ نہیں بلکہ میں تو ایک ذلیل و خوار قیدی ہوں۔ بے بس اور لاچار۔ وہ عورت جس کے نام پر ہر شخص لعنت بھیجتا ہے اور جس کا ساتھی کوئی نہیں۔"

"ایسا نہ کہو سورائیس۔" میں نے کہا۔ "آپ کی رگوں میں شاہی خون گردش کر رہا ہے اور اب بھی آپ قابل احترام ہیں۔ خاتون شب یقین مانئے مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔"

"تم بھول رہے ہو میکو میزان!" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر معاملہ برعکس ہوا ہوتا یعنی فتح میری ہوتی تو میں تمہیں سونے کے پنجرے میں ایسٹ کر معبد کی چھت پر کے محبوبہ کے بگل سے لٹکا دیتی۔ میکو میزان میں اس احترام اور ہمدردی کی اہل نہیں۔"

"یہ بات میں بھولا نہیں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "میدان جنگ میں آپ کا پلڑا بھاری تھا اور میرے نزدیک ہماری شکست یقینی تھی۔ اس وقت آپ کے یہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے لیکن محترم خاتون جنگ ختم ہو گئی۔ قسمت کے دیوتا نے فیصلہ آپ کے خلاف کیا۔ معبد کی چھت پر دشمنوں کے پیچھے موجود ہیں اور فی الحال میں زندہ ہوں لیکن چند لوگوں کا میں مہمان ہوں۔ اس لئے پچھلی باتیں دہرانے یا یاد کرنے سے کیا حاصل ہو گا۔"

"آہ جنگ۔ اس منحوس جنگ نے میری قسمت پلٹ دی۔ کاش کہ ایک بار پھر میں ملاقات ہو سکتی۔ صرف چند گھنٹوں کے لئے مجھے میرے اختیارات واپس مل جاتے اور پھر میں ان بزدل گیدڑوں کو جو مجھے تنہا چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اور مجھے اکبر کے حوالے کر دیا ایسی سزا دیتی کہ زمین آسمان تھرا جاتے۔ بزدل گیدڑوں اپنے دل لے کر میدان جنگ میں آئے تھے۔"

شدت جذبات سے اس کی آواز ڈوب گئی۔

"اور تمہارے قریب کھڑا ہوا وہ بزدل بونا۔" اور اس نے چاندی کے پنجرے میں ایلفونیے کی طرف جس کے چہرے کا رنگ اڑا جا رہا تھا اشارہ کیا۔ "میری قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور کمبخت نے میری تمام تدبیروں کو الٹ دیا۔ میں نے اس مسخرے بونے کو جرنیل بنانے کی کوشش کی تھی۔ میں اسے بہادر بنا کر تمام اختیارات دینا چاہتی تھی۔" (اور یہاں ایلفونیے کسی واقعہ کو یاد کر کے کانپ گیا)

لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ نہ تو پتھر سے لہو نچوڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس بزدل لونے کے دل میں دلیری اور بہادری کے جذبات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ اس نے کیفوں کی طرح جھنڈے کے پیچھے چھپ کر میری تمام باتیں سن لیں۔ میں چاہتی تو اسے اسی وقت قتل کرا سکتی تھی لیکن افسوس مجھے اس پر رحم آگیا۔ برا ہو اس رحم کا۔ کہ اسی کے سبب میری یہ حالت ہوئی اور میں ایک بے بس و ذلیل قیدی ہوں کاش کہ میں نے اس لونے کو اسی وقت قتل کر دیا ہوتا۔"

"لیکن تم میکو میزان واقعی سرفروش اور بہادر ہو۔ نلیتھا کی جان بچانے کیلئے تم نے جو کچھ کیا اس کی پوری داستان میں سن چکی ہوں۔ تمہارے سینے میں ایک پرخلوص دل دھڑک رہا ہے اور تمہارا وہ سیاہ فام ساتھی۔ وہ حقیقت میں سچا مرد تھا۔ اف، تنہا اس نے ناستا کے ساتھیوں کا عظیم الشان زینہ پر مقابلہ کیا اور آخر میں ناستا کو اٹھا کر محل کی دیوار پر سے نیچے پھینک دیا۔ کاش کہ وہ یادگار منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی۔"

"آپ واقعی عجیب عورت ہیں۔" میں نے کہا۔ "بہرحال میری ایک بات مانو گی؟"

"کہو۔"

"اپنی بہن نلیتھا سے پچھلی غلطیوں کی معافی چاہتے ہوئے جان بخشی کی درخواست کرنا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دیں گی۔" اس کے منہ سے نفرت کی قہقہہ چھوٹ پڑا۔

"میں نلیتھا سے اپنی جان بخشی کی درخواست کروں؟ ناممکن۔"

اسی وقت نلیتھا، میزی اور گڈ داخل ہوئے۔ نلیتھا بڑی متانت اور خاموشی سے اپنے تخت پر بیٹھ گئی۔ غریب گڈ کی حالت قابل رحم تھی۔ وہ بے حد فکرمند اور اداس نظر آرہا تھا۔

"سلام ہو تم پر سورا ئیس۔" کچھ دیر بعد نلپتھا نے کہا۔

"اور تم پر بھی۔" سورا ئیس نے جواب دیا۔

"سورا ئیس، تم نے زدویندی کی پرسکون فضا میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ تمہاری وجہ سے ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ تم نے قسم کھائی تھی کہ میرے آقا اور اس کے ساتھیوں کو فنا کر دو گی اور اسے عظیم الشان زینت کی چوٹی پر سے نیچے پھینک دو گی۔ تمہاری سرکشی حد سے گزر گئی تھی۔ سورا ئیس کیوں نہ تمہیں قتل کر دیا جائے؟"

"ایک الزام تو میری بہن بھول ہی گئی۔" سورا ئیس نے کہا۔ "اور وہ یہ کہ میں نے تمہارے آقا کو تم سے چھیننے کی کوشش کی تھی۔ شاید یہی میرا سنگین جرم ہے جس کے لئے میری بہن مجھے قتل کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اگر انکوئچ میں نہ ہوتا اور میں نے تمہارے خلاف جنگ کی ہوتی تو تم مجھے یقیناً معاف کر دیتیں لیکن انکیو سے محبت کر کے میں واقعی گناہ گار ہو گئی۔ شکر کرو نلپتھا کہ مجھے بت دیوتا انکیو سے محبت ہوئی۔ ورنہ تم اسے کبھی حاصل نہ کر سکتیں۔"

"سنو نلپتھا۔" سورا ئیس نے اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنے الزاموں کی تردید میں کچھ نہیں کہنا ہے۔ تم میرے ساتھ جو کچھ کر سکتی ہو کر گزرو۔ تاکہ کوئی ارمان تمہارے دل میں باقی نہ رہ جائے۔ تم مجھے قتل کرنا چاہتی ہو؟ تو شوق سے کرو لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ میرے آقا اور زدویندی کے بادشاہ (اس نے ہنری کی طرف اشارہ کیا) اپنے ہاتھوں سے مجھے قتل کریں۔ فتنے کی ابتدا انہی کے باعث ہوئی اس لئے اس کا خاتمہ بھی انہی کے ہاتھوں ہونا چاہیے۔"

سورا ئیس بڑی بے پروائی سے اپنے چھوٹے سے نیزے سے کھیلنے لگی۔ ہنری نے جھک کر نلپتھا کے کان میں کچھ کہا۔ اور نلپتھا یوں گویا ہوئی۔

سورانیس میں بچپن سے ہی تیری ایک قدرداں ثابت ہوئی ہوں۔ جب والد صاحب کا انتقال ہوا تھا تو ملک میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ تم تخت و تاج کی مالک نہیں ہو سکتیں چونکہ میں بڑی بہن ہوں اس لئے تاج و تخت کی صحیح وارث ہوں لیکن میں نے کہا کہ نہیں حکومت میں سورانیس اور میں برابر کی شریک ہوں۔ ہم دونوں توام ہیں۔ اس لئے تخت پر جتنا میرا حق ہے اتنا ہی سورانیس کا بھی ہے اور یوں میری عزیز بہن میں نے ہر وقت اور ہر حال میں تمہارا خیال کیا ہے اور تم نے مجھے اس کا بدلہ کیا دیا؟ خیر میں کامیاب ہوئی اور اس وقت تم میرے قبضہ میں ہو لیکن آج بھی تم میری وہی بہن ہو جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں اور جو میری گردن میں باہیں ڈالے رات کو ایک ہی بستر پر سویا کرتی تھیں اور سورانیس میرے دل میں اب بھی تمہاری محبت موجود ہے لیکن میں اپنی محبت کے طفیل تمہیں نہیں بخش سکتی تمہارا جرم اتنا سنگین ہے کہ اس نے میری محبت اور رحم کے جذبات کو کچل دیا ہے۔ جب تک تم زندہ ہو ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

البتہ تم زندہ رہو گی سورانیس میرے آقا انکبو نے تمہاری جان بخشی کی درخواست کی ہے چنانچہ میں تمہاری جاں بخشی کرتی ہوں اور تمہیں اپنے آقا کی خدمت میں اپنی شادی کے تحفہ کے طور پر پیش کرتی ہوں۔ انہیں اختیار ہے کہ وہ تم سے جو چاہیں سلوک کریں۔ میں جانتی ہوں کہ تم انکبو سے محبت کرتی ہو اور کسی صورت اس سے باز نہیں آ سکتیں لیکن کان کھول کر سن لو سورانیس کہ انکبو کو تم سے محبت نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم تاروں بھری رات ایسی حسین ہو لیکن اے خاتون شب وہ عورت میں ہوں جسے انکبو نے تمہارے مقابلے میں پسند کیا ہے۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔

اس لیے میں بلا خوف و خطر انہیں اس کے حوالے کرتی ہوں۔"

سوورائیس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ لنڈا کے ایک ایک لفظ میں زہریلا نشتر چھپا ہوا تھا۔ ممکن ہے اسے اپنی بہن سے محبت اور ہمدردی ہو لیکن اس کی یہ تقریر حسد و رقابت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔" ہنری نے مسکراتے ہوئے اور گڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہ تم ملکہ سوورائیس سے سچی محبت کرتے ہو۔ میں نہیں جانتا کہ آج تک تمہاری محبت قائم ہے یا نہیں لیکن اگر تمہارا ارادہ تبدیل نہیں ہوا تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس فتنے کا ایک اطمینان بخش حل سوچا جائے جس میں سب کو مسرت حاصل ہو۔ ملکہ سوورائیس کی ذاتی جائیداد بھی ہے اور اس میں کچھ اضافہ بھی کر دیا جائے گا۔ اور اپنی جائیداد بھی لے کر یہ دونوں یعنی گڈ اور سوورائیس آزاد رہ سکیں گے اور ہماری طرف سے انہیں کوئی تکلیف کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیوں بلیتھا... بہرحال یہ میری تجویز ہے۔"

"جہاں تک میرا تعلق ہے۔" گڈ نے کہا: "میں ماضی کو فراموش کر چکا اور اگر خاتون شب مجھے کسی قابل سمجھیں تو میں کل بھی یا جب بھی وہ کہیں ان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اچھا شوہر بننے کی کوشش کروں گا۔"

اب تمام لوگوں کی نگاہیں سوورائیس پر مرکوز تھیں اور وہ اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے خاموش کھڑی تھی۔ چند ثانیوں تک وہ یونہی کھڑی رہی۔ پھر اس نے پہلے بلیتھا، پھر ہنری اور گڈ کے سامنے جھک کر انہیں سلام کیا۔

اور نہایت نپے تلے الفاظ اور مترنم آواز میں کہنا شروع کیا۔

"میری عزیز بہن بچپن سے تم نے مجھ نا چیز پر اپنی بے پایاں محبت صرف کی ہے۔ اس کے لئے میں تمہارا احسان مند ہوں اور مشکور ہوں کہ تم نے مجھے انگبو یعنی زود بیندری کے ہونے والے بادشاہ کے حضور پیش کیا کہ وہ میری قسمت کا فیصلہ کریں۔ الہی رحم دل ملکہ کا سایہ ہزاروں سال اس زود بیندری پر قائم رہے سورج دیوتا اسے بلند اقبال کرے اور اس کی راہ کے کانٹے پھول بن جائیں ملکہ تمہیں اپنے شوہر کی محبت مبارک ہو اور تم بیٹوں اور بیٹیوں کی ماں بنو اور انگبو مستقبل کے بادشاہ۔ میں ہزار بار تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ تم نے اس ناچیز تحفہ کو قبول کرنے کے بعد اسے نہایت فراخ دلی سے اپنے بہادر دوست باگون کو عطا کیا۔ میرے آقا یہ تمہارے شایان شان ہے۔ بادشاہوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔"

"آخر میں میں اپنے آقا باگونا کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے مجھے اور میرے ناچیز حسن کو قبول کیا۔ میں اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہوں کہ اگر یہ سرکش میرے اختیار میں ہوتا تو میں باگونا کو بخوشی اپنے شوہر کے طور پر قبول کرتی اور مرتے دم تک ان کی ادنیٰ کنیز بن کر رہتی اور اب" وہ پھر مسکرائی "میں آخری الفاظ کہنے کی اجازت چاہوں گی۔"

"نلپتھا۔ اور میرے اجنبی آقاؤ۔ تم نے مجھے نہ تو سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر تم نہیں جانتے تو سن لو میں ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتی ہوں اور تمہاری رحمدلی اور ہمدردیوں پر لعنت بھیجتی ہوں۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ قلبی نفرت میں تمہارے سامنے کھڑی ہوں بقول تمہارے ذلیل بے بس اور تنہا لیکن تم جانتے ہو کہ میں اب بھی سر بلند ہوں۔ میں اب بھی

غالب ہوں مجھے کوئی غلط نہیں سمجھ سکتا۔ جانتے ہو کہ تمہارے دلوں میں میرا خوف جاگزیں ہے۔ لیکن تم زبان سے اقرار نہیں کرتے۔ دیکھو یہ ہے میرا جواب۔"

اور اس سے پہلے کہ کوئی سمجھ پاتا کہ وہ کیا کرنے والی ہے۔ اس نے چاندی کا نیزہ (جو اس کے ہاتھ میں تھا) اپنے پہلو میں پیوست کر دیا اور اس کی نوک سوراتیس کی نازک پشت سے باہر نکل کر چمکنے لگی۔ وہ تڑپ کر سفاک مرمر کے فرش پر گر رہی۔

ملیتھا چیخ اٹھی اور بیچارہ گڈرا جو یہ اندوہناک منظر کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گیا ہم تڑپتی ہوئی سوراتیس کی طرف دوڑے۔ اس نے اپنی گردن اٹھا کر اپنی نگاہیں ہنری کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں "اگر تم میرے ہو۔ میرے ہو" وہ مسکرائی، اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ خاتون شب کا خوبصورت جسم بے جان تھا۔ دوسرے روز سوراتیس کے جسدِ خاکی کو آگ کے سپرد کر دیا گیا۔

اور ایک خوبصورت ملکہ کا انجام۔ جو خاتون شب کے نام سے مشہور تھی یہ ہوا۔

سوراتیس کے المناک انجام کے ایک ماہ بعد میلوسس کے بڑے معبد میں ایک عظیم الشان جشن تاجپوشی منایا گیا اور سر ہنری کرٹس کے سر پر تاج رکھ کر اسے زو ویندی کا شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ میری حالت اتنی خراب تھی کہ میں اس جشن میں شریک نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ ایسے ہنگاموں سے میں دور دور بھاگتا ہوں مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ گڈ جو اپنے کپتانی یونیفارم میں اس جشن میں شریک ہوا تھا بے حد مرعوب ہو کر لوٹا اور اس نے مجھے بتایا کہ ملیتھا اتنی حسین معلوم ہو رہی تھی کہ وہ بیان نہیں کر سکتا۔

اور ہنری صحیح معنوں میں بارعب اور بڑے جاہ و جلال کا بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔ واقعی بادشاہت ہنری کو ہی زیب دیتی ہے۔ لوگوں کے خوشی و مسرت کے نعروں سے معلوم ہوتا تھا۔ ان کے دلوں میں ہنری کی کتنی محبت اور عظمت قائم ہے۔ گڈ نے کہا "جب میلقا کا خاص گھوڑا "روز روشن" کو لایا گیا تو لوگوں نے "میکو میزن ۔ میکو میزن" چلانا شروع کیا اور وہ بے قابو ہو ہو گئے اور گھیرا توڑ کر گھوڑے کی طرف دوڑے۔ گڈ نے ایک لمحہ کو ٹھہر کر ہمارے لوگوں سے کہا کہ میکو میزن کی بات اتنی ہے کہ وہ اپنے بستر سے بھی نہیں اٹھ سکتے
جشن تاجپوشی کے بعد ہنری کو بادشاہ زو وینڈی کہنا مناسب ہوگا۔
میری عیادت کو آیا۔ وہ بے حد مصروف ہو رہا تھا اور بقول اس کے جشن تاجپوشی نے اسے بے حد چور کر دیا تھا۔ ہنری کی اس بات میں حقیقت کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ جانتے ایسے موقع پر تو خوشی و مسرت لوگوں کو قریب پھٹکنے تک نہیں دیتی۔ حقیقت میں ہنری جھوم رہا تھا میں نے کہا "یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک آوارہ گرد اجنبی کسی انجان دیس میں شامل ہوتا ہے اور چند ہی ماہ بعد ملک کی حسین ترین عورت کا شوہر بنتا ہے اور پھر اسی ملک کے تخت پر بطور بادشاہ کے قدم رکھتا ہے۔ یہ تو کچھ الف لیلہ کے قصوں کی سی بات ہوئی۔
میں نے ہنری سے یہ بھی کہا کہ مستقبل قریب میں کہیں ایسا نہ ہو کہ دولت کی فراوانی اسے مغرور اور شاہی خو بو اسے ظالم و جابر بنا دے اسے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ پہلے وہ ایک رحمدل انسان، ایک مخلص دوست عوام کا خادم اور پھر آخر میں زو وینڈی کا بادشاہ ہے۔ میری ان نصیحتوں کو جنہیں وہ بہ آسانی ٹھکرا سکتا تھا اس نے بڑے غور اور توجہ سے سنا اور نہایت خلوص دل سے میرا شکریہ ادا کیا۔

جشن تاجپوشی کے بعد میں نے اس مکان میں منتقل ہونے کی خواہش ظاہر کی جو میلوسس سے دو سو میل دور ایک سرسبز شاداب ٹیلے پر واقع ہے اور جہاں بیٹھا میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں۔

آج سے پانچ ماہ پیشتر میں اس مکان میں اٹھ آیا۔ مکان کے چاروں طرف خوبصورت مرغزار پھیلتے چلے گئے ہیں اور شمالی روشن دان سے دور میلوسس نظر آتا ہے۔ صبح نسیم سحر کے جھونکے مجھے بیدار کرتے ہیں اور رات کو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مجھے سلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں مجھے تنہائی اور سکون میسر ہے اور میں یکسوئی سے اپنے کارناموں کی طویل داستان مکمل کر سکا۔ ممکن ہے یہ اوراق زود بندی ہی میں پڑے رہیں اور میری یہ داستان اہل دنیا تک کبھی نہ پہنچ سکے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ یہ سطور لکھتے وقت میری حالت غیر ہوتی جا رہی ہے سینہ کا درد ناقابل برداشت ہے اور تکلیف بہت بڑھتی جا رہی ہے لیکن میں جلد ہی دنیاوی تکالیف سے آزاد ہو جاؤں گا۔

مندرجہ بالا عبارت لکھے ایک ہفتہ گزر چکا ہے اور اب میں آخری بار اپنا قلم اٹھاتا ہوں میں جانتا ہوں کہ میرا وقت کچھ زیادہ دور نہیں آخری منزل سامنے نظر آ رہی ہے۔ جی ہاں وہی منزل جہاں پہونچ کر پھر کوئی واپس نہیں آ سکتا لیکن اب تک میرا دماغ ٹھیک ہے اور حواس قائم ہیں۔ مجھ میں اٹھنے کی سکت نہیں لیکن اتنی طاقت ضرور ہے کہ میں چند سطریں لکھ سکوں۔ سینہ کا درد جو مجھے پچھلے کئی دنوں سے اذیت پہونچا رہا تھا اب بالکل ختم گیا ہے لیکن اس کی جگہ بے حسی نے لے لی ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرے جسم میں نہ تو دل ہے اور نہ ہی پھیپھڑے اس اچانک تبدیلی کا

مطلب میں بخوبی سمجھتا ہوں لیکن یہ عجیب بات ہوئی کہ درد کے ساتھ ساتھ موت کا خوف بھی زائل ہو گیا اور اب میں یوں محسوس کرتا ہوں جیسے میں بہت تھکا ہوا ہوں، بڑا طویل سفر کئے آ رہا ہوں اور اب آرام کروں گا۔ دائمی آرام۔ موت [illegible] دے گی اور میں گہری نیند میں غرق ہو جاؤں گا۔ وہ خوف جو مرنے والے پر غالب رہتا ہے پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا ہے اور اس خوف کی جگہ نیند کے [illegible] خوش کن خیال نے لے لی۔

اسی معصومیت، بے فکری اور سکون سے جو ایک شیر خوار بچہ اپنی شفیق ماں کی گود میں محسوس کرتا ہے میں موت کی آغوش میں جا سوؤں گا۔ دنیا کی مصائب، فکریں اور آلام سب کچھ [illegible] کوسوں دور رہ جائیں گے۔ طوفان گزر چکا اور اب طلوع افق پر لازوال امیدوں کے تارے جگمگا رہے ہیں۔ منزل کڑی ہے، لیکن دور نہیں [illegible] ہاتھ بڑھاتے ہیں۔

کچھ فکریں، چند درد [illegible] چند مصائب اور پھر موت کے فرشتے کی شفیق بانہیں ہیں [illegible] بار ان پھیلی ہوئی بانہوں میں پہنچ کر لوٹ آیا ہوں لیکن آج ان کے سامنے کھڑا ہوں۔ آج میں نہیں لوٹ سکتا اور میں ایک قسم کی روحانی مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ میرا وقت آخر ہو گیا چوبیس گھنٹے، صرف چوبیس گھنٹے اور یہ دنیا اپنی تمام رعنائی، حسن، گہما گہمی اور [illegible] ساتھ لئے میری نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو جائے گی۔ اب میں سورج کی نرم نرم کرنوں کو اپنے جسم پر محسوس نہیں کر سکوں گا۔ ہوا کے مہکتے ہوئے جھونکے مجھے بیدار نہیں کر سکیں گے۔ ایک ہلکی سی رکتی ہوئی سانس میری یادوں کو دھندلا کر دے گی، پھر ایک ہچکی۔ اور تمام یادیں میرے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گی اور میرے

دوست دیکھیں گے کہ میں مر چکا۔

یونہی ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔

ان گنت انسان میری ہی طرح بستر مرگ پر پڑے ہوئے ہوں گے۔۔ ایسے ہی خیالات ان کے دماغ پر بھی دھند کی طرح چھا رہے ہوں گے۔ اور پھر وہ لامحدود تاریکی میں غرق ہو جائیں گے۔ لوگ مرتے ہیں۔ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور یہ پیدا ہونے والے کبھی اتفاق سے ہی مرنے والوں کو یاد کر لیتے ہیں اور پھر یہ پیدا ہونے والے مرتے ہیں اور بھلا دیئے جاتے ہیں۔ نسلوں کے بعد نسلیں گزرتی جاتی ہیں۔ سال کے بعد سال گزرتے جاتے ہیں اور پھر کوئی جانتا بھی نہیں کہ اس نام کا کوئی شخص کبھی اس فضا میں سانس لیتا تھا اور اس زمین کے سینہ پر چلتا پھرتا تھا۔ یہ خاتمہ ہے۔

انسان کی زندگی ایک ٹوٹے ہوئے ستارے کی مانند ہے جو خلاؤں میں تیزی سے کسی طرف جاتا ہے انسانی زندگی۔ اسی سائے کی مانند ہے جو غروب ہوتے ہوئے سورج کی وجہ سے گھڑی بھر کے لئے پیدا ہو جاتا ہے" میرا ایک زندہ لودوست" اگنوسی کہا کرتا تھا۔

تو یہ ہے زندگی۔ ایک سایہ، ایک ٹوٹتا ہوا ستارہ جو خلاؤں میں گھڑی بھر کے لئے چمک کر غائب ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی ہے، یہ حیات ہے۔ ایک دھوکا، ایک حسین فریب۔

دنیا کوئی اچھی جگہ نہیں البتہ ان لوگوں کی نظروں میں بہت حسین ہے۔ جو دولت کے نشے میں سرشار ہیں اور حقائق سے جان بوجھ کر چشم پوشی کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں، اپنے آپ کو سنہرے تاروں میں لپیٹ لیتے ہیں لیکن ایک روز وہ آتا ہے جب ان دولت اور ثروت کے

متوالوں پر بھی حقیقت واضح ہو جاتی ہے تعجب اس بات پر نہیں کہ دنیا بڑی جگہ ہے تعجب تو یہ ہے کہ اس بڑی جگہ میں ایک بھی سچا ہمدرد اور غمگسار نہیں ملتا۔

دنیا واقعی بڑی جگہ ہے۔

لیکن پھر بھی میں خوش ہوں کہ میں اس دنیا میں پیدا ہوا اور جیا۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنے رخساروں پر عورت کی نرم گرم اور محبت بھری سانسیں محسوس کی۔ میں خوش ہوں کہ اس دنیا میں مجھے ایسے مخلص دوست ملے جو دوستی کی خاطر عورت کی محبت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ میں نے بچوں کی معصوم قہقہے سنے۔ میں نے چاند سورج اور ستاروں کو چمکتے دیکھا اور نمکین سمندر کے بوسے اپنے منہ پہ محسوس کئے اور جنگلی جانوروں کو جنگلوں میں گھومتے پھرتے دیکھا۔

میں خوش ہوں کہ میں اس دنیا میں آیا۔ میں نے دنیا دیکھ لی لیکن دوبارہ اس دنیا کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

ہر چیز دھندلی ہوتی جا رہی ہے۔ گہرا ہوتا ہوا اندھیرا میری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے اور اس اندھیرے میں مجھے چند جانی پہچانی صورتیں نظر آتی ہیں۔ وہ مسکرا مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔ ان میں میرا پیارا ہنزی بھی ہے اور وہ حسین و جمیل اور وفا شعار عورت بھی جو کبھی زمانے میں میری بیوی تھی۔ وہ عورت، لیکن اب میں اس کے بارے میں کیا لکھوں اب میں اسی کے پاس تو جا رہا ہوں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

تو پھر ان تمام دوستوں کو جو مجھے جانتے ہیں اور ان تمام لوگوں کو جو اس بوڑھے شکاری کو ذکر خیر سے یاد کریں گے میں سلام کہتا ہوں اور دنیا کے

ایک انجان گوشے سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ الوداع کہتا ہوں۔

اور اب میں لافانی قوتوں کا مالک جس کا نام خدا ہے، کے حضور جانے کے لئے تیار ہوں۔

میں کہہ چکا، جیسا کہ زولو کہتے ہیں۔

———x———

اختتامیہ

ہمارے عزیز دوست ایلن کواٹرمین کو اس داستان کا آخری باب لکھے ایک سال گزر چکا ہے اور اگر کواٹرمین کی تحریر کردہ اس داستان کو انگلستان بھیجنے کا ذریعہ پیدا نہ ہو گیا ہوتا تو میں یہ سطور کبھی نہ لکھتا۔

پچھلے چھ ماہ سے چند لوگ زو وینڈس کی سرحدوں پر ایسے راستوں کی تلاش میں تھے جو زو وینڈس سے باہر جاتا ہو۔ ان کی بھاگ دوڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی ایک چھوٹا سا درہ یا نالہ کہنا بہتر ہوگا مل گیا جو زو وینڈس سے باہر تک جاتا تھا (اس نالے کو بند کر دیا جائے گا) زو وینڈس سے باہر جانے کا یہی ایک راستہ تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اسی راستے سے وہ افریقی جو مسٹر میکنزی کے مستقر تک پہنچا تھا زو وینڈس میں داخل ہوا تھا اس کی آمد اور پھر اس کی روانگی (وہ ہماری آمد سے تین سال پہلے آیا تھا) چند اسباب کی بنا پر بالکل مخفی رکھی گئی تھی۔ جس پجاری کے سامنے وہ پیش کیا گیا تھا اس نے ان لوگوں کو۔ جو اس کی آمد سے واقف تھے کو تاکید کر دی تھی کہ وہ چپ رہیں۔ بہرحال حکومت اور لوگ چاہتے تھے کہ اب کوئی اجنبی زو وینڈس میں داخل نہ ہو اور نہ ہی زو وینڈس کے باشندے اپنے ملک سے باہر کہیں جا سکیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت وہ نالہ بند کیا جانے والا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ نالہ بند ہو جائے ہمارا ایک قاصد گڈ کے خطوط اپنے دوستوں کے نام میرے چند خطوط اپنے بھائی جارج کے نام اور ایلن کواٹرمین کا مسودہ لے کر مہذب دنیا کی

طرف روانہ ہو گیا۔ یہ افسوس مجھے زندگی بھر رہے گا کہ اب میں مرتے دم تک اپنے جان بادرت کو نہ دیکھ سکوں گا۔ نہ میں اس کے پاس جا سکوں گا اور نہ ہی وہ میرے پاس آسکے گا۔ قاصد کی روانگی کے بعد وہ ایک راستہ بھی بند کر دیا جائے گا اور ہم مہذب دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کٹ جائیں گے۔

وہ قاصد جو ہمارے خطوط اور کتابوں کا مسودہ لے کر جائے گا۔ خدا اس کی حفاظت کرے۔ ہمارا دوست الیفونسے ہے بقول اس کے وہ زوویندی اور اس کے باشندوں سے تنگ آچکا ہے۔ اسے کیفے، ریسٹورانٹوں اور تھیٹروں کی یاد بری طرح سے ستا رہی ہے۔ اس کے علاوہ اپناتے ہر رات خواب میں آکر اسے بلاتا ہے اور وہ بے چین ہو گیا ہے لیکن زوویندی سے اس کے نکل آنے کا سبب جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ زوویندی کا بچہ بچہ اس کا مذاق اڑانے لگا ہے۔ لوگ اسے دیکھ کر بے اختیار ہنس دیتے ہیں اور کہتے ہیں "واہ حضرت! آپ کی بہادری کی بھی داد دینی پڑتی ہے جبکہ ملکہ سورانیس نے آپ کو تلوار لے کر میدان جنگ میں نکلنے کو کہا تو آپ جھنڈے کے پیچھے چھپ گئے۔ واقعی آپ بڑے بہادر ہیں۔"

بہرحال اس نے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا اور فرانسیسی پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہونا۔ زوویندی میں رہنے کی بہ نسبت زیادہ پسند کیا لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں الیفونسے پر جو الزامات عائد کئے گئے تھے وہ کبھی کے اٹھائے گئے ہوں گے اور اب وہ آزادی سے اپنے وطن فرانس میں رہ سکے گا۔ ہمیں الیفونسے کی کمی ضرور محسوس ہو گی لیکن میں چاہتا ہوں کہ الیفونسے زندہ اپنے وطن پہنچ جائے۔ وہاں اس کا شمار امیر ترین شخصوں میں ہو گا۔ سونا نہیں خالص سونے کی کئی وزنی سلاخیں اس کے

سامان میں باندھ دی ہیں۔ اور پھر وہ اپنی اپنا تیے میں شادی کرنے میں کامیاب ہو گیا (اگر وہ اب تک کنواری ہو اور ایلفونسے کو پسند کرتی ہو۔)

ایس کواٹرمین نے اس داستان کے آخری الفاظ "میں لکھ چکا" جس روز لکھے تھے اس کے دوسرے روز پو پھٹتے ہی ہمارا عزیز دوست ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا۔ میں بیٹھا اور گڈ اس وقت کواٹرمین کے پاس ہی موجود تھے۔ صبح ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر اس کی سانس اکھڑ گئی ہمارے دلوں کی جو حالت تھی اسے الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ گڈ بچوں کی طرح بلک کر رو رہا تھا اور اس کی ریشمی عینک اپنی جگہ سے پھسل گئی تھی۔ کواٹرمین آخری سانس تک خوش مزاج رہا۔ اس نے گڈ کی عینک کو اپنی جگہ سے گرتے دیکھا تو وہ مسکرا اٹھا۔

"خدا کا شکر ہے" اس نے کہا۔ "کہ میں نے مرنے سے پہلے گڈ کو بغیر عینک کے دیکھ لیا"

پو پھٹی تو اس نے کہا کہ اسے سہارا دے کر بٹھا دیا جائے، تاکہ وہ آخری بار سورج کو طلوع ہوتے دیکھ لے "چند ہی منٹوں بعد" اس نے طلوع ہوتے ہوئے سورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں اس سنہرے گولے سے پرے جا چکا ہوں گا" دس منٹ بعد اس نے گردن اٹھا کر ہماری طرف دیکھا۔

"گڈ، ہنری، ہم نے ایک ساتھ بڑے بڑے سفر کئے ہیں لیکن اب میں تنہا ایک بہت بڑے سفر پر جا رہا ہوں۔ میرے دوستوں اس بوڑھے شکاری کو کبھی کبھار دعائے خیر سے یاد کر لینا" وہ بڑبڑایا۔ "خدا تم سب کو خوش اور اپنی امان میں رکھے۔ دوسری دنیا میں تمہارا منتظر رہوں گا"

اس نے گہری سانس لی اور اس کی گردن ڈھلک گئی میں نے جھک کر دیکھا

اس کا جسم سرد ہو چکا تھا۔ ایلن کواٹر مین مر گیا۔ بوڑھا سرفروش شکاری مر گیا اور ہم سے ہمارا ایک بہترین دوست بچھڑ گیا۔ اس کے جنازے میں گڈ، لیتھا اور میرے علاوہ سیلوسس کا بچہ بچہ شریک تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اسے ان ہنگاموں سے کتنی نفرت تھی۔

اس کی موت کے تیسرے روز اور مغرب سے کچھ پہلے اس کے جنازے کے تابوت کو بڑے معبد کی قربان گاہ کے سامنے پیتل کے فرش پر رکھ دیا گیا۔ مجمع خاموش تھا۔ ہر شخص کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ سورج کی آخری کرن معبد میں اتر آئی اس نے کواٹرمین کے تابوت کو روشن کر دیا۔ بگل چلا اٹھے ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ پیتل کا فرش سرک گیا اور ہمارے دوست ایلن کواٹرمین کو شعلوں نے نگل لیا۔

اگر ہم سوچیں تب بھی ہمیں کواٹرمین ایسا دوست نہیں مل سکتا۔ وہ ایک قابل شخص اور مخلص دوست تھا وہ بہترین شکاری اور تمام افریقہ میں بہترین نشانے باز تھا۔ دنیا دوسرا ایلن کواٹرمین پیدا کرنے سے قاصر رہے گی اور یہ تھا شکاری کواٹرمین کی کہانی اور قابل رشک زندگی کا خاتمہ۔

گڈ اور میں زو وینڈس میں بڑے آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ گڈ اب تک سورائیس کی محبت اور اس کی المناک موت کو نہیں بھلا سکا لیکن بھلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ گڈ نے بحری فوج تیار کی ہے اور اب وہ زو وینڈس کے بیڑے کا کپتان اعلیٰ ہے اور اسٹیم بوٹ بنانے میں کوشاں ہے۔ وہ نئے نئے تجربے کرتا ہے اور اس تالاب میں جس کے ذریعہ ہم زو وینڈس میں داخل ہوئے تھے عجیب و غریب ہیئت کی کشتیاں دوڑاتا پھرتا ہے اس نے بحری فوج کیلئے ایک وردی بھی بنائی ہے اور وہ خوش ہے کہ اسے افریقہ کے اس دور افتادہ

خطے میں اس کا پرانا عہدہ واپس مل گیا مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی سوراہیس کو بھول کر زوو بندی کی حسین ترین لڑکی سے شادی کرے گا۔ ناپھا کی نظر میں دو لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک مرحوم ناسنا کی لڑکی ہے۔

اب میں زوو بندی کا بادشاہ ہوں اور زوو بندی کی فلاح و بہبود کا ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا اپنا مہذب دنیا کی چیزیں یہاں بھی رائج کر دی جائیں۔ شیشہ اور آئینہ بنانے میں ہم کامیاب ہو گئے ہیں اور اب چاندی اور سونے کے برتنوں کی جگہ شیشے کے برتنوں کا رواج ہو چلا ہے۔

آخر میں اتنا عرض کر دوں کہ کوئی بھی صاحب زوو بندی میں داخل ہونے کی کوشش نہ کریں۔ ہم کسی اجنبی کو برداشت نہیں کر سکتے اگر کوئی اتفاقاً یہاں آنے میں کامیاب ہو گیا تو اسے فوراً زوو بندی سے باہر نکال دیا جائے گا۔ اگر کوئی بادشاہ دولت کی طمع میں آ کر ہم پر چڑھائی کر دے تو ہم آخر وقت تک اس کا مقابلہ کریں گے۔

دس ماہ ہوئے نلپھا کو خدا نے ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکا عطا کیا ہے۔ اب وہی تاج و تخت کا وارث ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ بچہ ایلن کوارٹرمین ایسا مہم جو اور بہادر ہو گا۔

خدا حافظ

راقم سرہنری کرٹس

ختم شد